वीर सेवा मन्दिर
दिल्ली

★

क्रम संख्या
काल नं०
खण्ड

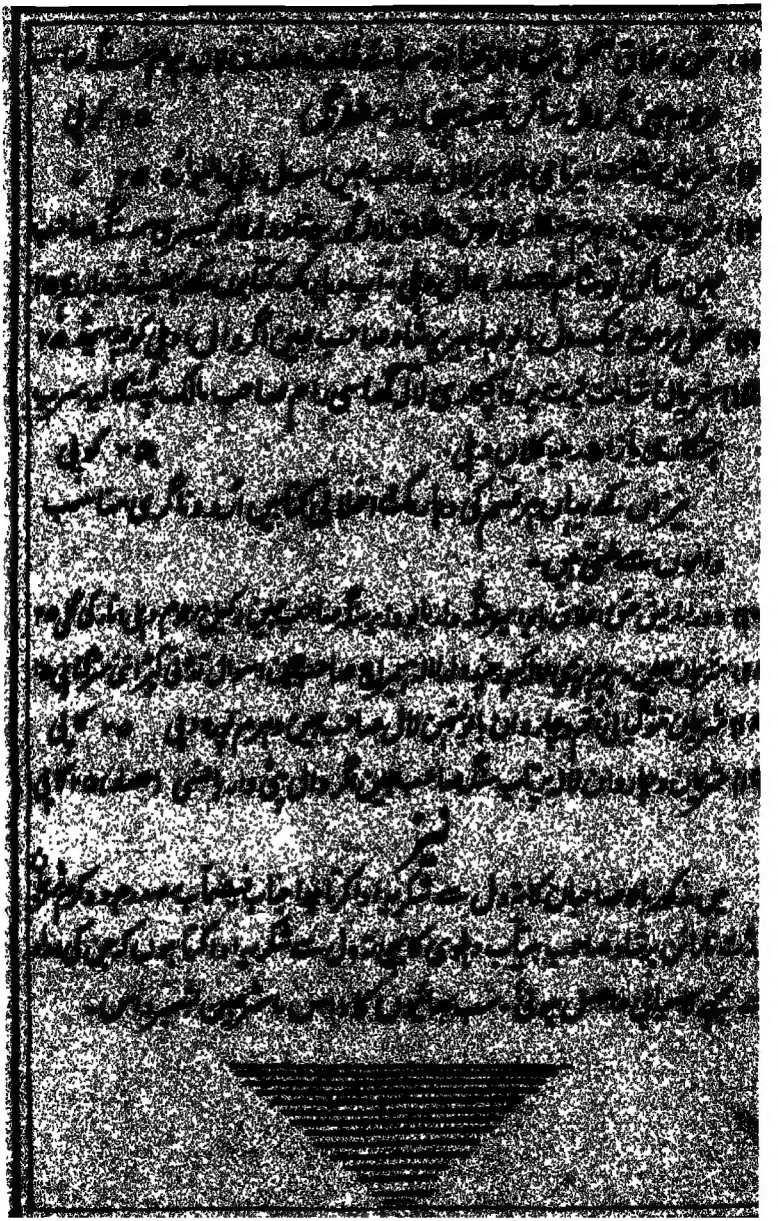

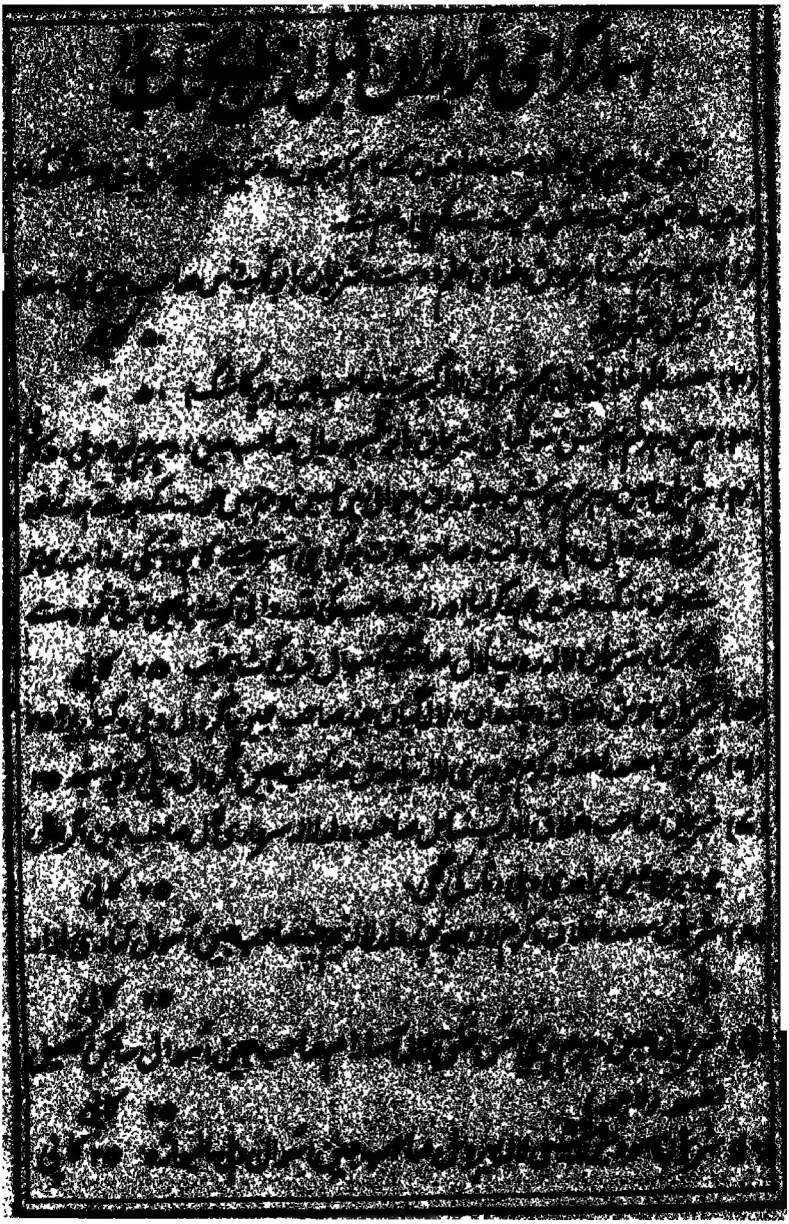

کہ جس سے دردمندی اور عبادت ایسی ہو پیدا — غریبوں اور یتیموں پر یہ جان تک بھی فدا کردے
ہر دی روح سے محبت صفائی دلسے کرینکی — دل حامی علو ہمت بس اسکو تو عطا کردے
لیاقت اور ہمت بھی بڑھے دن چوگنی ایسی — کہ فلاح روح کی خاطر ہر تن سے جدا کردے
دنیاوی کثافت کا سبب اعتقاد باطل ہے — دعا ہے داس کی اسکو دلسے اب صفا کردے

بحر دیگر

مبارک ہے بشر وہ گیان سے رغبت جو رکھتا ہے۔

صفائی قلب میں ہر دم دلی الفت جو رکھتا ہے
پس مردن بھی نندھے وہی تو سور ما یارو
عدوس زیب وزینت سے دلی نفرت جو رکھتا ہے
دلاسنسار ساگر سے وہی تو پار ہوتا ہے۔

عروج روح میں ہر دم دلی رغبت جو رکھتا ہے
حقیقت میں وہی بس پار ہو جائے گا دنیا سے
شری چرنوں میں ہر دم داس ہو الفت جو رکھتا ہے

پتہ

دہلی دریبہ کلاں۔ ماسٹر لشمی داس جین

کی بنے بہگتی (تہذیب تادیب وخدمات) سکھلاتے ہوئے نیک اعمال بھی بنایا جس کا آج یہ نتیجہ ہے کہ آپ ہوشیاری و ایمانداری سے اپنے آقائے نامدار کے ہر کام کو انجام دیتے ہوئے اپنی نیک کمائی کا ایک حصہ مذہبی فقراؤں کی زیارت کرنے اور اُن کے حالات زندگی عام لوگوں کو بتلانے میں خرچ کرتے ہیں اسکے علاوہ غربا وں و محتاجوں کی مدد کرنا تو آپ ذاتی اخراجات سے بھی بہتر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی کافی امداد سے شری جیون رام جی مہاراج سودگی (مرحوم) جین پرسدھ تپسوی کی لائف ناگری زبان میں چھپنے والی ہے۔ اور جین اناتھ آشرم آگرہ و دہلی۔ اور جین مہاویر ودیالیہ دہلی و نیز جین گورو کل پنج کولہ (پنجاب) و جین گورو کل بیاور (راجپوتانہ) کی تو آپ سالانہ امداد کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے آپ دھارمک و اخلاقی کتابوں کے پرچار میں بھی مدد دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ نے کمتی سوپان ۲۲۵ صفحہ کی ٹیکہ ناگری کی پچاس جلدیں اور گلزار روحانی اردو کی پچاس جلدیں تقسیم کری اور کر رہے ہیں۔

اب میں شری چندر بھگوان سے اُستدعا کرتا ہوں کہ آپ کے دل میں قومی و ملکی ہمدردی کے علاوہ روحانی صفائی کے خیالات بھی روز بروز ترقی پذیر ہوں۔ یعنی آپ خود اپنی آخری زندگی میں جذبات دل کی مکمل سرکوبی کرتے ہوئے باکمال بنتے ہوئے قابل نمونہ زندگی بنائیں جس سے دنیاوی چکر سے رہائی ہو کر نجات ابدی حاصل ہو۔

اشعار دُعائیہ

جنورا تو جلد اس کو محبت یہ عطا کر دے اور اپنے فیض سے جگر ڈنے ایسا تو رہا کر دے

علاوہ ازیں آپ روزانہ فرائض کے بھی دل سے پابند ہیں۔ حسن اخلاق تو یہاں تک ہے کہ مقام تحصیل سرسہ ضلع حصار میں مجھے آپ کی اکثر آدمیوں نے تعریف کی۔ کیونکر یں جب کہ آپ ایک کروڑ پتی سیٹھ (لالہ تامل صاحب) کے مختار عام ہوتے ہوئے بھی کسی بھی شخص کو شکایت کا موقعہ نہیں دیتے بلکہ ہر شخص کو حتی الامکان خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے ایماندار ہونے سے اکثر اشخاص اپنا روپیہ بھی آپ کے پاس جمع کرا دیتے ہیں۔ اب میں اپنے دوستوں کو ایسے مصدر لطف و کرم و مخزن خلق و محترم شخص کے مختصر حالات بتلاتا ہوا اُمید کرتا ہوں کہ آپ خود بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے لطف دارین حاصل کریں گے۔

دوستو! سچ بات تو یہ ہے کہ شریمان لالہ کپورچند ولد لالہ کیسری چند جین اگروال سادھ مارگی ساکن قدیم نوشام (حصار) حال مرسہ (حصار) کے حالات گوش دل سے سننے کے لائق ہیں۔ آپ کی پیدائش مقام نوشام ماہ بھادوں سمت ۱۹۳۶ بکرمی میں شری متی ماتا۔ پُن وان۔ وچارون چارترون شریمتی کیسری بائی کی کوکھ (بطن) سے ہوئی۔

آپ کے ماتا پتا نے اسم بامسمّٰی ہونے سے شروع سے ہی اپنے فرزند ارجمند کو خوش مزاج۔ فرمانبردار اور خلیق۔ ہر دل رفیق بنایا اور درویشوں مہاتماؤں

لہ سمائیک۔ پرتی کرمن روزمرہ کرنے کے سوائے دان پن اور سنجم بھی دن دن کرتے رہتے ہیں۔

پرکاشک کے مختصر حالات

معزز دوستو! آپ کے اس بھارت (ہندوستان) میں روحانی خیالات اور آتم وچار کسی وقت ایسے بینظیر تھے۔ کہ جس سے اس کو پاک خیال کے رشی مہاتماؤں اور عالم باعمل خانہ داروں کی ہستی پر قابل تسلیم فخر و اعزاز حاصل تھا۔ ساتھ ہی اس کے اخلاقی و تہذیبی کمال بھی ہر چہار طرف پھیلا ہوا تھا۔ لیکن انقلاب زمانہ سے اس کی دگرگوں ہی حالت ہوگئی۔ یہاں تک کہ موجودہ طرز زندگی نے تو تہذیب و تادیب اور عزت و عظمت کا قطعی ہی خون کر دیا جس کی تشریح کرنے میں دل لرزتا ہے۔ خیر ایسے نازک زمانہ میں ہم اپنے لالہ صاحب (پرکاشک مہاشہ) کا وجود اس وجہ سے غنیمت سمجھتے ہیں کہ آپ باوجود دُنیاوی اعزاز سے ممتاز ہونے کے خلیق و لئیق ہوتے ہوئے قومی ہمدردی میں بھی خاص طور سے حصّہ لیتے ہیں۔ آپ کو اہل ریاضت و عبادت جین فقراؤں کے درشن کرنے کا خاص شوق ہے۔ چنانچہ آپ حال میں ہی لاہور و ریاست فرید کوٹ شری تپسوی گنپت رائے جی و شری تپسوی بنے چندجی (شری جواہر لال جی مشہور جین سادھوؤں کے شش) مہاراج کے درشن کر کے آئے ہیں۔

لہ آپ نے حال میں ہی ۴۴ دن کا برت کرتے ہوئے دوپہر کو روزانہ ۱½ گھنٹہ دھوپ میں تپا بھی ہے۔ اسی طرح آپ پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔

اپنی خصلت و کرتب کو سن شرمندہ ہوئے ۔ بھائیو، مجھے اپنا کھویا ہوا دل پاکر
اسقدر خوشی ہوئی کہ جو بیان سے باہر ہے اب مجھے کچھ چین و آرام بھی ہے اشٹ بیوگ
و اشٹ بھوگ میں زیادہ دکھ و کلیش بھی نہیں ہوتا ۔ شم و دم (اتم کلیائیں) ایسی
بھی دل لگتا ہے اسی طرح سے من کے بجوبی بس میں ہونے سے ممکن ہے کہ میری
عرصہ کی دلی خواہش (سنسار سمندر سے پار ہونا) پوری ہوتی کے سامان یعنی آنادی
سے شاستر سواد ھیا (مطالعہ) اور پتو سنجم (اندری کا روکنا) اور ایشور بھگتی اور زر لوبھی
گیانی آتم وچاری مہاتماؤں کا ست سنگ وغیرہ وغیرہ حاصل ہو جاویں پھر جس سے
سمیک درشن و گیان چارتر کی پراپتی ہونے سے کرموں کی نرجرا ہو کر جنم جنم کی روگوں
و کلیشوں سے آزادی یعنی موکش آنند کی پراپتی ہو جاوے ۔

قفس میں عندلیب زار جو بیچین روتی تھی — وہ آزادی کی گلشن میں چہکتی ہے گا ہو کر
ازل سے جو فراق یار میں پھوٹی ہر اساتھی — ملی محبوب کو پشتہ مٹی سے جدا ہو کر
تھا جلوہ آتما کا رام گو تم بدھ اور پارس — بنے آتم سے پرماتم جو چلے رہنما ہو کر

نہیں زیبا محبت داس اس مٹی کے پتلے سے
کرو حاصل بقا تم بھی خود اپنے آشنا ہو کر

مجھے امید ہے کہ میرے دوست نتیجہ پر غور کرتے ہوئے چنچل من کو قابو میں لا اس
لوک پرلوک کا لابھ حاصل کریں گے اگر وہ متواتر من کی رفتار گفتار پر قابو پا کر اتم وچار
کریں گے تو لاکلام دنیاوی سکھ کیا بلکہ موکش آنند تک حاصل کر لیں گے ۔ مصرع
کرو کلیان تم اپنا سمجھ کر دس جن بانی ۔

اوم شانتی شانتی شانتی

زندگی تو اپنی فضیلت کو کام میں لا اور اپنی طاقت و لیاقت و حقیقت و اصلیت پر تو خیال کر کہ تیرے پرجائے شری رامچندر جی مہاراج پتا کی آگیا مان راج چھوڑ جنگلوں و بنوں کی سخت مصیبتوں کو برداشت کر ہمیشہ کے لئے یوجیہ آورش بے نظیر ہوئے اور تیری ہی پرلکشمی سے ارجن۔ بھیم جیسے بلوان جودھا مشہور ہوئے اور شام مورتی وغیرہ جیسے شیر ببر سب ملکوں میں تیری ہی وجہ سے تعجب خیز کارناموں میں لاثانی ہوئے ہیں اور تیری ہی برکت سے شری ہرشچند جیسی ست بادی اور شری جموسوامی جیسے تیاگی پرا گی پرسدھ ہوئے ہیں اور شری مہابیر بھگوان (جین دھرم کے اخیری پرچارک) تیری ہی سے دنیا میں بڑی بڑی سختیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آتم انبھو (आत्म अनुभव) کر چودہ گن ستھان یعنی چودہ درجہ والی شیونی سے موکش محل میں پہونچے ہیں۔ اور تیری خصلت و اصلیت کو جان سری ستی انجنی جی (شری ہنومان جی کی ماتا) دسری ستی دروپدی جی (ارجن کی استری) و شری ستی سیتا جی (شری رامچندر جی کی استری) وغیرہ وغیرہ ستیاں بھی دھرم کی خوت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کرنے سے استری سماج کی بھی آدرش درپہرہ ہوئیں اور تیری ہی مہربانی سے پنولین جیسے معمولی سے معمولی شخص نے ملک فرانس میں شان و شوکت سے حکومت کی اور تیری ہی برکت سے جرمن کی گھومید قہر سنگرام میں یعنی سب طاقتوں کے مقابلہ میں ہمارے بادشاہ وقت نے فتح پائی واقع بات یہ ہے کہ تیری لیاقت ہمت و مروت و محبت بیان سے باہر ہے اے میرے ایسے لائق فائق مہربان ساتھی پرآ میرے سب سے پیاری چیز جان سے زیادہ عزیز کون حضرت دل رو پڑے اپنی نادانی پر افسوس کرنے لگے۔

لہ یعنی جینی لوگ موکش جانے کے لئے چودہ گن ستھان یعنے جین عبادت ریاضت سے من کو پاک کر یہ سب حالت طے ہوتا ہے۔ ۱۲ زیر بیڑی ہی۔

زندگی سمجھتا اس کی خدمتگذاری اپنی باعث راحت سمجھتا اس کو خوش دیکھ کر خوش ہوتا اور رنجیدہ ملول دیکھ کر مغموم ہوتا ہر دم اس کی بہتری و بہبودی کے فکر میں رہتا اس کی بیوفائی اور نالائقی کو بردباری اور بزرگی سمجھتا۔ آخر اس طرح سے تنگ آکر میں نے اپنا یہ سب قصہ وچاروان۔ ہنومان۔ جامونت۔ بھاتماؤں کو سنایا جس سے دیالو بھاتماؤں نے مجھے اس طرح سمجھایا کہ تم خود ہی اپنے من کو مخاطب کر اس طرح پوچھنا۔ کہ اے من یہ تمہارا محبوب تمہارے ساتھ کب تک رہیگا اور کب تک اس کے پیچھے فریفتہ رہنے سے تمہارا سرمایہ زندگی برباد ہوتا رہیگا۔ اس طرح کی چند بار کی ڈانٹ سے کچھ کچھ ہوش واطمینان نصیب ہوا۔ لیکن کیا یہ رہنے والا تھا۔ اب پھر سودا سر پر سوار ہوا۔ یعنی وہ سخت خشک اندام سیاہ فام کیا لگیا گویا میں ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگیا اس کا خوش ہوکر بولنا اور ہاتھ سے ہاتھ ملانا تو گویا دولت دارین کا ملجانا اور مردے کو آب حیات تھا پھر میں نے حسب ہدایت سادھو منی راج محبوب کی لاپروائی۔ بیوفائی سستی و نفرت جتی وغیرہ کا نقشہ کھینچکر من کو سمجھایا اور جنیشور بھگوان کو آدرش بنا اتم کلیان کی طرف رجوع کیا۔ یعنی اس سے کہا کہ اے میری جان۔ میں تجھے کیا کہوں تو میرا آشرام راحت و آرام ہے۔ جیپر تو فدا ہے جس کے جسم سے تجھے خوشبو آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اور جس سے ملکر تو پھولا نہیں سماتا وہ جسم خون۔ مانس۔ ہڈی چام وغیرہ کا ناپاک مجموعہ ہے۔ جس سے ہمیشہ گندگی نکلتی ہے جیسا کہ کسی بزرگ کا قول ہے۔

دیہہ اپادن اتر گھنا دن یا میں سار ہے نہ کوئی
ساگر کے جل سے سو شوچی کیجے تو بھی شدھ ہوئی

ذرا خیال تو کر کہ جس مردان و زن پر تو فدا ہے وہ ہڈیوں کے چند ننھے ننھے ریزے اور تھوک وغیرہ کا ایک برتن ہے اب ہوش میں آ۔ اور نظر بصیرت سے دیکھ ظاہر انگاہ سے نہ دیکھ یہ سب فانی ہے اور جاودانی روح سے نہ کسی کو پریم ہوا اور نہ ہو ہی سکتا ہے اے میری سرمایہ

شانتی مارگ

من کے ہارے ہار ہے من کے جیتے جیت

پیارے دوستو سنسار میں ہر ایک پرانی سکھ شانتی کا خواہاں ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ آیا یہ ہمکو محض زمانہ سابقہ کی نیک اعمال سے ہی ملتی ہے یا موجودہ کوشش بھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے حاصل ہونے کے دونوں سبب ہیں لیکن گذشتہ اعمال تو ہمارے اختیار سے باہر ہو چکے ہیں رہی موجودہ کوشش اسپر البتہ ہمکو کچھ اختیار ہے یعنی جیسے جیسے غور و خوض سے باقاعدہ کام کرینگے ویسے ویسے ہی آرام و چین ملنا ممکن ہے۔ دوا کیلئے سب سے زیادہ من کو بس میں کرنیکی ضرورت ہے اسکے لئے ہی ہر ایک مذہب کے علماء نے فرمایا ہے کہ اسکو ہمیشہ شاستر سوادھیا وغیرہ نیک کاموں میں لگائے رہو ورنہ ممکن ہے کہ یہ کہیں ہمکو ایسی خرابی میں نہ لیجائے جہاں جان کے لالے پڑ جائیں۔

دیکھئے کبھی یہ حلوائی کی دوکان کی طرف جا کر ہمکو سوہن حلوا و قلاقند وغیرہ کھانے کو نہیں کرتا ہے اور کبھی زردوزی اور رنگ برنگ کے لباس کی طرف مرغوب کر زندگی کو وبالِ جان بنا دیتا ہے۔ اس طرح کبھی کہیں کبھی کہیں غرض مختلف مقامات پر قسم قسم کے سیر و تماشے دکھلاتا ہوا ہر دم حیران و پریشان رکھتا ہے۔

یعنی یہ کبھی تو کسی حسین و جمیل عورت کی ناز و انداز میں پھنسا کر ماں باپ وغیرہ بزرگوں کے حقوق کی فراموشی تک کراتا ہوا طرح طرح کے گناہوں چوری و جاری کا مرتکب ہوتا ہے اور کبھی کسی پرش کے انداز و طرز کلام و حصہ جسم پر شیدا کرتا ہوا یہ کیا کچھ غضب نہیں ڈھاتا۔ میں کیا کہوں مجھے بھی اس چنچل من نے ایک ضعیف العمر شخص کی۔ سنو سنو باتو نیز ایسا فریفتہ کیا تھا کہ جس سے کرم کا ہی خیال رہا اور نہ دھرم کا ہی۔ صبح ہونے سے پہلے ہی میں اُس کے گھر پہنچتا اور اس لوبھ کو اپنے ہمراہ ہوا خوری کو لیجاتا اور ہم کلام ہوتا ہوا اپنا لطف

[1] اسی وجہ سے ہم دیگر ولایتیوں کی خوشنما کپڑے و برتن وغیرہ کے خریدا ہونے سے ہر طرح سے تباہ و پایمال ہو گئے یہاں تک کہ روٹی سے بھی تنگ ہیں

پاؤں کو کسی نے اس کے باقی حصہ جسم کو۔ اس طرح سے نئے نئے مذاہب کی اشاعت ہوئی۔ جس طرح سے پاؤں سونڈھ و دیگر تمام جسم کی مجموعی شکل کا نام جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہاتھی ہے۔ اسی طرح اتم اتما کے بھید جانتے ہوئے تت سنجم ونیہ دیم جو اندری دمن کے مول کارن ہیں کرتے ہوئے جیو ماتر کی من بچن کایا سے شبھا شبھتی دیا کرنا ہی دھرم کا اصلی سروپ ہے۔ پس ایسی نازک حالت میں کہ ہمارے اپدیشک ولیڈر بھی بے خبر اندریوں کے غلام ہوں ہم کو منزل زندگانی بڑی ہوشیاری سے طے کرنی چاہئے اور ہر طرح سے دیکھ بھال کر گرو بنانا چاہئے۔ ان کی مصنوعی و میٹھی باتوں میں جو دین اپنی خود غرضی سے بناتے ہیں نہیں آنا چاہئے بلکہ بے خوفی سے صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ پتھ کی ناؤ کبھی بھی پار نہیں کر سکتی۔ اگر دین کسی قسم کا خوف دلائیں تو دھرم کے مقابلہ میں کسی قسم کی پروا نہ کریں۔ مصرع

چھوڑو نہ تم دھرم کو جا ہے جان تن سے نکلے

کیونکہ ہوا تم گیانی و چاروان مہاتما ہیں۔ ان کو تو ان قصوں سے مطلب کیا اور جو محض بھیس دھاری سوارتھیوں نے ان کی بدولت خوشہ کیا۔ ہمارا آتما سچائی کا خود ساکشی ہے۔ اگر ہم بلا وچارے ان کے دام تزویر میں آجائیں گے تو ضرور موجودہ و آئندہ زندگی خراب کرتے ہوئے کف افسوس ملیں گے۔ میں یہ بات بڑے زور سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر سادھوؤں کی اگر خراب حالت نہ ہوتی تو ہرگز ہرگز ہماری بھارت ماتا کو اس طرح سے نالہ و شیون و غم نکرنا پڑتا۔

سیکڑوں لال مرے کھوتے ہیں یہاں دن رات
کس طرح میں نہ رہوں شوک سے گریاں و نزات

جیو ہتیا سے میرا خون ہوا جاتا ہے
بے قضا مرتے ہیں پیارے میرے جیوان و نزات

میرے بیٹے متبنی ہیں کسی غیر کے آہ
شکل سیرت سے ہے صاف نمایاں و نزات

سر پہ چوٹا ہے نہ زنار بدن میں ان کے
دیکھوں کیونکر یہہ تبدیلی دوراں و نزات

اہل یورپ کو عطا پھر ہو فن روحانی
دیں سبق پھر میرے آستاد ہمہ داں و نزات

پھر قدمبوس ہوں تاتاری و افغاں و نزات

میں بھی فراموشی سے۔ باہمی محبت والفت بھی خودغرضی کے قربان ہے جس سے امن چین رخصت ہوا۔ پشیمانی و پریشانی کا بازار گرم ہوا۔ کیوں نہ ہو جبکہ لیڈروں و رہبروں کی یہ ناگفتہ بہ حالت ہو جس سے ملک روز بروز اس طرح زوال پذیر ہوتا جاتا ہے کہ جس طرح اسکولوں میں ماسٹروں کی خرابی و نالائقی سے لڑکے تعلیم سے محروم رہنے کے علاوہ بدچلن و بدتمیز ہوتے ہوئے والدین کی امیدوں کا خون کرتے ہیں۔ یعنی کسی ایک ماسٹر کے بھی ایسا ہونے سے اسکول بدنام ہو کر ترقی کے بجائے تنزلی کو پہنچا جاتا ہے۔ اسی طرح سب ہی مذاہب کیا جین کیا اجین کے اکثر سادھو سنیاسی و راہبہ و قومی لیڈروں کی دروغگوئی آرام طلبی و موقع کتہائی و لاپروائی سے یہ بھارت نواسی ہر طرح سے اپنے دھرم کرم سے تپت اور علم و ہنر سے محروم رہتے ہوئے اپنے بزرگوں کے کام اور رہ رشیوں کے نام کو داغی و کمزور بنا رہے ہیں۔ جس سے یہ بھارت غارت ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔ ہائے ہائے بھارت میں بوجہ مفید بیوپار اور کارخانہ بند ہونے کے فقیروں کی تعداد بڑھ جانے سے کماچک و دھارمک کتنا نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ چونکہ سادھوؤں و منیوں، براہمنوں، انتہی لوگوں کے کام ست ودیا (گیان) کا پرچار اور دیش سدھار تھا۔ اس لئے یہ لوگ دان کے سوپاتر (لایق و مستحق و مناسب ظرف) مانے گئے ہیں۔ جب تک اس ملک میں روحانی علم و ہنر کی ترقی رہی تب تک یہ مہاتما لوگ عالم و فاضل و صاحب کمال ہو کر اپنے فرائض منصبی کو بخوبی انجام دیتے رہے لیکن علم کے آفتاب کے چھپنے سے یہ لوگ عموماً جاہل ہو گئے اور اپنے فرائض اصلی کو بھولگئے اور بعض نام کے سادھو و برہمن رہ گئے۔ کسی نے دریاؤں میں نہانے کو دھرم مانا۔ کسی نے جگہ جگہ پھرنے کو تیرتھ یاترا کے نام سے پرسدھ کر کے اسمیں دھرم سمجھا۔ کسی نے گرہن کو یعنی اشنان دکھان پان میں ہی دھرم مانا۔ کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ۔ غرض اس طرح سے کسی نے سونڈھ کو ہاتھی جانا۔ کسی نے

بادشاہ نے اپنی تمام رعایا کی برابر حقوق ادا کئے لیکن موجودہ جنگ میں یہ باتیں نام کو بھی نہیں تھیں۔ کیا مقبوضہ ملک نے اس کی تائید کی یا معزز دوستوں اگر واقعی اسکی تقلید ہوتی تو آج ہندوستانی رعایا ضرور مثل دوسری رعایا کے خوش حال اور ہر طرح سے مالا مال نظر آتی۔ کیا ایسا دکھلائی دیتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ ہندوستانی رعایا تو فاقہ نوشی و دیگر چند وجوہات سے سخت پریشان ہے لیکن دوسری رعایا تو ہر طرح سے خوش و خرم تونگر اور مال دار نظر آتی ہے۔ کیا ایام جنگ میں ہندوستانی رعایا۔ نے تن من دھن سے قربانی کر فرمانبرداری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ پس سب کو برابر نہ دیکھنا ہی روحانی ماہیت سے ناواقف ہونے کافی سے کافی ثبوت ہے۔ کاش موجودہ حکومتیں مثل زمانہ سلف کے روحانی حالات سے ماہر ہو جائیں تو کیا ہی کہنا ہے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ ملکی کمال تو فی زمانہ بہت کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی ہوائی جہاز اور دم کی دم میں ہزاروں میلوں کے فاصلہ پر تار سے خبر پہنچ جانا۔ قسم قسم کی آرائش و آسائش کے سب سامان ترقی موجود ہیں۔ سو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ کمال کے معنی یہ ہیں کہ رعایا اور بادشاہ اطمینان سے زندگی گذارے چاہے آرائش و آسائش کے سامان کم ہوں یا زیادہ لیکن اطمینان قلبی ضرور ہو۔ بغیر اس کے ظاہری ساز و سامان ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جیسے کہ اگر کسی مکان کا بیرونی حصہ تو ہر طرح سے مکلف بنایا جاوے لیکن اس کے اندر بدبودار چیزیں رکھی ہوئی ہوں تو کیا کوئی دور اندیش اس کے پاس کھڑا رہ سکتا ہے۔ اس میں رہنا تو دور رہا۔ اسی طرح خوشحالی۔ مالی ترقی و کسب و کمال کی عروجی کا بھی واقعی ثبوت ہے کہ اطمینان دلی ہو۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ موجودہ بھارت کے غارت ہونے کا یہ ہی سلسلہ ہے کہ سامان ظاہری تو حد سے زیادہ ہو گیا لیکن دل کو تسلی خواب میں بھی نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستانی رعایا بھی اپنے فرائض سے گرتی جاتی ہے۔ یعنی حقوق شاہانہ کی ادائگی

ہستی پر قابل تسلیم فخر و اعزاز حاصل تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی و سماجی کمال بھی ہر جہار طرف پھیلا ہوا تھا لیکن انقلاب زمانہ سے جب روحانی مآل کا ناگفتہ بہ حال ہو گیا تو تب اخلاقی و ملکی عزت و عظمت اور عیاوت و عبادت کی تاب و طاقت بھی جاتی رہی۔ جس کا خاص ثبوت علاوہ روزانہ مشاہدہ و تجربہ کے یہ ہے کہ جرمن و انگلینڈ اس وقت چاہے ترقی کی بام پر کیوں نہ نظر آئیں اور ملکی حکومت کا جھنڈا چاہے دور دراز تک کیوں نہ لہرائے لیکن روحانی رموز سے ناآشنا ہونے سے اطمینان قلبی انکو خواب میں بھی نصیب نہیں۔ ابھی گذشتہ زمانہ میں ان کا باہمی جنگ و جدل کا حظہ تک حالت میں ہونا اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ اگر یہ حقیقت روحانی کو جانتے تو ہرگز ہرگز لاکھوں بے گناہ شخصوں کو سمندروں میں سخت بیرحمی سے غرق نہ کرتے اور بذوم کی دم میں بے شمار جانوں کو موت کے منہ میں پہنچاتے۔ کیونکہ وہ اس خونریزی کی سزا ضرور دوزخی نار میں ہزاروں برس تک نہیں بلکہ لاانتہا دور زمانہ تک جلنا لازمی سمجھتے۔ اگرچہ مہابھارت کے زمانہ میں بھی اس بھارت میں بڑا بھاری سنگرام کوروں اور پانڈوں کا ہوا لیکن اس بیقاعدگی و بے بنیادگی سے نہیں۔ وہ جنگ اتم شتا سے یدھسٹر وغیرہ پانچوں پانڈوں کو ظالم کوروں اور دریودھن وغیرہ سے مجبوراً کرنا پڑا لیکن درمیان جنگ ہر وقت پانڈوں کی طرف سے صلح کا پیغام ہوتا رہا شری کرشن جی نے بھی دریودن کو سمجھایا لیکن یقین باطل ناآشنا حقیقت روح نے ایک نہ مانی۔ بجائے نصف حصہ سلطنت کے پانچ شہر بھی دینے منظور نہ کرے۔ بلکہ سخت کلامی سے پیش آیا۔ اس پر بھی بوجہ اتم گیانی ہونے کے یدھسٹر مہاراج دھرم مورت کا دل ہر وقت اس سے سخت پریشان ہی تھا۔ اس نے تو بدھ سے انکار کر مع اپنے کٹم جنگل میں رہنا تک پسند کیا تھا لیکن یہ بھی دشمنوں کو گوارا نہ ہوا جسکا ثبوت ظاہری یہ ہے کہ بعد فتح جنگ انھوں نے بجائے حکومت کرنے کے اتم کلیان ہی کیا۔ چنانچہ باقاعدہ عبادت و ریاضت کردہ سب ہی موکش میں گئے اور حکمراں

چودہ ہزار کومنی پدوی دے سنسار ساگر سے پار گئے اور شاوک وسراوکا و سادھو و سادھوی ان چار ترتھوں کو قاعدہ میں کر دیش دیش میں دھرم پرچار کے لئے گئے۔ ہزاراں جیوں کو وچار واں، گیاں واں بھید بگیانی بنائے۔ یہ ہی نہیں بلکہ اُس وقت کے پرسدھ مہاراجہ شرینک اور ان کے پتر راج کنور کونک اور راجہ چیلنک و راجہ چندر پردیوت و راجہ اودائیں و راجہ نندیردھن و راجہ وشارن بھدر و راجہ جیت شترو و ستویت راجہ وجے راجہ ویاوا پوری کاہستی پال نامک راجہ وغیرہ وغیرہ بہت سے راجہ مہاراجگان کو بھی جین دھرم انوراگی بنائے۔ غرض اسی طرح ۳۰ برس تک بیشمار جیوؤں کا اُپکار و کلیان کرتے ہوئے آخری چوماسہ پاوا پوری نگری میں کرنے گئے۔ وہاں ہستی پال راجہ کی پراچین راج سبھا میں دوون ان شن برت (تمام چیزوں کا قطعی تیاگ) کر شری آتم دیاد (آتمابیچا) سُناتے سُناتے کاتک بدی اماوس کی آخری راتری کو ۷۲ برس کی عمر میں آیو پورن کر موکش پدھارے۔ اُس وقت اٹھارہ دیش کے راجہ مہاراجہ بھی پوشدھ برت کر مہاراج کے آخری اُپدیش سے اپنا اپنا جنم سپھل کر رہے تھے۔ چنانچہ اُس دن دیپ مالکا سب فوروں میں ہونے سے اس کے لوک مانیہ و قابل تعظیم ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

روحانی کمال

شعر۔ جب سے وچار آتم بہارت سے اُٹھ گیا　　تو ملکی کمال تپ سے دنیا سے منگیا

معزز دوستوں آپ کے اس بہارت میں روحانی خیال اور آتم وچار کسی وقت ایسے بےنظیر تھے کہ جس سے اسکو قابل قابل و دوان رشی مہاتماؤں اور عالم باعمل درویشوں و صوفیوں کی

نوٹ۔ تمام ہندو قومیں کاتک بدی اماوس کو اپنے گھروں و دوکان میں روشنی کرتے ہوئے مٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں لکشمی پوجن کر غریبوں کو دان بھی دیتے ہیں۔ یہ سب خوشی اس مہاویر سوامی کی یاد میں منائی جاتی ہے۔

اُتم اُتم اپدیشوں سے دھرم کا م تو جان جاتے ہیں لیکن بغیر درڑھ بشواش کے کچھ نتیجہ نہیں۔ پس سمیک درشن یعنی یقین صادق کی سب سے اول اور خاص ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے سنسار سمندر سے پار کرنے والا یہ ہی ملاح مانا گیا ہے، اس کے بعد چارتر کا نمبر ہے یعنی گیان سے راستہ معلوم ہوا اور یقین صادق سے اس کو سچا و درست سمجھا۔ اب باقی ہے بمنزل عمل کا۔ جس کے بغیر نہ کسی نے موکش پایا اور نہ پا ہی سکتا ہے۔ یعنی سمیک چارتر سے ہی کاریہ کی سدھی ہو سکتی ہے جیسا کہ सम्यक्दर्शनज्ञानचारित्राणि جیسا کہ ہر ایک جیو واجیو وغیرہ پدارتھوں کا سروپ ہے* اور मोक्षमार्गः اس طرح ہے جیسا کہ بتلایا گیا۔ سمیک درشن اور اس پر نہار ریتی (باقاعدہ) سے چلنا سمیک چارتر ہے۔ جس کے دو بھید نشچے و بیوہار ہیں اور بیوہار نشچے کا سادھن ہے۔

دوستو! اب ہم اپنے ہمہ داں کے اُپدیش کو بخیال وتنگی اختصار پسندی کے مختصر بیان کرتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ کیول گیانی (ہمہ داں) ہونے کے بعد بہت کچھ جیووں کا اُپکار و کلیان کیا۔

یگوں کی گھور ہنسا کو یکدم بند کرایا۔ و یا دھرم کا سکہ تمام ملکوں میں جمایا۔ لوگوں کو رحم دل اور اُپکاری بنایا۔ بلا خیال ملت و مذہب ہر ایک کو انسانی فرض سمجھایا۔ جسمانی و سماجک ترقی کے ساتھ آتمیک گیان بھی بتلایا۔ چنانچہ اس قسم کی شہرت و نیکنامی سے اس وقت کے خاص و دوان اور وید پارگی گوتم آدی برہمن بھی سیوا میں بغرض بحث و مباحثہ آئے لیکن قبل از دریافت آپ نے تمام شکوک خود بخود ہی دل میں طے ہو جانے سے سب نے سر جھکائے۔ ہمارے بیراگ پربھو نے ان سب کو چارتر کے ملکٹ پہنا اپنے گندھر بنائے۔ یہ ہی نہیں بلکہ ان کے چار ہزار چار سو ششوں کو بھی سنجمی منی و سمیکتی شراوک بنائے۔ غرض اس طرح سے مہاویر داں و چارتر داں بن اجین

---

* ۔ خاص پدھاری چار گیان والے جو ہمہ داں کی بانی کا خلاصہ تمام سمو سرنوں میں سناتے ہیں۔

ہی سر جھکایا اور جن کے سامنے بڑے بڑے گیان وان پرسدھ مہاتماؤں نے سینکڑوں برس سر رگڑا۔

غرض تین لوک میں جن کا لوہا سب نے ہی مانا۔ جیسا کہ ؎

دکھلا رہے ہیں کرم کیا ساماں نئے نئے　　رنج والم ہیں جان کے خواہاں نئے نئے
مٹتا ہے ایک رنج تو ہوتا ہے دوسرا　　کرموں کے پھل ہوں دیکھتا ہوں آں نئے نئے

اپنے معمولی وقت میں (محض بارہ برس سے کچھ زائد) بالکل نیست و نابود کرا ری ہستی پد حاصل کیا۔ مالو تمام تیرتھنکروں میں سب سے کم زمانہ میں آپ کو موکش پد حاصل ہوا۔

اس خاص الخاص صفت کی وجہ سے آپکا نام مہابیر کیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کوئی لفظ اور ہماری نظروں میں ہے اور اس کو آپ کے نام کے ساتھ منسوب کیا جائے تو وہ بھی کم ہے۔ غرض ان صفتوں کی وجہ سے ہم آپ کے بل اور پراکرم کی جس قدر بھی تعریف کریں۔ وہ فی الواقع دریا کو کوزہ میں بھرنے کی مانند ہے۔

سکہ انکا بیٹھا ہے ہر دشت ہر انبوہ میں　　زلزلہ ہے نام سے اُن کے زمین و کوہ میں
سر جھکاتے ہیں اندر بھی روبرو آتے ہوئے　　چکری تو ٹھوکریں پھر رہے کھاتے ہوئے

اُپدیش۔ دنیاوی سازوسامان سے محبت چھڑانے والا جذبات نفسانی سے محفوظ رکھنے والا۔ اپنے (آتما) اور غیر (جسم) کی تمیز کرانے والا صحتی کہ روحانی کمال یعنی نج آنند و سچدانند وغیرہ اور بہت شکتی کا ظاہر کرنے والا یہ ہی ایک سچا رہبر (سمیک گیان) ہے۔ یعنی اس نے ہی چاروں گتی کا سروپ دکھلا چوراسی لاکھ یونی کی گھور بیدنا سے بچا پرم پد دینے کو موکش مارگ دکھلایا۔

ایسے باکمال رہنما کی رہنمائی سے جو کچھ معلوم ہوا اس پر یقین کرنا اور صحیح ماننا (سمیک درشن) کہلاتا ہے۔ بہت سے آدمی شاستروں کے پڑھنے اور ست گورؤں کے

جس کا ثبوت آپ کو تمام مذاہب کے یفارمروں کی لائف پڑھنے سے خود بخود ہی مل جائے گا۔

چنانچہ دیکھو حضرت عیسیٰ مسیح و محمد صاحب نے کیسی کیسی سختیوں کو برداشت کیا اور اسی طرح سے ویش و برہمن و سکھ و چھتری وغیرہ قوموں کے بزرگوں و رہبروں شری رامچندر جی و شری کرشن چندر جی و گورو نانک جی و سوامی دیانند جی وغیرہ وغیرہ نے کس تیرولی سے مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے دنیا کا اُپکار کیا۔ بیر بھگوان کا سدھانت و اُصول ہی ان سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ جیو کو اپنے گیان و تپ کی طاقت سے تمام کرموں کو نیست و نابود کرنے سے ہی موکش ہو سکتی ہے اور یہ شانتی کے ساتھ دکھ سہن کئے بغیر ناممکن ہے۔ نہ اور کوئی اس کا دینے والا ہے اور نہ دلانے والا ہے۔ جیو آتما اپنے باندھے ہوئے کرموں کو تپ و سنجم سے نج سروپ کا انبھو (محویت) کر ہی برابر کر سکتا ہے۔

پس ایسے بے مثال خیال والے پوجیہ پتا نے اگر کسی قسم کا غصہ نہیں کیا ہو تو تعجب ہی کیا ہے۔ کیونکہ یہ جذبات کو محض خیالی رفتار کا نتیجہ تمام ہی مذاہب نے مانا ہے۔ غرض اس طرح سے تپ۔ گیان کی طاقت سے تمام گھاتیاں کرموں کا ناش کیول گیان حاصل کیا۔

مہابیر ہونے کی مدلل دلیل۔ دوستو اگرچہ ہمارے روحانی قلمرو کے فرمانروا نے دنیاوی حکومت بھی بہت کچھ بہادری و دلیری اور ہمت و نہمت سے کی لیکن اس وقت کی اولوالعزمی کا تو کہنا ہی کیا یعنی ان بلوان جوداؤں (کرم شتروں) کو کہ جن کے آگے کیا باسدیو، بلدیو، کامدیو اور کیا چکری و اندر و مہندر سب[1]

---

[1] گیا نابرنی، ورشابرنی، موہنی۔ انترا یہ گہاتیا کرم ہیں۔ [2] وہ روحانی روشنی کہ جس سے تمام چیزوں، روحوں کا گذشتہ و موجودہ و آئندہ حالات ہو بہو معلوم ہو سکے۔

دل کو ہلانے والی سختیاں کی لیکن مستقل مزاجی کے دریا شری پوجیہ سوامی نے ان سب دُکھوں کو کرم ناش ہونے کا کارن جان۔ کسی طرح کا بھی خیال اپنے دل میں نہیں کیا کیونکہ آپ کا بشواش تھا کہ اوّل تو اس اجرا مرانباشی آتما کو کسی قسم کی تکلیف ہوتی ہی نہیں۔ دوم یہ سب کچھ اس کے کئے ہوئے کرموں کا پھل مل رہا ہے۔ ان کا تو اُپکار ہے کہ قرضہ سے سبکدوش کر مجھ نج سروپ حاصل کرنے (موکش میں جانے) کے لئے ہلکا کر رہے ہیں۔

پس ایسے پاک و پوتر اور الطف خیالات[1] کی وجہ سے بجائے کسی قسم کا بدلہ لینے کے اون کا اُپکار و کلیان ہی کیا۔ یعنی اسی طرح سمجھاتے ہوئے ان کو نیک راستہ پر لگایا کہ جس سے وہ اپنا و دوسروں کا بھلا کر سکے۔ اشعار

نہیں ہے وقت راحت جاگ[2] اور جلدی اُٹھ ارجا	ہمہ تن محو از بہر حصول مدعا ہو جا
تمنّا ہے اگر کچھ گوہر مقصود حاصل ہو	فداے ملک پر قربان ہو جا اور فنا ہو جا
پکڑ صبر اور استقلال سے شمع ہدایتکو	اندھیری رات کا کچھ غم نہ کھا تو رہنما ہو جا
تجھے یہ تو خبر ہے ایک دن آخر کو مرنا ہے	کسی کے سر پہ چڑھ کے مر کسی پر تو فدا ہو جا

دوستوں! اس قسم کے پُر اثر نصیحتوں سے بہت کچھ اُپکار ہوا۔ اب آپ کو ہماری اس قسم کی بالکل صحیح و قابل تسلیم تحریر کو پڑھ کر شاید کسی قسم کے بہانغا کا جیسا کہ اکثر لوگ بزرگوں کی حمد و ثنا میں کیا کرتے ہیں خیال ہوا ہوگا لیکن یہہ بالکل بے بُنیاد اور محض آپ کا فرضی خیال ہے۔

---

[1] ۔ یعنی جو کچھ نیک و بد فعل یہ آتما کرتی ہے اس کو ویسا ہی نتیجہ ملتا ہے۔

[2] ۔ مہاویر بھگوان کے ایسے پاک خیالات تھے کہ دشمنوں سے بھی باوجود ہر طرح سے صاحب ہمت و طاقت ہونیکے بدلا نہیں لیا۔

[3] ۔ ویر بھگوان فرماتے ہیں کہ تم ہوشیار ہو جاؤ۔

اور سکھ چین و شانتی و آنند پھیلانے کا ہی کام تھا۔ غریبوں و محتاجوں اور ہر قسم کے دکھیاروں کو خوش و خرم کرنے اور پرجا کا ہر طرح سے انصاف کرنے میں آپکا دلی پریم تھا۔

چنانچہ اس طرح سے حکومت کرتے ہوئے ہر طرح سے امن چین و نیائے انصاف قائم رکھ۔ تیس برس کی عمر یعنی عین عالم شباب میں تمام جیوں کی عالمگیر بہبودی اور اپنی روحانی صفائی کی غرض سے سنجم لیا اور کیول گیان حاصل کرنے کے خیال سے ریاضت و طریقت میں ہمہ تن کوشاں ہوئے۔

بھائیو! کیا یہ تعجب خیز بات نہیں اور کیا اس سے ان کی شوربیرتا عیان نہیں ہوتی اور کیا یہ سنہری طریقہ اُن کی ہمت و جرأت اور کوشش و لیاقت کا کافی ثبوت نہیں کہ ہمارے بیر راج محل میں عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے کے بجائے شیر وغیرہ موذی جانوروں کے لق و دق جنگل اور آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑوں کے پرخطر دامنوں میں ہزار ہا طرح کی سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے آتمک دھیان اور روحانی محویت میں مشغول ہیں۔ یعنی تمام سامان ضروری و کپڑے وغیرہ کو چھوڑتے ہوئے خاکی و فانی جسم کی محبت کو بھی اس طرح ترک کیا کہ جاڑے کے موسم پوہ و ماہ کی سردی میں بغیر کسی سہارے کپڑے و اگنی کے شمالی ہند کے برف ستانی خطوں میں تمام تمام رات ایسے آتم دھیان میں گذاری کہ بعض بعض اوقات گوالیہ لوگوں نے سختی و بے رحمی سے نامناسب (زدوکوب) برتاؤ تک کیا لیکن اس سچے بیرنے کروٹ کرنا تو درکنار آنکھ اُٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔

علاوہ ازیں چنڈ کوشک ناگ شول پانی یکش سنگم دیوتا پربھرتی (ساگر دیوتا) کی طرف سے ہیبت ناک ظلم و ستم بپا ہوئے۔ یہ ہی نہیں بلکہ اناریہ دیش (جہاں اُس وقت کثرت سے سخت دل اور فرائض انسانی سے بالکل ناواقف لوگ رہتے تھے (جیسے افغانستان اور بلوچستان وغیرہ وغیرہ) میں بہار و سفر کرتے وقت سخت دل لوگوں نے

حالات شری مہابیر

ریفارمروں میں نامی گرامی شری مہابیر بھگوان کے حالات میں کیا لکھ سکتا ہوں لیکن بخیال آخری پرچار میں نے کچھ حوالہ قلم کرتا ہوں۔

شری بیر بھگوان کا جنم اب سے دو ہزار چار سو پچپن برس پہلے یعنی عیسوی سن سے ۵۲۶ برس پیشتر مقام کنڈر پور وعرف کندن پور (بہار) اضلاع بنگال میں چھتری کل بھوشن گیات بنسی کاشیپ گوتری، شری پرسدھ راجہ سدھارتھ کے یہاں چیت سدی تیرہ دسی کو ہوا تھا۔ ان کی ماتا شریمتی ترشلا دیوی تھی۔ اب ہمارے گیان وان وچاروان پوجیہ پتا نے گربھ (رحم) میں آتے ہی ثروت وحشمت اور شوکت وحکومت میں خاص ترقی ہونے سے مشورہ چند بنجمیوں کے ان کا جنم کا نام بردھمان رکھا لیکن بعد میں یہ اپنی بیظیر[1] ہمت ولیاقت سے تمام دنیا میں مہابیر کے نام سے مشہور ہوئے اور ہیں۔ یہ ہی نہیں بلکہ آپ تیرتھنکر[2] ہونے سے اُسوقت کے سب راجاؤں میں جودت وعزت وحکومت وصولت (دبدبہ) میں مقبول عام ہوئے۔

دوستوں بخیال مضموں کی طولانی اب ہم اپنے پوجیہ بیر کے محض خیالات کا ہی کچھ فوٹو کھینچنا مناسب سمجھتے ہیں۔ یعنی اگرچہ ہمارے سچے بیر ظاہرا دنیاوی جھگڑے میں گھرے ہوئے تھے لیکن دل سب جذبوں وکاموں سے مثل کنول کے پھول کے بالکل علیحدہ اور صاف بیباک تھا۔ ہر وقت تنوں کا وچار آتم سروپ کا دھیان۔ کھنے کے علاوہ تمام سنساری جیوں کے دکھ دور کرنے اور لوگوں میں گھومنا کہنا کرانے

نوٹ [1] خیال سے زیادہ روحانی کرشمے ظاہر کئے، اور نیز معمولی سے معمولی شخصوں کی لاپروائیوں کو خود لکھٹ بنذرابہ اور باب وطاقت ہیں یکتا ہونے کے سختیوں کو برداشت کرتے ہوئے، ان کی بہتری ہی ظاہری جس کا ثبوت مدلل آپکو دیا جائیگا۔

[2] یہ ضروری ہے کہ ہر قسم کی طاقت ولیاقت وغیرہ صفتوں میں تیرتھنکر بھگوان لاثانی، بے نظیر ہوا کرتے ہیں۔ دیکھو۔ شاستر

خلاصہ عرض یہ ہے کہ سیکتی گھرستی بوجہ اپنے پاکیزہ و صحیح خیال ہونے کے گھرستی ہوتے ہوئے بھی سادھو مہاتما ہی ہیں۔ چنانچہ دیکھو خیالات۔

اشعار

ہمیشہ موہ کی کرتے رہے ہم نازبرداری[1]
مگر یہ ہے چھپا قاتل کہ مل ملکر چھری ماری

ہماری جہل و غفلت سے ہیں ایسا گرایا تھا
کہ اکثر دوست کہتے تھے نہیں انمیں وفاداری[2]

نہ ہم اخلاق کے خوگر نہ کچھ پابند مذہب تھے
نہ سمجھے تھے حقیقت کو کہ تھی ہر طور سے خواری

غرض ایسی ندامت و پشیمانی کی حالت میں
یقین و علم صادق سے ملی امداد مکمہ کاری

پیا[3] سر پہ ہمارے تھے جو جذبہ دل کے سب جھگڑے
مصیبت سے بچانے کی ہمت کی بڑی بھاری

حقیقت خود شناسی کا یہ لطف ہمکو بتا کر کے
مطالعہ وید کی جوتی جتائی ہے بڑی بھاری

کہ جس سے ہمنے جانا ہے جدا رہنے کو اب سب سے
ہوئی کافور سنسکاروں[4] سے ہماری اب یہ کاری

یقینی میں یہ کہتا ہوں رہے جو یہ گہر باری
زمانہ جین ہو جائے مٹے ساری ریاکاری

شریکن دیو کے شیدا نہیں انسان دنیا کے
اُترنا بحر دنیا سے نہیں ہو کچھ بھی دشواری

عنایت ایسے مشفق کی بیاں کچھ ہو نہیں سکتی
دعا ہے داس کی دل سے کہ انپر ہو گہر باری

---

[1] یعنی ہم آجتک دنیاوی موہ میں ہی پھنسے رہے۔ جس نے ہمکو سخت تکلیف دی۔

[2] ہم جہالت سے ایسے گرے کہ ہماری میں محبت و وفاداری کا نام بھی نہیں رہا۔

[3] ہمارے دل میں جذبات سے جو جو جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ سب دور ہوئے۔

[4] مجھے بشواش ہے کہ اگر میری طرح اور دل کو بھی یقین و علم صادق ہو جائے تو زمانہ جین ہو جائے۔

خاص مقصد زندگی ہے۔ اس قسم کے اُتم اُتم وچاروں سے دونوں درجہ والا سمیک درشٹی درجہ بدرجہ روحانی ترقی کرتا ہے جس سے یہ دنیا میں مثل کنول[1] کے رہتے ہوئے بھی اس کی کثافت سے بے لوث و پاک و صاف ہی رہتا ہے یعنی دنیاوی سب کام کرتے ہوئے بھی اس کے سب قصوں و جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے۔

وچاروان مترو دور اندیش دوستو! اگر ایسا نہ ہوتا تو بھرت جی کو بہت معمولی وقت میں کیوں کیول گیان (ہمہ دانی) ہو جاتا۔ جس کا ثبوت شاستروں کے پرمان کے علاوہ لوک روایت سے بھی ملتا ہے کہ راجہ جنک جیون مُکت تھے۔

اب میں ان کی صداقت میں ایک اور ثبوت یہ پیش کرتا ہوں کہ جب اس نازک زمانہ میں ہم سیکڑوں سیٹھ ساہوکاروں بلکہ راجہ مہاراجہ تک کو لذات دنیاوی سے متنفر دیکھتے ہیں تو اُس زمانے میں جب کہ دھرم کرم کا دور دورہ تھا ایسا ہونا کون بڑی بات ہے۔

---

[1] انتر اُتم کے تین بھید۔ سمیکی آبرتی یعنی جسکے کوئی اکھڑی وعہد و پیمان تو نہیں لیکن اسکا علم و یقین درست و صحیح ہے۔ دویم دیس برتی یعنی جسکے سراوک کے بارہ برت ہیں اور خیال مثل سابق۔ سویم۔ سنی و سادھو جنکے پانچ مہابرت ہوویں وہ سب قصوں سے پاک ہیں بعض بھوجن وغیر ضروری سامان گھر سیتو نہ لیکر اپنا کلیان کرتے ہیں انکے بھی خیالات ایسے ہی پاک ہوتے ہیں اگر خیالات باطل ہوں تو یہی سنسار میں رہینگے کیونکہ ایک دوان کوئی نے کہا ہے کہ یا من سچے درپ نتگی سنی اگر تین کر بہار پہرو۔ نوگر یوگ پرینت جاے چر پر بھوا رنی ماہی رو یعنی چاہے سادھو و فقیر اکا سب ظاہری کام کرو یا لیکن دل میں یقین و علم صادق نہیں تو وہ چاہے سب سے اونچے درجے یعنی موکش کے قریب ہی کیوں نہ چلا جائے لیکن پھر اس کو دنیا میں رلنا پڑے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ چار ترسے مقدم ہے۔

پاک وصاف تھے اور اُن میں سے بعض بعض تو عبادت و ریاضت کر اور کوئی بات کی بات میں ہی موکش میں چلے گئے۔ دیکھو برت جی مہاراج کو تو اتم انبھو (روحانی نعمت عظمیٰ) کی بدولت کپڑے اُتارتے اُتارتے ہی کیول گیان (ہمہ دانی) حاصل ہوا۔ اس وقت چاہے موہنی کرم کی وجہ سے میں منی وساد ھو (فقیر و درویش) نہیں ہو سکتا ہوں لیکن خانہ داری میں رہتے ہوئے بھی میں اس جسم کو اپنے رہنے کی اک جھونپڑی جانتا ہوں اور اس کی حفاظت کے خیال سے مناسب خوراک و پوشاک کا سامان بہم پہنچاتا ہوں۔ جس سے اس میں کسی قسم کی خرابی (بیماری وغیرہ) ہونے سے میرے روزانہ فرائض پورے ہوتے رہیں۔ پہلے جو میں اپنی استری (منکوحہ بیوی) کو جذبات نفسانی کی مشین سمجھتا تھا۔ اب میں اُس کو بھی اپنی اردھ انگنی جان دھارمک کاموں کی مددگار سمجھتا ہوں اور اس کی جسمانی نمایش و آرائش کا میرے دلیں قطعی خیال نہیں ہے بلکہ اس کی صحت و تندرستی کا خیال کرتے ہوئے اس کا اتم کلیان کرنا میں اپنا خاص فرض سمجھتا ہوں۔ اسی طرح اولاد و دیگر اہل خاندان کی طرف بھی میرا خیال بدلا ہوا ہے۔ ان کو اس لوک پرلوک کے ضروری علم و ہنر سے ماہر کرنا ہوا ان کو صحت و تندرستی و پرو اپکار کا بھی قدردان بناتا ہوں اور ان کے متعلق اور اور ضروری کار بھی (بواہ شادی وغیرہ وغیرہ) قاعدہ سے کرتا ہوں۔ والدین و بزرگ اور بزرگوں کی بھی خدمت بہ دل سے کرنا اپنا خاص فرض سمجھتا ہوں۔ اب جہاں تک ہو سکے گا میں اپنی شُبھ کمائی ہوئی دولت و دھن پیسے سے پیدا کی ہوئی حسمت زیادہ تر دھارمک کاموں و علمی ترقی اور پرو پکار میں ہی لگاتا رہوں گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ گیان پوربک (باقاعدہ طریقہ) عمل و اعمال کرنا ہی میرا

وطریقت کا کرنا) ادا کرتا اور سب جانداروں سے دلی ہمدردی کرتا تو کیوں میں دوزخ میں جاتا اور کیوں ان مصائب وتکالیف میں جو کہ میں رات دن بچشم خود دیکھ رہا ہوں۔ ماہی بے آب کی طرح نیم بسمل رہتا ہوا شب اختر شماری دون اشکباری میں گذارتا اور کیوں قندمول آلو کچالو اور پھل پھول وغیرہ ہوکر جیسے کے سپر سیر بھر بکتا۔ پانوں تلے روندا جاتا اور کیوں سانپ بچھو وشیر وبھیڑیا اور چوہا وبلی وغیرہ ہوکر قسم قسم کے عذابوں کو برداشت اور سخت سے سخت مصیبتوں کا متحمل ہوتا۔ غرض اس ناگفتہ بہ حالت میں کیوں مبتلا ہوتا۔

غرض ان مذکورہ بالا باتوں کو اشتر آتم سمبکتی جیو یاد کر۔ اپنی گذشتہ زندگی پر سخت افسوس کرتا ہے جس سے وہ بھول کر بھی پھر پریائے بدّھی (ظاہری باتوں) میں نہ پھنستا ہوا یہ وچار کرتا ہے کہ اس وقت اس آتمیک گیان (روحانی علم) کی وجہ سے ہی میری رفتار گفتار اور حرکت وطریقت بدل گئی ہے۔ یعنی پہلے میں حواس خمسہ کے جذبات کی تکمیل میں ہی خوشی سمجھتا تھا جس سے رات دن اس قصہ میں سرگرداں وحیران تھا۔ یہاں تک کہ جو کچھ نیکی وہمدردی اور خیرات وزکات اور عبادت وریاضت میں کرتا تھا وہ سب دنیاوی عزت وحشمت اور عیش وعشرت کے لئے ہی تھی لیکن اب میرا مقصد زندگی بدلنے سے میں نے روحانی خوشی کو محسوس کیا اور آتما میں پرماتما ہونے کی شکتی جان حقیقت خود کو جانا۔ اس سے اب ریاضت وعبادت سے کرم میل کو دور کر خود کو صاف ومصفا کرنے کی کوشش کرنا ہی لازمی سمجھا ہے اور میں تو اتم انبھو (روحانی محویت) کی طاقت سے مہاتما یک سمیک درشی گھرست (رموز روحانی کے ماہر دنیادار) ایسا ہو سکتا ہوں۔ جیسے کہ شانت ناتھ وگنتہ ناتھ وراجہ جنک وبھرت چکروتی راجے مہاراجے دنیاوی کاموں کو کرتے ہوئے

کرنے اور زن و فرزند کے خوش ہونے کی جتنی بھی اشیاء و سامان ضروری ہیں ان کو حاصل کرنے اور خواہش نفسانی کی کامیابی میں تفریح و اطمینان جان ان کے پیچھے متوالا و شیدا رہا ہوں جس سے اپنی حقیقت و کیفیت کو ذرا بھی نہیں جانا کہ میں ان سب سے علیحدہ ایک چیتن سروپ ہوں۔ افسوس یہ میری سب غلط فہمی و باطل یقینی ہے کیونکہ اگر یہ میرے ہوتے تو میرے ساتھ رہتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے اور ایسا ماننا گویا آفتاب پر خاک ڈالنا اور آسمان میں پھولوں کا ہرا بھرا چمن دیکھنا ہے اور اسی اپنے خیال باطل و امید موہوم کی وجہ سے مجھے روز ازل سے آج تک لاکھ چوراسی کے چکر میں گھومنا پڑا۔ یعنی ان سب کو اپنا دوست و مددگار جان ان کی جدائی میں سخت پریشان رہا اور اُنکے ملنے میں خوشی سے پھولا نہ سمایا اور ان کے واسطے ہنسا کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ چوری کرنا وغیرہ وغیرہ معیوب اور عذاب و گناہ کے وہ کام کئے کہ جن کے یاد آنے سے لرزہ پیدا ہوتا ہے۔ خوف سے دل کانپتا اور جگر پانی پانی ہوتا ہے کبھی یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ انسانی وجود جو مع جملہ ضروری سامان کے مجھے آج تک ملتا رہا۔ یہ سنسار چکر سے نکلنے اور بحر دنیا سے پار ہونے کا میرے لئے بڑا کافی ذریعہ تھا لیکن اس کی میں نے کچھ بھی قدر و منزلت اور وقعت و عزت نہ کری بلکہ کوڑیوں کے مول رتنوں کو پھینک دیئے۔ میں نے اس پُر نصیحت قول پر کچھ بھی خیال نہیں کیا۔ شعر ؎

تمن عمر ضائع بہ تحصیل مال کہ ہم نزخ گوہر نہ باشد سفال

یعنی اگر میں عمر عزیز کی قدر کرتا ہوا فرائض خاص (عبادت و عیادت و ریاضت

نوٹ ۱۔ ٹھیکرے۔ یعنی اپنی بے بہا زندگی کو دولت حاصل کرنے میں خرچ کرنا گویا موتیوں و جواہرات کو ٹھیکروں کے مول بیچنا ہے۔

یعنی حقیقت روحانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح غور و خوض کرتا ہے کہ جتنے انت گن (اوصاف غیر محدود و لاتعداد) کا یہ مرا آتما اکھنڈ پنڈ روپ (نہیں فنا ہونے والے پرویسوں کا مجموعہ) درب ہے۔ انہیں سے ایک بھی وصف چھوڑتا نہیں اور ان اپنے گنوں کے سوائے کسی دوسرے درب یا اس کے کسی انش وحصہ کو کبھی گرہن نہیں کرنا چاہیے کیونکہ [illegible] ہے کہ ان سب کی وجہ سے مرا یہ جوہر خاص میں ایک قسم کا نقص پیدا ہوتا ہے اس تمثیل سے خاص نصیحت و سبق حاصل کرتا ہے۔

تمثیل۔ جیسے کوئی شخص غلطی یا بدحواسی سے کسی ستون کو انسان سمجھ کر یا کسی رسی کو اندھیرے میں سرپ جان اس سے خوف کرتا ہے یا اس فرضی شخص کو اپنا دوست احباب اور رشتہ دار و خاندانی شخص جتا کر اس کے واسطے قسم قسم کے سامان موجود و مہیا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے لئے تن من دھن سے فدا و قربان ہونے لگ جاتا ہے لیکن جب اس کو کسی خاص طور سے غور و خوض کرنے یا کسی رہبر وغیرہ کی نصیحت کے ذریعہ سے اصلی حال معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ انسان نہیں ہے محض میرا فرضی و عارضی خیال ہے تب وہ اپنی غلط فہمی کو افسوس کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ اس کو نشچے و درڑھ بشواش کے ساتھ ستون جان۔ اس کے متعلق سب ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے جیسا کہ ہونا چاہئے۔ اب سمیک درشٹی وگیانی (اہلِ یقین و علم صادق) شخص مذکورہ بالا کہانی سے یہ سبق لیتا ہے کہ میں نے یقین و علم باطل کی وجہ سے ہی اب تک جو دولت و حشمت و مکان و دکان اور دیگر سب سامان دنیاوی اور نیز زن و فرزند وغیرہ وغیرہ حتی کہ جسم کو اپنا مان کر ان کے لئے ہر وقت پریشان و حیران رہا ہوں یعنی ان میں آتم بدھی کر جسم کو فربہ و توانا

کی رکاوٹ نہ ہو تو کبھی رک نہیں سکتا۔ بشرطیکہ اس کے اندر بھاپ کی طاقت اور سٹرک موجود ہو اور جب رُکے گا۔ تو پھر چلے گا نہیں۔ لیکن وہ ڈرائیور کے ماتحت ہے۔ جو اُسے جب چاہتا ہے چلا سکتا ہے، روک سکتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے کھڑا کر دیتا ہے۔ انجن اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے اور نہ کرنے کی اُسے طاقت ہے کیونکہ وہ چیتن نہیں۔ یہی حال جسم اور روح کا ہے کہ جب منزلِ مقصود پر پہنچنے کا خیال ہوتا ہے۔ جسم سُست ہو، کمزور ہو، بیمار ہو۔ اس کی شکست کی پرواہ نہ کر روح اُسے کشاں کشاں لے جاتا ہے اور اپنی آزاد دلی اور حسب منشاء کام کراتا ہے۔ جسم سے کرانے والا مادہ نہیں ہے۔ بلکہ روح ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی دلیلیں ہیں۔

اوم

کرشمہ جوہرِ رُوحانی

معزز و، سلوں جب روح کو اپنی ہستی کا علم ہونے لگتا ہے یعنی جب یہ بشواش ہو جاتا ہے کہ میں تین کال اور تین لوک کے جملہ جاندار وغیر جاندار پدارتوں سے علیحدہ اک اجرام ابنشی اکمنڈت وغیرہ گن والا چند آنند سروپ ہوں تب وہ اشدھ دریارتھک (प्रयाथिक नय) اور پرشدھ (शुद्ध द्रव्यार्थिक) (अशुद्ध द्रव्यार्थिक नय) کو بالکل موقوف (گوں روپ) کر دیتا ہے اور شدھ دیارتھک

[illegible] ... [illegible]

معمولی [illegible] ہے

مصروف رہتے تھے کہ دنیوی واقعات بیرونی ہو جانے پر بھی خبردار نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فلسفی مسائل کو سوچتے راستہ طے کرتے ہوئے کنوئیں میں گر پڑے اور اہل محلہ نے گرنے کی آواز سن کر نکالا۔ اسی طرح سے سیکڑوں واقعات گذشتہ و موجودہ ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حواس ظاہری صرف آلات کے طور پر ہیں بذات خود یہ دیکھنے سننے والے نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔

پس اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جسم میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کو ان حواسوں کے علاوہ بالذات یہ قوا رحاصل ہیں۔ یہ گن حواس کے نہیں۔ بلکہ اس کے اپنے ہیں۔ بچارنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے اندر کوئی ایسی چیز موجود ہے جو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے اور باوجود نہ موجود ہونے حواس کے اس میں دیکھنے کی خواہش موجود ہے۔ جنم کے بہروں پر جب اس بات کا امتحان کیا گیا ہے کہ سننا صرف کان کا گن ہے یا اور کسی چیز کا تب باوجود نہ ہونے کان کے ان کے منہ میں گھڑی گھی کی انور ہنس پڑے اور آواز سن لی۔ تو صاف ظاہر ہے کہ سننے والا دیکھنے والا سونگھنے والا روح ہے نہ کہ جسم ہے۔

دلیل نمبر ۲۔ اگر اس جسم کے اندر کوئی چیز روح کام کرنے والا نہ ہوتا تو وہ ہی مادے کو کام کرانا تو بحالت ہونے اعتدال کے اندریاں اپنے کام سے معطل نہ ہوتیں۔

جس طرح ایک کل چلتے چلتے اس وقت تک نہیں رکتی جب تک اسی تھاب وغیرہ کی طاقت گھٹ نہ جاوے یا کوئی آدمی آ کر روکنے والا نہ ہو یا نہ بگڑے

اسی طرح انسان کے جسم میں اندریاں ہمیشہ کام کرتی رہتیں۔ کبھی نہ رکتیں اور اگر رک جاتیں تو پھر چل نہ سکتیں۔ کیونکہ مادہ میں ترتیب و انتظام نہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ آدمی کا حال ایسا نہ ہوتا۔ اس کی مثال ریلوے کا انجن ہے۔ اگر انجن کو کسی صورت

بانی علیحدہ ہونا ناممکن سا ہوگیا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا امتیازیہ نشان نہیں ہے جس سے ہم صدق و کذب میں فرق معلوم کرسکیں۔ یہ روح کے غیر فانی ہونے کو ایسا مشتبہ بیان کرتا ہے جس سے اس کا صحیح پتہ نہیں لگتا۔

(۸) عیسیٰ مسیح و محمد صاحب کی رائے روح کے بارے میں یہ ہے کہ نورِ خدا کا ذرّہ ہے۔ محض ایک دفعہ پیدا ہوتی ہے۔ روزِ قیامت سب کا حساب انصاف ہوگا۔

(۹) شری کرشن چندر جی مشہور یوگی راج نے شری گیتا جی میں یہ لکھا ہے کہ روح ایسی اجر، امر، انباشی، اکھنڈت و اچھیدت ہے کہ جو نہ شستر سے چھیدی جاسکتی ہے اور نہ آگ میں جلتی ہے اور نہ پانی میں ڈوبتی ہے۔ غرض سب آفات سے مبرا ہے۔ یہ ہی رائے تمام اہل ہنود کے ریفارمروں و اتاروں و تیرتھنکروں کی ہے۔

(۱۰) شری بیر بھگوان آخری جین تیرتھنکر کی یہ رائے ہے کہ جیو (روح) اُسے کہتے ہیں کہ جو تینوں زمانہ گذشتہ۔ موجودہ و آئندہ میں جیتی ہے یعنی گیان جو گن ہے وہ جیو کا ہی ہے اور کسی کا نہیں۔ جس چیز میں جیو نہیں ہوتا اُسے جڑ کہتے ہیں۔ جڑ میں سمجھنے اور پہچاننے کی طاقت نہیں۔ یہ طاقت محض جیو آتما میں ہی ہے۔ بھائیو! اب ہم تم کو دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۔ آدمی جب کبھی باریک بات کو سوچتے سوچتے اسمیں مصروف ہوجاتا ہے تو باوجود آنکھوں کے کھلے رہنے اور کان وا ہونے کے نہ دیکھتا ہے اور نہ سُنتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اس کے اور حواس بھی باوجود موجودگی کے کچھ احساس نہیں کرتے۔ دنیا میں ہر ایک آدمی اس کی کچھ نہ کچھ شہادت دے سکتا ہے خصوصاً زیادہ سوچنے والے آدمی مہاتما گوتم آچاریہ جی اپنے منطقی مسائل میں بہانک

چیز ہے۔ یا سانس کو روح کہتے ہیں۔ یہی رائے حکیم زینو کی ہے۔

(۱) ارسطو زینس (مشہور یونانی حکیم) روح کو جسم کے مختلف حصص میں شریک مانتے ہیں۔

(۲) زینوکریٹس (یونانی حکیم) نے روح کے کئی حصے کرکے اُسے مختلف اعضاء میں تقسیم کیا ہے۔

(۳) فیثاغورث (یونانی حکیم) کی رائے ہے کہ روح ایسا مادہ ہے جسکی تقریق نہیں ہوسکتی۔

(۴) افلاطون (یونانی حکیم) کہتا ہے کہ روح میں تین ممتاز جوہر ہیں۔ ایک جوہر فراست ہے جو دماغ میں رہتا ہے اور باقیماندہ دو جوہر خواہش وطیش ہیں۔ جو سینہ اور دل میں رہتے ہیں۔ یعنی خواہش سینہ میں اور طیش دل میں۔

(۵) ارسطو کا بیان ہے کہ چار چیزیں یا اُصول جس سے تمام اشیاء کی ساخت ہوئی ہے۔ مثلاً فکر۔ علم۔ محبت اور نفرت۔ ان میں سے ایک بھی روح کا ماخذ نہیں ہے۔ پانچواں جوہر اور بھی ہے جس کا نام میں بتا نہیں سکتا۔ ہاں اوس جوہر کا نام اگر روح رکھا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔

(۶) سسرو (یونانی حکیم) لکھتا ہے کہ ایک پُر قوت غیر ممکن التبدیل اور علی التواتر جاری رہنے والی حرکت کا نام روح ہے۔ جس باریکی تک انسان نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کا خیال کرسکتا ہے۔ یہی فصیح حکیم لکھتا ہے۔

(۷) ڈیموکریٹس۔ کی رائے ہے کہ روح ایک جزو لایتجزی ہے جس کی حقیقت ہم نہیں پہچان سکتے۔ سسرو نے زیادہ وسعت سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اس کی بحث کسی قدر معقول اور زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کذب عام طور پر صدق کے ساتھ ایسا مل گیا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا

بہار آئی ہے گلشن میں ہے نسیم فیض بھگوں سے
نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ نہیں سائل تڑپتے ہیں

اُترنا بحر دنیا سے ہمارا بے شبہ ہوگا
یہی قانون ازلی ہے نہیں عاقل تڑپتے ہیں

بڑی کوشش و ہمت سے ہوا درشن جو جنور کا
نہیں ہرگز فنا ہوتے نہیں کامل تڑپتے ہیں

کہاں یہ تاب و طاقت ہے کروں جو شکر بھگوں کا
نہیں اب کفر حائل ہے نہیں سائل تڑپتے ہیں

نہیں ہے داس کا کوئی بجز اب ذات تیری کے
ذرا تو دیکھ لے انکو کہ جن کے دل تڑپتے ہیں

رُوحانی بیداری

دل بتا تو تیری وہ طاقت کدھر گئی
رُخ زیبا پہ ترے تھی جو تمازت کدھر گئی

ہر بشر سے تھی جو تجھکو اُلفت کدھر گئی
تھی خود میں جو محو ہونیکی ہمت کدھر گئی

یہ کیا ہوا کہ تم تو سب کو گنوا چکے ہو
دریا میں غفلتوں کے سب کو بہا چکے ہو

کچھ ہے خبر کہ تم تو وہ شن والے تھے
خود میں ایش ہونیکی آن والے تھے

نیمی جنڈ سے تم تو ہاں دان والے تھے
بیر اور رام جیسے تم گیان والے تھے

نوٹ ۱؎ قاعدہ ہے کہ عمل کرنیوالے نہیں تڑپا کرتے ہیں بلکہ مراد دلی حاصل کیا کرتے ہیں بس مجھے اب اسی طرز سے کام ہے۔ ۲؎ امید ہے کہ میں دنیا سے پار ہو جاؤں گا۔ ۳؎ جو ایشور میں کامل یعنی فنا ہو جاتے ہیں وہ نہیں مرتے ہیں۔ بس میں اب جو بھگوان کے درشن سے خود میں محو ہوا ہوں تو میری مکتی ہی ہو جائے گی۔ غلام یہ ہے کہ جنور بھگوان کا درشن (نظارہ) نجات دینے والا ہے۔ ۵؎ یقین باطل کے دور ہونے میں پربھو کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ ۶؎ شاعر کہتا ہے کہ میرا سوا تیرے اور کوئی نہیں ہے پس اے ایشور۔ میرے عارف دیکھ کیونکہ جو بیقرار دل ہوتے ہیں ان پر غور کرنا اور دیکھنا ضروری ہے میری بھی یہی حالت ہے۔ یعنی مجھے اب دنیاوی قیدوں سے آزاد کرنے کی کوشش پڑ دے۔

کبھی آتم اور جڑ سے بخوبی ہم تو واقف تھے — مگر اب بت پرستی سے بنے جاہل تڑپتے ہیں
کبھی ہم فلسفہ روحی بھی ملکوں کو سکھاتے تھے — مگر اب انکے قبضہ میں ہوئے کاہل تڑپتے ہیں
کبھی ہم دیش بھگتی پر بنے ورخو کو کرتے تھے — مگر اب کم نصیبی سے بنے سائل تڑپتے ہیں
نہیں تجھ کو یہ لازم ہے کہ بسمل تو کئے جائے — ذرا تو دیکھ لینا تھا کہ یہ بسمل تڑپتے ہیں
چلے جاؤ یہاں سے بس میرا دشمن جانی — کہ تیری نظر شفقت سے سر محفل تڑپتے ہیں
کہاں ہیں دوست وہ میرے ذرا تو اسطرف دیکھیں — ازل سے واسطے جنکے ہوئے مائل تڑپتے ہیں
یقین وعلم صادق بس تمھیں تو دوست ہو ایسے — کہ ہجرت میں تمھاری ہاں بنے جاہل تڑپتے ہیں
میرے اے دوستو جلدی خبر لو تم خبر لو تم — کہ دشمن کے تشدد سے بنے کاہل تڑپتے ہیں
نگاہ رحم سے اپنی ذرا دیکھو تو عاصی کو — بلا امداد کے ہم تو ہوئے بسمل تڑپتے ہیں

نوٹ ۱ عاشق جانباز یعنی عشق خدا میں وہی جانباز کامیاب ہوتے ہیں کہ چاہے کیسی مصیبتیں آئیں چاہے جان تک فنا ہو جائے لیکن اُف نہیں کرتے پس اس سخت منزل کو مردِ دل کیا طے کر سکتے ہیں۔ ۲ اے میرے اعمال بد تو مجھے وقت جانکنی میں کب تک رلائے گا۔ اب رحم کر اور مجھے اس سے ملنے دے۔ ۳ اے بدبخت میرے عمل بد تو نے اب تک کفر وجذبوں میں ایسا مبتلا رکھا کہ میں ایسا بیچین و پریشان ہوں کہ جیسے کوئی برسوں کا پیاسا دریا کے کنارے پہنچکر بھی پیاس سے بیقرار ہی رہے یعنی اس انسانی وجود کو بھی ہی میں کچھ نہیں کر سکا ۴ مراد ہے موہنی کرم سے۔ کیونکہ یہ سب میں بلوان ہیں۔ ۵ مراد ہے چوراسی لاکھ میداں سے۔ ۶ وہ یقین وعلم صادق میرے دوست کہاں ہیں جنکے لئے میں ازل سے بیقرار ہوں یعنی اگر وہ مل جاتے تو میری مکتی ہو جاتی۔ ۷ یہ قاعدہ ہے کہ عمل کرنیوالے نہیں تڑپا کرتے ہیں بلکہ مراد دلی حاصل کیا کرتے ہیں پس مجھے اب اس طرز سنہری سے کامل امید ہے کہ میں دنیا سے پار ہو جاؤنگا۔ ۸ جو ایشور میں مائل یعنی مل جاتے ہیں وہ نہیں مرتے ہیں پس میں اب جو جنور بھگوان کے درشن سے خود میں محو ہوا ہوں تو میری مکتی ہی ہو جائیگی

اونا ظرین! ہم صدق دل سے اپنے رہبر کامل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی ہدایتوں پر چلنے کی دل و جان سے کوشش کریں۔ کیونکہ یہ ہی ایک ایسا محبوب باوفا ہے جو سب رنج و محن کو دور کر دائمی لطف و سرور دیتا ہے۔ اس کے درشن جس کو نصیب ہو گئے وہ ہی سب سے زیادہ خوش نصیب و صاحب اقبال ہے۔ مصرعہ۔

جس کے پہلو میں ہو یہ اُس کا نصیب اچھا ہے

کیونکہ اسکے عاشق کو خود بخود ہی یہ تاب و طاقت اور ہمت و عظمت ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ اپنے محبوب کی ملاقات کے لئے تیراگ سے اس طرح التجا کرتا ہے۔

ہے گیان و درشن کے دھنی و سوامی سروگ دیو تیراگ بھگوان ہمکو اب اسکا دان دو۔ ہم اسکے بغیر انادی کال سے جو جو کشٹ و سنکٹ اور رنج و غم برداشت کر رہے ہیں۔ ان سے آپ تو خود ہی واقف ہیں۔ اب کسی طرح کا بھی تامل کا موقعہ نہیں۔ مصرعہ۔

دعا ہے داس کی دل سے کرو اب بار تم کھیوا

یقین و علم صادق کی مفارقتیں رُوح کا الاپ

جدائی میں رفیقوں کی نہ مردہ دل تڑپتے ہیں
نہیں انپر تو صد دلسے مہ کامل تڑپتے ہیں

یہ کیسی سخت مشکل ہے کہ دم سینہ میں گھٹتا ہے
نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں بنے جاہل تڑپتے ہیں

نہ اس پر بھی حیا آئی تجھے اے کرم کچھ بھی تو
افسوں پر غور کرنا تھا کہ جنکے دل تڑپتے ہیں

یہ دست کفر جذبے سے ستایا ہے ہمیں تو نے
کہ برسوں کے پیاسے ہم لب ساحل تڑپتے ہیں

عبادت کے ریاضت کے کبھی ہو دلسے شیدا تھے
مگر اب قہر دشمن سے بنے کاہل تڑپتے ہیں

عبادت کی سخاوت کی کبھی دل میں تمازت تھی
مگر اب عیش و عشرت کے ہوئے مائل تڑپتے ہیں

جس ہی یہ قابل تسلیم ولائق تعظیم ہیں۔

(۴) جو کوئی بھی تکلیف دینے والے کھوٹے راستے اور نیز اس پر چلنے والے اعتقاد باطل ہیں انکی نہ تو من بچن کایا سے خود تعریف کرنا اور نہ دوسروں سے کرانا اور نہ کرنے والوں کو بھی اچھا جاننا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اپنے میں بھی اعتقاد باطل وجھوٹا بشواس پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) اگر کسی ضعیف و مریض۔ کمزور و کم ہمت وغیرہ ناقابل شخص سے ست مارگ (موکش مارگ) میں خرابی واقع ہوتی ہو تو اس کو دور کرنا۔ یعنی ان کو تن من دھن سے مدد دے کر وسمجھا کر ہوشیار و مستعد کر دینا چاہیے۔

(۶) اپنے اوصاف اور دوسرے کے عیبوں کو ظاہر نہ کرنا اور روحانی لطف میں سرور آنند جان دنیاوی شہرت کا خیال تک نکرنا اور کسی سے بھی دویش (دشمنی) نہ کر۔ اسکے عیبوں کو بہت خاموشی کے ساتھ سمجھا کر دور کرنا اور کسی قسم کی شہرت نہ دینا۔

(۷) اپنے سادھرمی و نیز ہر ایک شخص سے بے غرضی و نیک نیتی و صفائی دلی سے مثل گائے بچہ کے محبت و الفت کرنا۔ یعنی اس کی تکلیفوں و مصیبتوں کو دور کر دھرم کرم میں سادھان کرنا چاہیے۔

(۸) جہالت و خود غرضی سے جو کچھ بھی ظلم و ستم و بے قاعدگی دنیا میں ہو رہی ہو تی ہو اس کو دور کر سب کو ست مارگ (ہمہ داں کا بتلایا ہوا راستہ) پر چلانے کی صدق دل سے کوشش کرنا۔ اس میں جو جو مصیبتیں و دقتیں درپیش آئیں انکو بخوشی برداشت کرتے ہوئے ہر ذی روح کے اپکار و کلیان کا اپائے و تدبیر کرنا۔

دور اندیش بزرگوں آپنے مذکور الصدر ہدایتوں سے ہی اپنے بچے رہبر کی لیاقت و ہمت اور محبت و الفت کو بخوبی جان لیا ہوگا کہ اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور محب صادق ہی ہے اور نہ ناصح نیک۔

یقین و علم صادق کی کچھ قدر نہیں کی بلکہ اعتقاد باطل کی ہی غلامی میں عمر ضائع کی جس سے جان عزیز بھی وبال جان ہے۔ سرمایہ بے بہا بھی عارضی عیش کے قربان ہے۔ کیوں نہ جبکہ اس رہبر صادق و ہادی نیک (آواز ضمیر یعنی گیان و درشن کی سپرٹ) کی ہدایت کا ذرا بھی خیال نہ ہو۔ عمل کرنا تو درکنار۔ اس کی بے شمار ہدایتوں میں سے اگر یہ آٹھ ہدایتیں بھی عمل میں لائیں اور تعمیل حکم دلسے بجالائیں تو ضرور ہے کہ ہم جملہ مصائب سے آزاد ہوکر موکش پد (نجات ابدی) کو پائیں۔ کیونکہ یہ ہی نصیحتیں تو روح کو صاف شفاف کرپرماتم پد دینے والی ہیں جتنے بھی واصل جاناں ہوئے ہیں اور آئندہ ہوں گے وہ محض ان ہی ہدایتوں پر چلنے سے۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ ہمارے مرض کی یہ کیسی لاجواب دوا ہے کہ جس سے جملہ امراض جسمانی و روحانی نیست و نابود ہوکر ہمیشہ کے لئے سرور و آنند مل جاتا ہے کسیطرح کا بھی کوئی قصہ و جھگڑا باقی نہیں رہتا ہے۔

وہ ہدایات آٹھ یہ ہیں:۔

(۱) ایشور پرماتما سروگ دیو (ہمہ داں) کے فرمان میں کسی طرح کا بھی شک و شبہ نہ کرنا۔ جس طرح اور جس طور سے بھی تتوں و پدارتھوں کا سروپ شاستروں میں بتلایا ہے۔ اس کو ویسا ہی ماننا۔

(۲) دنیاوی عزت و حکومت اور عیش و عشرت کو بالکل بے بنیاد اور فانی جان اور نیز ان کا انجام بھی خراب و ابتر سمجھ۔ ان میں دل نہ پھنسانا بلکہ ان سے آزاد ہونے کی خواہش و کوشش کرنا۔

(۳) سادھو منی راج دنیز سمیک درشٹی (یقین و علم صادق والے) مورتی کے جسم کو میلا و غلیظ دیکھ کر بھی ان سے نفرت نہ کرنا بلکہ خیال کرنا کہ یہ سب جسم کی خاصیت ہے۔ ان کے دل میں گیان درشن چارتر کا لامثانی خزانہ بھرا ہوا ہے

جانور ہے اور یہ شاستروں وئیدوں سے واقف و عقل و فہم میں لاثانی ہو کر بھی ایسی ایسی غفلت و لاپروائی کرتے ہیں کہ جس سے حیوانوں سے بھی گر جاتے ہیں زیادہ افسوس اس امر کا ہے کہ اس بات کا بھی کچھ خیال نہیں کرتے کہ ہمارے دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا۔ جیسا کہ شعر ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

یعنی یہ دنیا دی سفر سب کو ہی درپیش ہے۔ نہ کوئی یاں ہمیشہ رہا ہے اور نہ ہی رہ سکتا ہے جیسا کہ کسی تجربہ کار بزرگوار نے فرمایا ہے۔ اشعار

ہستی بے بود میں بے سود ہے ناز وجود — نقش باطل کیطرح یہ بے نشاں ہو جائیگا
مٹتے مٹتے دیکھنا مٹ جائے گا اسکا وجود — خواب ہستی ایکدن وہم و گماں ہو جائیگا

شری مہاراج یدھشٹر جی نے بھی سوال ارجن کے جواب میں اسطرح فرمایا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعجب اس بات کا ہے کہ لوگ۔ رات دن عزیز و اقارب اور دوست احباب کو دنیا سے سفر کرتے ہوئے مرتے ہوئے دیکھ کر بھی اپنے مرنے کا کچھ فکر و غم نہیں کرتے ہیں بلکہ ایسے بدمست ہیں کہ مانو یاں ہمیشہ ہی رہنا ہے۔

دوستو! جب ہم سنسکرت و انگریزی کے ایم اے اور فارسی عربی پراکرت۔ جرمنی و فرانسیسی و گورمکھی وغیرہ وغیرہ ہر ایک زبان کے عالم فاضل اور ہر ایک ہنر کے کامل ماہروں حتی کہ درویشوں فقیروں اور رشی و منیوں کی یہ حالت دیکھتے ہیں تو ہم چار و ناچار اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ضرور کوئی اور ایسی طاقت ہے کہ جسکے بغیر یہ سب بالکل بیکار اور سراسر بے سود ہیں۔ پس دوستو ہم تو اس اپنی غفلت و جہالت کی وجہ خاص یہ ہی سمجھتے ہیں کہ ہم نے اب تک

محبت و نفرت۔ جبکہ یہ سب اپنی اپنی قدرتی و نیچری خصلتوں کو نہیں چھوڑتے تو ہم بھی کیوں اپنے اصلی خیالات کو کاذب و باطل بنائیں اور کیوں مفت کا درد سر و سودائے جاں کاہ خریدیں۔

یہ ہماری دانائی و عقلمندی سے بعید بلکہ بالکل بعید اور سراسر دور ہے۔ بلکہ ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ کیوں ہم نشینوں و ہمسایوں نے اس میں دلبستگی و دلدہی کی ہے جیسا کہ کسی درویش کا قول ہے۔ شعر

مرا جلتا ہے جی اُس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ گل کے آسرے پر ہے لٹایا خانماں اپنا

دور اندیش دوستوں میں نہ محض بلبلوں کو ہی مخاطب کرتا ہوں بلکہ پھولوں سے بھی اس طرح خطاب کرتا ہوں کہ تم کو بھی چندے قیام نہیں۔ گو تم سے اس وقت رونق گلزار ایسی دوبالا ہے کہ ہر چہار طرف دلکش نظارہ ہی نظر آتا ہے لیکن آخر کو تو پژمردگی و پائمالی کا بھی زوال سر پر آنے والا ہے جس کو کوئی بھی نہیں روک سکتا ہے۔ شعر

آتا نہیں ہے گلشن کیلئے کوئی نرالی پھولوں کی
انجام کو ہے سب کو بھول گئے یہ خام خیالی پھولوں کی

مزید دوستو! اس حکایت دلچسپ و روایت جانفزا سے یہ ہی سبق تو ملتا عاشق و معشوق اور بہار و نظارہ اور کیا صیاد و گلچیں اور کیا باغبان یہ سب مزید سب فانی و عشق ہر قطعیہ و پراگندہ خاطر کرنے والے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس اہم اب عالم فاضل مہربانوں اور اہل ہمت نوجوانوں کو نا گفتہ بہ حالت میں دیکھتے ہیں کہ جس سے وہ کسی نہ کسی شکار کے پیچھے ہمیشہ کو عمر عزیز بے سود ضائع کرتے ہیں اور بلبل تو ایک ناخواندہ بے سمجھ

بدمست ہو رہی ہے کہ نہ تو فکر موجودہ ہے اور نہ انجام بینی ہی ہے اور نہ ہی گذشتہ حالت کا صحیح اندازہ کر اس سے عبرت حاصل کی ہے۔ مبادا تجھے اپنی اس کوتاہ بینی پر سرگردانی نہ اٹھانی پڑے۔ کاش اگر تجھے ان سب باتوں کا کماحقہ علم و یقین ہوتا تو تو ہرگز بھی نغمہ سنجی نہ کرتی بلکہ اس مقولۂ دور اندیشی پر عمل کرتی۔ مصرعہ۔

ع نہ لگا تا دل کو بہار سے کہ خزاں کے دن بھی نزدیک ہیں

اے بلبل دل زار میں حیران ہوں کہ کیا اس نسیم صبح میں ہی کچھ ایسی بدمستی و بیخودی ہے کہ جو تجھے پھولوں پر فریفتہ و شیدا کر مدہوش و غافل کر دیتی ہے یا فی الواقع تیرا ہی فہم و خیال کسی وجہ خاص سے ایسا باطل ہو گیا ہے کہ جس سے تو عارضی حالت پر خوشی سے پھولی نہیں سماتی۔ حالت مذکورہ ہی اگر تیری بیہوشی و بیخودی کا باعث ہوتے تو ہر اک مرغ چمن مثل تیرے مدہوش نظر آیا کرتا یہی نہیں بلکہ بیدادی گلچیں سے نالہ کناں و دل گریاں بھی ہوا کرتا لیکن اے عاشق ناداں ہم ایسا نہیں دیکھتے بلکہ افسوس سے تجھے ہی یہ کہنے کو مجبور و لاچار ہوتے ہیں۔ شعر

کہو بلبل سے بجائے چمن سے آشیاں اپنا پڑھے گر صد ہزار افسوں نہ ہوگا باغباں اپنا

کیونکہ دور اندیش مرغان چمن (کبوتر وغیرہ) بھول کر بھی اس لوہا ل چمن و خوشبوئے گل چمن پر خیال تک نہیں کرتے جس سے وہ اسی گلزار میں رہتے ہوئے بجائے پریشانی و حیرانی کے خوش و خرم ہی رہتے ہیں اور وہ لطف گل ہائے تر میں نہ پھنسکر ہمیشہ ہی خندہ پیشانی اور طالب نجات بادوانی رہتی ہیں کیونکہ وہ اپنی آنکھوں سے دلکش نظاروں پر فضا بہاروں کو دیکھتے ہوئے بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ سب قدرتی خاصہ (پدگل امیٹر۔ قدرتی تاثیر) ہے۔ اسمیں یہ رونق و تازگی اور خزاں و بے رونقی ہوا ہی کرتی ہے نہ یہ ہمارے لئے باعث خوشی و دلبستگی ہے اور نہ یہ قابل حسرت و نفرت ہے۔ ہمارا ان سے نہ کچھ واسطہ و مطلب ہے اور نہ

ادم

باب دویم
رُوحانی جلوہ

اے بلبل سُن نادان نہ بن کر عشق نہ فانی چیزوں سے
یہ صورت یہ رعنائی ہے کب رہنے والی پھولوں کی

اے بلبل تو بوگلشن میں بہار پُر فضا پر دل وجان سے شیدا ہو کر نغمہ سنجی کر رہی ہے۔ تو ذرا غور و فکر تو کر کہ یہ تیرا دل دادہ پُر ضیا رنگ گلوں کا کب تک رہنے والا ہے کیا تو نے صبح اختتام اور مابین شام حالت جداگانہ کا موازنہ و مقابلہ کیا ہے کہ صبح جو نزاکت و لطافت عیاں ہوتی ہے وہ بعد دوپہر نہیں رہتی۔ ہائے یہ ہی نہیں۔ بلکہ شام کو تو اس سے بھی بڑھ کر شفقت خیال ظاہر و عیاں ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

وہ رنگ اڑا وہ گرد اٹھی وہ سارا گلشن خاک ہوا
صرصر خزاں سے کانپ اٹھی وہ ڈالی ڈالی پھولوں کی

اے بلبل ناداں اگر تیرا مدعا و مفہوم محض موجودہ حالت سے ہی محظوظ و ملحوظ اور خوش و خورم ہونے کا ہے اور آئندہ کا کچھ بھی خیال و فکر نہیں ہے تو نہ سہی لیکن کیا تجھے اس موجودہ لطف و کیفیت میں ہر گھڑی ہر لمحہ صیاد ظالم کے ظالمانہ برتاؤ اور گلچیں بے رحم کے ستمگارانہ طریقہ کا خوف و خطر بھی نہیں ہے اور کیا تیرے دل کو ریاض پر فضا کی حسن و رعنائی (بہار پھولوں) میں لمحہ لمحہ کی تبدیلی بے چین و بے قرار نہیں کرتی۔ پھر نہ معلوم تو کیوں خندہ زن و رعنائی کرتی ہوتی ایسی

حال بد سے رہائی اور وصل خود کی تمنائی

دیکھنا بیتاب ہے اب تو زباں فریاد کی۔ اور جگر میں سوز بھی ہے کفر کے بیداد کی

ہوش بھی رخصت ہوا اور فہم بھی بیمار ہے ہر رگِ دل اِک مجسم دیدۂ خونبار ہے

سوز و رنج و غم سے گریاں جو شفیق یار ہے لطف باقی کیا رہا جب یار ہی بیمار ہے

شادماں ہو کس طرح دل رحلی تمہید پر برق جذبہ آ پڑی جب خرمن امید[۵] پر

آہ و زاری کر رہا ہوں وقت سے مجبور ہو گیان و درشن کے بنا مفتور ہو مہجور ہوں

دل کے گلشن پہ خزاں کا رنگ ہے یہ چھا گیا وفا غم سے ہے وفا کا چہرہ بھی کمھلا گیا

قدر عنا ہے مجھ کا اور دلمیں رنج و ملال موہنس جانا کی ذہن میں ہوئی[۶] صورت نڈھال

زن و فرزند گو میسر عیش کے سامان ہیں ہمدم و دمساز لیکن حسرت ارمان ہیں

کس مپرسی کا ہے عالم چل بسا سرتاج ہے ہمدمی کا لطف کیا جب سب ہوا تاراج ہے

ہے جنور[۷] بس آگئی نوک زباں پر آرزو ٹوٹ جائے کاش دنیا کا طلسم رنگ و بو

گیان و درشن کے نظارے سے ہو کیونکر غنی اُجڑا گلشن جو پڑا ہے اس کی ہو آباد گی

میرے سوامی پھیر دے وہ تیری بخشش کی ہوا ہر رگ دل میرا ہو جا رشک جنت کی فضا

گوہر مقصود ہو جا بس مرے اب ہاتھ میں خود کو نود سے خود میں پاؤں عالم مہیات میں

صبح روشن کر دے اب تو داس[۸] کی یہ زندگی جو یاد آئیں سبکو اسکے ہاں ایام زندگی

نوٹ [۵] جب میری امید کے خرمن پر بجلی گری یعنی جذبہ بے اثر ہو گئے کہ سب امیدیں ختم ہو گئیں تو روحانی ذکر اذکار کیسے ہو۔ اس کا تو جواب میں بھی خیال نہیں [۶] نحیف چہرہ کا [۷] جنور۔ اے جنور یعنی اے دشمنوں کو جیتنے والے تمام کرموں کو فنا کر موکش پد پانا ایسے مراد ایشور۔ پربھو۔ خدا۔ رب العالمین وغیرہ سے یعنی۔ میں اب یہی خواہش ہے مٹا دے تمام دنیا کی خواہشیں دور ہو جاویں۔ [۸] یقین و علم و صداقت کا زیارت سے وہ لطف و شادمانی حاصل ہو یا تو شیدا الجرا ہا گلشن پھر سرسبز و شاداب ہو گیا۔ اور ہو گیا کیونکہ یہ روح کی صفت خاص ہے انکو ہر روح بھی کہتے ہیں [۹] داس۔ مخلص شاعر۔ یعنی شاعر یہ چاہتا ہے کہ میری خراب زندگی ایسی درست اچھی ہو جائے کہ جس سے مجھے زندگی کا آخری مقصد یعنی موکش پد آوے اور میں اس کے پائے نکلے کو سناہا ہوں۔

کیا کہوں میں دوستو ماری کرم نے ٹھوکریں
غفلتا کہتی ہے یوں الطاف شاہانہ کہو

اسکے دل میں جو محبت ہے بتے پیر کی[۱]
اسکے دل کے کعبہ کو اب کیوں نہ شبخانہ کہو

ہے شراب جذبہ نفسی جو پلا دی کرم[۲] نے
اس کو تم دھوکہ کہو یا مکر رندانہ کہو

دیکھتے ہی اس کو مشوق یوں لگے کہنے کہ تم
بزدلی کو خواہ دل میں شان مردانہ کہو

پھر دل فاسد کا قصہ سن کے یہ کہنے لگے
سارے قصے چھوڑ کے تم اپنا افسانہ کہو

روز سمجھاتے ہیں مشفق ہو کے اسپہ مہرباں
کیا سبب ہے غفلتوں کو طرز فرزانہ کہو

یہ کہدو اپنے دشمنوں سے بس ہمارا کفل[۳] ہے
میرا مسکن ہے سڑا یہ کیوں نہ میخانہ کہو

جاؤ نکلو جلدی سے یہ ایک لمحہ ٹھہرنا
یہ جملہ اپنے دشمنوں سے حکم سلطانہ کہو

علم صادق اور عمل سے کر کے پیر تم یہ خطاب
کیوں ستایا تم نے مجھ کو از رہ بیگانہ کہو

سچ بتاؤ کیوں رلایا تم نے مجھ کو ہجر میں
چکوہ چکوے کی طرح باتیں محبانہ کہو

دیکھ کر کے خود کو خود میں جان لوں میں آپکو
باتیں مجھ سے اب تو ایسی تم تو فقیرانہ کہو

ملکے سب[۴] نے ہی ادب کیسا تھ کی یہ التجا
لطف باقی کیا رہا ہے اب کو فسانہ کہو

سن کے اپنے دوستوں کی دانا یہ بات کو
روح اُسنے ہے یہ کہتی جان جانانہ کہو

کچھ نہیں ہے بہتر اب چوکر میں تم سے کہتا
نور انور میں ملوں وہ بات جانانہ کہو

اب تو تابع ہو چکا ہے [illegible]
کیوں نہ اسکو خاص [illegible]

توٹ [۱] مراد [illegible] سے یعنی روح جو جذبات [illegible]
اندھی ہو رہی ہے [illegible] ور خراب ہو گیا۔

[۲] اعمال [illegible] یعنی اعمال [illegible] وجہ سے جو جذبوں میں دل [illegible]

[۳] یقین و علم صادق [illegible] سے کہتے ہیں کہ تم غصہ تکبر وغیرہ دشمنوں سے [illegible]
وجہ سے [illegible]

[۴] یقین و علم صادق [illegible] نے کہا کہ ہمارے ملنے سے اب کونسی بات باقی رہی ہے

متلاشی کی پشیمانی

جس کو دیکھو وہ بتاتا ہے نرالی سب سے راہ
اور کہتا ہے کہ راہ مکتی ہے یہی تو بے شبہ

ایک کہتا ہے کہ جا توبت کدہ میں شوق سے
ایک کہتا ہے تباہ تم ہو گے یاں بے اشتباہ

کہہ رہا ہے کوئی یہ تو گرجا و مسجد میں جا
کوئی ان سے بھی علیحدہ ہے بتاتا مکتی راہ

شیخ کی فتویٰ زنی کی ہو رہی ہے گر ثنا
تو وئید پاٹھی[1] پنڈتوں کی ہو رہی ہے واہ وا

کذب گوئی جعل سازی حیلہ بازی سے دلا
گیان[2] و درشن پہ پڑی ہے موہ کی ترچھی نگاہ

ہادیان[3] دیں جب کہ ہو گئے ہیں ایسے ست
تو ہر دان[4] دین بھی اب ہو گئے بالکل تباہ

ہم بتاتے ہیں نتیجہ دشمنان دین کا
چھٹے ہونگے گردنوں میں مار کا لے بے شبہ

ہر طرح کی ذلتوں میں ہونگے وہ سب مبتلا
روسیاہی شرمساری ہوگی انکی توشہ راہ

گئو کرنا ہر مذہب کی رو سے ہیگا ناروا
دھوکہ دینا سیکڑوں کوڑھ کے سب سے ہے گناہ

داس تو تو گیان و درشن پہ فدا ہو جلد تر
خود میں خود ہو نا فنا یہ ہی تو ہے مکتی کی راہ

روحانی رنج و غم کی کہانی وہ بھی اک رہبر کی زبانی

جذبۂ دل کے نشہ کا اب کیوں مستانہ کہو
شیخ[5] دنیوی کا کیوں مرید[6] دانہ کہو۔

اپنی ہستی دیکھنے کا جو نہیں ہے اس کو ہوش
بس عوض[7] دہر کا اس کیوں نہ دیوانہ کہو

نوٹ [1] وئیدوں کے جاننے والے پنڈتوں کی تعریف۔
[2] یعنی اب موہ (عشق دنیا) نے یقین و علم صادق کو دبا لیا ہے
[3] فقیروں، درویشوں [4] نیک مگر سکھیوں سے مراد ہے۔
[5] دنیاوی دولہن۔ دنیا کے آرائش و زیبائش کے سامان۔

تجھے مبارک ہو لطف روحی ہمیں مبارک ہو بت پرستی[1]
پیا ہے غفلت کی مے کا ساغر کہ اسی نشہ کی ترنگ میں ہیں

تمہیں مبارک ہو گیان اکتم ہمیں مبارک ہو زر کا جوبن
ہمیں ملا ہے یہ لطف ایسا کہ مست اسی کے ترنگ میں ہیں

زمانہ ہم کو بتا رہا ہے اور تم بھی ہم کو جتا رہے ہو
وائے غفلت کہ ہم تو اب تک محو یاراں نیرنگ میں ہیں

نشے نے یاں تک ہمیں گرایا کہ اپنا آپا بھی ہے بھلایا۔
جب اپنی ہستی کو جان لینگے کریں گے ہاہا کس ڈھنگ میں ہیں[2]

نہ ہے گی غیروں میں کچھ بھی الفت جو دیکھ لینگے روح کا جلوہ
مگر یہ ہوگا تب ہی تو حاصل نہا ئینگے اکتم کے گنگ میں ہیں

پس ہمارے قصوں کو ابتو چھوڑ دو پکڑو جلدی عصائے خود کو
دو۔ ہوں گے وہ ناگ گالے جو ہمکو چمٹے کو سنگ میں ہیں

ہاں اب تو رہنے ہے جگایا نکالے نہ بلد سے موہ ظالم
کہ تیرے فیض و کرم سے ہم تو ازل سے حال تنگ میں ہیں

جہل و غفلت نے داس کو تو نیم بسمل بنا دیا ہے
کیسے اترے گا پار یہ تو کہ ناؤ ملاح ڈبنگ میں ہیں۔

نوٹ [1] ۔ دنیاوی محبت۔ [2] یعنی ہم اب تک باوجود زمانہ اور اپنی پیر کی نصیحت کے یار بازی میں لگے ہوئے ہیں کچھ ہوش نہیں ہے کہ یہ عارضی تعلق ہے۔
[3] جب اپنا کچھ علم ہوگا تو سخت افسوس ہوگا۔
[4] مراد ہے اپنی طاقت سے۔

بھلا تو جان لے ایدل یہ آئے ہیں کہانسے بس — سمجھ لے انکی ہستی کو ہوئے پیدا جہانسے بس
نہیں لگتا پتہ اس کا لگے ہمراہ وہانسے بس[۱] — بلاشک یہ تو ممکن ہے مٹے شکنی یہاں سے بس

بلا جانے ہی ہستی کے ہوئے مغلوب انسے تو
ہنوز اب گیان کے جل سے مصفا[۲] جل دانسے تو

اسی میں بہتری سب کی کہ مٹجا روسے زردی — حقیقت جان کے انکی تم ابتو یہ کر دو مردی
یقین و گیان کی پینی چھری لو ہاتھ میں جلد[۳] ہی — پھر اپنے سے تو غیر و نکی جداہاں کر دو سر دردی

ان کے ہی تو باعث سے ابتک نیم بسمل ہو
ورنہ خود میں خود سے ہی ہوتے تم تو شامل ہو

گئی ہے عمر تو ساری نہ کچھ بھی تو کیا تمنے — بھلا اب تو سنبھل جاؤ کیا ہے بھی کیا تم نے
سب سے اپنی ہستی کو جدا اب جو کیا تم نے — تو اپنے میں فنا ہونا ہے مشکل سو کیا تم نے

بھروسہ داس کو اپنے پہ رکھنا ہی مناسب ہے
اسی ہی طرز اعلیٰ پہ تو چلنا ہی مناسب ہے

دُنیاوی متاعِ حالت

شعر

نہ چھیڑ اے ہمدرد ذرا بھی ہم کو کہ ہم تو سوتے اُمنگ میں ہیں
نہ اثر کرتی ہیں تیری باتیں کہ مست طبل و چنگ میں ہیں

نوٹ ۱ - یعنی یہ انادی سے آتما کے ساتھ رہتے ہیں۔
۲ - یہ بات ہو سکتی ہے کہ عبادت ریاضت کے جل سے بالکل دور ہو جاتے ہیں جیسے کپڑے سے میل۔ ۳ اب گیان کے جل سے کرم میل کو دور کر کے صاف ہو جاؤ

۴ - فوراً ہی -

بھگون تو دکھادے مجھے ایسا جلوہ — جس سے ہو جائے یہ سر تاج جو تارا ج[1] ہوا ہے
ہم طالب دنیا ہیں ذرا رحم تو یہہ کر — ہم ناز سے بولیں کہ دل تجھ پہ فدا ہے
وہ دیکھیں نعمت عظمیٰ ہمیں ملتی کب ہے — بیمار کو تیرے جو ملا نسخہ طلا[2] ہے
بس نام سے تیرے یہ ملے داس کو اب تو — روحانی لطافت کا ہوئے رمز بھی دا ہے

کرم بلوان ہیں سب سے

مسدس

اگر اے داس تو چشم بصیرت کھول کر دیکھے — بلا شک کرم ہری کا ہر اک شے پر اثر دیکھے
حقیقت او۔ کی کیا ہے تو انساں پر قہر دیکھے — فرشتوں پر بھی تو اس کا تماشہ طرفہ تر دیکھے
انھوں کی تاب نے سب کو مصیبت یہ دکھائی ہے
چوراسی لاکھ میداں میں کہ سب کی جھکائی ہے

یہ نادر شاہ ظالم ہیں نہیں اس سے بھی بڑھ کر ہیں — انھوں کے رگ ریشے میں ہی بھر کے سب سے بڑھ کر ہیں
تینوں لوک میں انکے نہ کوئی بھی تو ہمسہ ہیں — ہے وہ[3] اں ہیں جو انپر بھی اثر ان کے برابر ہیں
پریتاں ہیں سب ہی اُنسے دیکھ اُن کے کرشموں کو
سمجھ کا قافیہ ہے تنگ دیکھ اُن کے طلسموں کو

نوٹ [1] اے بھگون جو علم یقین کا خزانہ ہمارا لٹ گیا ہے وہ پھر ہم کو سمجھائے جس سے ہم پھر روحانی بادشاہ ہو جائیں۔
[2] مراد ہے روحانی شفا کرنے سے یعنی تیرے عاشق صادق کو جو خوش خبری ملی وہ مجھے کب ملیگی
[3] ۔ سروگ و عالم کل۔

شری گوتم بھگوان (آخری گندھر شری بیر بھگوان) سے التجا

اے گوتم[۱] ایش میری تم سے یہ دعا ہے — صدمہ سے بچالے مرے مت پہ جو پیا ہے
نوکر ہیں ترے اور تو ہے مالک و مختار — فریاد کریں کس سے ترے کون سوا ہے
جب بیر کا نربان ہوا ہم نے یہ جانا — گوتم[۲] کا وسیلہ ہے نہیں خوف ذرا ہے
تیرے ہی وسیلے سے ہوا ہم کو یہ حاصل — جن بچنوں کی حقیقت اب سبھی وا ہے
اب تیری فضیلت تو ہے سب نے ہی جانی — جن مت کے اصولوں کا ہوا شور بپا ہے[۳]
اب اپنہ عمل کچھ بھی نہیں ہم کو سہا ہے — ہیہات نہ اب شرم کا کچھ پاس رہا ہے
دنیا میں ضلالت ہوئی دوزخ میں بھی جانا — اودھ زمہ سازی کی جگہ آہ و بکا ہے
ہادی تری شفقت میں ہوا کچھ بھی وقفہ[۴] — ظاہر یہی ہوگا کہ نہیں مت کو بقا ہے
جس کے لئے تو نے تھے اٹھائے صدمے — ہیہات کہ اب جہل اُسے میٹ رہا ہے
جو حال ہمارا ہے وہ سب تجھ پہ روشن — نہیں علم، نہیں مال، نہیں نہم و ذکا ہے
بھگوں تری جب کہ رہی شفقت سب[۵] پر — پھر ہم کو تو امید بھلائی کی سوا ہے
فرقہ بندی کی جہالت سے نکالو ہم کو — ہو جائے دلوں میں وہ اجالا جو مٹا ہے

نوٹ ۱ یہ بیر بھگوان آخری جین تیرتھنکر کے آخری اور سب سے اہم گندھر ہوئے ہیں جنکو لبدھی پراپت ہونے سے انگوٹھے میں امرت کا نواس ہو گیا تھا یعنی جس چیز کو وہ چھو دیتے اس میں خیال سے زیادہ برکت ہوتی تھی

۲ بیر بھگوان کا کلام (جن بانی) تیری ہی وجہ سے ہم آج پڑھ رہے ہیں اور تو نے ہمارے لئے وہ خزانہ تیار کیا جس سے ہم روحانی ترقی کرتے ہوئے اپنا اور اوروں کا اُتکا کلیان و نربان کر سکتے ہیں۔ اس تیری بخشش کا شکریہ بیان سے باہر ہے۔

۳ شہرت ہونا۔ ۴ یعنی اگر تیری مہربانی میں کچھ بھی تامل ہوا تو یہ جین مت برباد ہو جائیگا

۵ اے بھگوں جبکہ تیری مہربانی عام ہے تو ہم بو جینے رحم دل ہونیکے زیادہ تر تیری بخشش کے

اوم

روحانی دبدبہ

آئے تو سامنے اب یار کی ایسی تیسی
ایسے مکار کی عیار کی ایسی تیسی

دام اُلفت میں مجھے پھنسکے پھنسانے والے
ایسے جذبات چڑیمار کی ایسی تیسی

اُس کے جادو نے بنایا تھا دیوانہ ہم کو
اب تو دھبا زریاکار کی ایسی تیسی

ان کی ہستی ہے بھلا کیا مرے آگے ابتو
موہ سردار جفاکار کی ایسی تیسی

چاہیئے یہ حسن وکرامات میں ہونیں یکتا
اُن کے اب سحر و زنّار کی ایسی تیسی

لاکھ دنیا میں دلگر ہووے ہو بے فیض
ایسے زردار بلاکار کی ایسی تیسی

علم صادق کی فضیلت نے جتایا ہم کو
ایسے ہمدرد ریاکار کی ایسی تیسی

جو نمک کھاکے نہ مالک کا ذرا پاس کرے
اُس دغاباز نمک خوار کی ایسی تیسی

ہم نہ آئینگے تری چال میں جائے ظالم
موہ اور لوبھ کے سردار کی ایسی تیسی

اُلفت جسم نے اب تک ہے ستایا ہمکو
اسکے اب جبّہ و دستار کی ایسی تیسی

ہوگئی غیر و یگانہ کی حقیقت معلوم
ظاہری مونس و غم خوار کی ایسی تیسی

ستری جن دیو کا جلوہ عیاں ایسا ہوئے
کہ ہوئے اغیار ریاکار کی ایسی تیسی

دیکھئے گو ہر مقصود یہ ملتا کب ہے
جب کہیں یار ریاکار کی ایسی تیسی

چھوڑ دنیا کی محبت کو تو جلدی دلسے
جس سے ہو ساحر مکار کی ایسی تیسی

عافیت کا کوئی فکر کر واب تو داس
کہدو دنیا کو ترے ناز کی ایسی تیسی

نوٹ ۱ روح کہتی ہے کہ بغیر علم صادق حاصل ہوئے دنیاوی جذبے مرا بچہ نہیں کرسکتے ۔ ۲ ۔ شاعر کہتا ہے کہ اب دنیاوی راحت چھوڑ کر اسکو کہدو کہ تیرا ناز بعد اشے

جس کے وصفوں سے منی اور رشی نے ایدل ہے کدورت کو کثافت کو مٹایا کیسا
اس کو ارہن کہو، جنور کہو، یا بیر کہو ہم نے گن گا کے اسی کا ہے یہ گایا کیسا
اس کے شبھ نام کی شیدا ہے یہ ساری دنیا دل و جان سے اسے ہر قوم نے دھایا کیسا
اس کے وصفوں کا بھلا دل سے ہو کیسے بیاں جس کو دیووں نے بھی سر اپنا جھکایا کیسا

رُوحانی کیفیت

(مضمون بالا سے خاص تعلق ہے اسلئے دوبارہ لکھا گیا)

غضب کا لطف ہے بچ آتما کے رازِ پنہاں میں مگر آتے ہیں یہ گل عارف کامل کے داماں میں
وہی ہے عالم و کامل وہی ہر رمز کا ماہر نسیم نام کے جھونکے ہیں جس دل کے گلستاں میں
وہیں رہتے ہیں روشن کثرت وحدت کے گل جلوے جہاں بھگوان رہتے ہیں ہمیشہ دل کے ایواں میں
نہ شہرت سے غرض جس کو نہیں کچھ جانکی پرواہ گل نیکی کے ملتے ہیں اسی کے گلشن جاناں میں
شری بھگوت کے درشن کا وہی تو لطف پاتا ہے بھرا رہتا ہے دل کا خون جسکی چشم گریاں میں
مجھے ایسا مبارک وقت ہو تا کب میسر ہے کہ جس سے گل فشانی ہو مرے دل کا گلستاں میں
رنگوں کا رنگ ہیں اپنے میں دلکش ایسا رہے کچھ بھی نہ باقی فرق گلخن اور بستاں میں
برس ابر کرم ایسا تو دل کی خشک کھیتی پر رہے کچھ بھی نہ باقی فرق اسمیں اور گلستاں میں
داس ہو نام بھگوان کا ترے دل پر اثر ایسا کہ گل ہو جائیں کانٹے بھی ترے دل کے گلستاں میں

لہ۔ ایشوری نام کی نسیم جس دل میں چلے وہی سب کا نکتہ داں ہے

سنگ[1] میلن کی نہیں کچھ بھی ضرورت اسکو
قلب کو تو نے پھر ہر سو ہے لگایا کیسا

مہم کا ترک بھی تھا فرض مقدم تیرا
آپ کو آپ میں تو نے نہ لگایا کیسا

مقصد دل کے برآنے کا طریقہ ہے یہی
سدھ بھگون کی زیارت کو نہ پایا کیسا

ایسی باتوں کا مرے دل پہ اثر ایسا ہوا
شکر محسن کا نہ دل سے میں بگایا کیسا

مجھ کو اشت گورو کی شرن میں عجب آنند ہوا
جو تمنا تھی مری اس کو میں پایا کیسا

شکر گورو دیو کا جو کچھ بھی کروں وہ کم ہے
مجھ کو نیرنگیٔ دنیا سے بچایا کیسا

ہیچ دنیا کی حقیقت کو سمجھتا ہوں میں
میرے ہادی نے مجھے اب تو جگایا کیسا

دار فانی سے نہیں کچھ بھی ہے الفت مجھکو
روح کا لطف مجھے آج یہ آیا کیسا

اب تمنا ہے مری دل میں ہو جلوہ اسکا
جسکے پرکاش سے پرکاش ہے پایا کیسا

جسنے دربیوں کی حقیقت کو شرح جانا
جسم اور روح کی حالت کو بتایا کیسا

جس کے درشن میں یہ خوبی ہے کہ دیکھا جس نے
صدق دل سے سر شوریدہ جھکایا کیسا

جس کا دیوانہ رہا دینا کے قصوں سے دور
ہے فرشتوں نے بھی سر اسکو جھکایا کیسا

جس کی باتی[2] نے دکھایا ہے نرالا جلوہ
نقش اغیار مرے دل سے مٹایا کیسا

روح کا لطف جو پاتا ہے تو عاشق اسکا
جلوۂ یار نے جلوہ یہ دکھایا کیسا

جس کے درشن کیلئے سینکڑوں منڈیکھ
خانۂ دل میں اسے یوگی نے پایا کیسا

در حقیقت اسے نورانی و گیانی دیکھا
جملہ قصوں سے مبرا اسے پایا کیسا

نوٹ ۱؎ آتما کی صفائی کے لئے نہ لوگوں سے دور میل کرنیکی ضرورت ہے اور نہ اس اور نہ لوک میں شہرت و عزت حاصل کرنے میں۔

۲؎ پربھو کی باتی یعنی جو اس نے سوبتروں میں فرمایا ہے جس سے اپنے بیگانے میں تمیز پیدا ہوئی۔ یعنی سوائے آتما کے اور کوئی مرا نہیں ہے۔

اُس کی شفقت کا بیاں مجھ سے ذرا سُن لیجے — عہد شکنی کی فضیلت کو دِکھایا کیسا
مری حالت پہ ذرا رحم نہ آیا اُس کو — زخم دل کو مرے تازہ ہے بنایا کیسا
کیا کہوں کس سے کہوں یہ قصہ پر غم — سنگِ دل کو بھی تو ریزہ ہے بنایا کیسا
مری قسمت نے کئی بار پھنسایا الیسا — جوش الفت نے تماشہ یہ دکھایا کیسا
زن و فرزند نے دولت نے کٹمبی جن نے — دل ہی دل میں مجھے افسوس دلایا کیسا
جسم بیمار رہا فرض سے رکھا معذور — بدنصیبی نے مجھے ہائے ستایا کیسا
زر کی بربادی نے مجبور دکھایا پردیس — سینکڑوں چاہ کا پانی تھا پلایا کیسا
نیم بسمل تھا پڑا آہ و بکا کرتا تھا — فلک پیر مجھے تو نے ستایا کیسا
رنج اس طرح کئی بار مجھے سہنا پڑا — مری قسمت نے تماشہ یہ دکھایا کیسا
کچھ عبرت نہ ہوئی حالتِ دنیا سے مجھے — اس کے جادو نے کرشمہ یہ دکھایا کیسا
میں بے ہوش و مدہوش پڑا سوتا تھا — مرے محسنؑ نے مجھے آ کے جگایا کیسا
غیر صورت ہے تری ہائے افسوس مجھے — اپنی ہستی کو بھلا تو نے بھلایا کیسا
مینے سب اپنا بیاں اُسکو سُنا کر یہ کہا — دوستی کا جو حق تھا وہ تو نے نبھایا کیسا
پھر کہا اُس نے کہ اب ہار کے جیلو نے نکل — مُکتی پانے کا یہ موقعہ ہاتھ آیا کیسا
بحرِ دنیا سے نکلنا ہے یہی فرض اوّل — ہادی پاک نے مجھ کو یہ بتایا کیسا
جسم فانی ہے امر آتما جانو اپنی تُو — اپنی ہستی کو بھلا تو نے بھلایا کیسا
جذبۂ نفس میں اب دل کا لگانا غضب — کلبؔ کو پھوک کے یہ آگ لگایا کیسا

اتم سادھن کے لئے ہے نہیں اس درکار — لوک پوجا میں بھلا دل کو لبھایا کیسا

نوٹ ۱؎ شری دھرم گورو۔ سادھرمی ۲؎ یکتی شراوک نے ۳؎ کلب بمعنی کو پھونک کر۔
۴؎ دھتورے کا بیج ہوتا ہے جو سراسر نادانی و بیوقوفی ہے پس جذبات نفسانی سے مکمل دائم
وچار کر یہ مرے محسن نے مجھے سمجھایا۔ ۵؎ مراد ہے آتما سے۔

باندھ کر اپنی کمر جلد مٹا دو اُن کو — اپنی شوکت کا بھی جلوہ تو دکھا دو اُنکو
راہ جنت کے لٹیرے ہیں بتا دو اُن کو — ان کے حملوں کا نتیجہ بھی سنا دو اُن کو

جو بُرے ہوتے ہیں وہ خود ہی مٹا کرتے ہیں

گیان درشن کی بھلا کتنی ہے طاقت دیکھو — اپنے بیروں کی ذرا اب تو لیاقت دیکھو
کام بن جائیگا بڑھ جائیگی ہمت دیکھو — ہوئیگی داس کو جنور کی زیارت دیکھو

حوصلہ والے ہی کرموں کو فنا کرتے ہیں

رہنمائے منزل مقصود

مری غفلت نے نشہ مجھکو پلایا کیسا — فرض انسانی سے غافل ہے بنایا کیسا
موہ[1] ظالم کے تظلم سے تہ و بالا ہوں — نیم بسمل ہوں مجھے ہائے رُلایا کیسا
اس ظالم کو ذرا رحم نہ آیا مجھ پر — جن[2] کی ہانی کا مہا نند چھڑایا کیسا
اک انسان[3] کی باتوں نے کیا ایسا غضب — بچتے بچتے بھی محبت میں پھنسایا کیسا
میٹھی باتوں نے کیا اس کی ستم کچھ ایسا — اپنا محکوم مجھے اُس نے بنایا کیسا
صورت لیلیٰ[4] رفتار دکھا کر اُس نے — مثل مجنوں مجھے دیوانہ بنایا کیسا
دام تزویر[5] سے کچھ کام نہیں اُسکی بالا — مرغ دل کو مرے قیدی ہے بنایا کیسا
کر گئی دل پر اثر پیر کی ظاہر داری — سینہ سوزاں دل بریاں ہے بنایا کیسا
عقل حیراں ہے مری دیکھکر جادو اُس کا — مجھ کو بے دام غلام اپنا بنایا کیسا
اس کے درشن کو نہایت ہی غنیمت سمجھا — طرز دلکش نے مجھے اپنا بنایا کیسا
ایکدن بھی مجھے درشن جو نہیں ہوتا تھا — تو میں کہتا تھا کہ مجھ کو یہ ستایا کیسا

---

[1] موہنی کرم سے مراد ہے۔ [2] اری ہنت کا فرمان۔ بچن۔ [3] ایک ضعیف العمر ملنے والے کی باتوں نے میرے دل میں بڑا اثر کیا۔ [4] مثل لیلیٰ کے۔ [5] اس ملنے والے کی ملامیرے لئے اثر بد پیدا ہوئی جیسے میں اس کا ظالم ہو گیا۔

شکر ہے اب گیان و درشن نے اٹھایا کچھ مجھے
دشمنان روح کا سر پارہ پارہ ہوگیا

کر سکوں میں کس طرح سے شکر اپنے دیو کا
جس کی زیارت سے مرا روشن ستارہ ہوگیا

کاش مجھ پر اس طرح سے ہی کرم ہوتا رہا
میں کہوں گا مرض دل کا کافی چارہ ہوگیا

آپڑا ہوں در پہ تیرے یوں کہ ہے مجھکو یقیں
پار کشتی ہوگئی جس دم اشارہ ہوگیا

داس ابتو شکر ہے تجھ پہ کرم ایسا ہوا
سدھ بھگون کا تجھے دلکش نظارہ ہوگیا

مخمس پُر جوش دربارہ پروالکار روحانی ترقی

جو انا تھوں پہ سدا دل کو فدا کرتے ہیں
ملت و ملک کی خاطر جو مٹا کرتے ہیں

دل سے ہمدرد جو سب کے ہی ہوا کرتے ہیں
اور محسن کا جو صد شکر کیا کرتے ہیں

وہ پس مرگ بھی دنیا میں جیا کرتے ہیں

اوم اور رشح پہ دل کچھ فدا کرتے ہیں
علم صادق کے علم کو جو کھڑا کرتے ہیں

اپنے بھگوت کو تہ دل سے جپا کرتے ہیں
اسی کی کھوج میں دل سے جو مٹا کرتے ہیں

دُرِ مقصود کو حاصل وہ کیا کرتے ہیں

واقعی دل تجھے یہ بات تو اچھی سوجھی
ہم میں اور تم میں جو اسطرح رہی بوجھی

جذبے نفسانی بھی ہو جائینگے سب دور ابھی
ان کی شکلی اتنکے نہیں دیکھا ہے کبھی

کام دنیا میں مل جل کر جو کیا کرتے ہیں

نوٹ لہ مراد ہے کردوھ مان۔ مایا۔ لوبھ پیر مادہ چھا ہلی وغیرہ سے)

سے اری ہنت سدھ بھگون جس میں کسی بھی قسم کا دوش و پاپ نام ماتر بھی نہیں۔

رنگوں کا رنگ میں اپنے۔ میں اپنے دلکو کب ایسا
رہے کچھ بھی نہ باقی فرق گلخن اور گلستاں میں
برس ابرِ کرم اس طرح دل کی خشک کھیتی پر
رہے کچھ بھی نہ باقی فرق اس میں اور گلستاں میں
نسیم فیض کے جھونکے۔ ترے ایسے چلیں بھگوّن
نظر آنے لگے سب کو گلستاں ہر بیاباں میں
وہ اس ہو نام بھگوّں کا ترے دل پر اثر ایسا
کہ گل ہو جائیں کانٹے بھی ترے دل کے گلستاں میں

اثر بد و نیک صحبت کا

نفسِ امّارہ کا جب دل پر اجارہ ہو گیا
مہرِ قسمت کا مری مدّھم ستارہ ہو گیا

کاہلی نے کر دیا مطلوب و طالب میں فراق
زخمہائے دل سے سینہ گل ہزارہ ہو گیا

اور باقی دشمنوں نے خوب تانی تان کو
زندگی کا جو مزا تھا وہ بھی کھارا ہو گیا

کرم بندھن میں بھلا آرام کا تو ذکر کیا
رنج و غم اور فکر سے دل پارہ پارہ ہو گیا

درد دل کا ہو سکے مجھ سے بھلا کیسے بیاں
صورتِ آبِ رواں اپنا نظارہ ہو گیا

نیک صحبت سے ہوئی کچھ یاد اپنی شانکی
مرتے مرتے میں تو زندہ ہاں دوبارہ ہو گیا

۱؎ اتم درشن (یعنی روحانی نظارہ)

کاش ہم موہ ستمگار کی عادت سمجھیں — نیک و بد راہ میں آرام و مصیبت سمجھیں
گیان و درشن میں فقط اپنی فلاحت سمجھیں — روح کی چاشنی میں اعلیٰ ہی حلاوت سمجھیں
دیکھئے داس کو ہوتا یہ مبارک کب ہے
خود میں ہو جائے فنا اصل یہی مطلب ہے

رُوحانی کیفیت

غضب کا لُطف ہے بچ آتما کے راز پنہاں میں
مگر آتے ہیں یہ کَل عارفِ کامل کے داماں میں
وہی ہے عالم و کامل - وہی ہر رمز کا ماہر
نسیم نام کے جھونکے ہیں جس دل کے گلستاں میں
وہیں رہتے ہیں روشن کثرت و وحدت کے کُل جلوے
جہاں بھگوان رہتے ہیں ہمیشہ دل کے ایواں میں
نہ شہرت سے غرض جس کو نہیں کچھ جان کا خطرہ
ثمر نیکی کا ملتا ہے اُسی کے خرمنِ جاں میں
شری بھگوت کے درشن کا وہی تو لُطف پاتا ہے
بھرا رہتا ہے دل کا خون آنکھ کی چشمِ گریاں میں
مجھے ایسا مبارک وقت ہوتا کب میسّر ہے
کہ جس سے گل فشانی ہو مرے دل کے گلستاں میں

اوم

طلائی کرشمہ

ہائے غفلت نے ہمیں ابتو سُلایا کیسا
سیم و زر لعل کو کوڑی ہو بنایا کیسا
حسرتا اپنی ہی ہستی کو بھُلایا کیسا
زر پرستی نے تماشہ یہ دکھایا کیسا
دل کا میلا سیاہ باطن ہے بنایا ہم کو
آتما آنند بھی پتھر میں جنایا ہم کو

آج یہ دل سے صدا نا زبھری نکلی ہے
لکشمی بن کے زمانہ میں بری نکلی ہے
کرکے سنگار یہ گوہر سے گھری نکلی ہے
شاخ یہ باغ تمنا کی ہری نکلی ہے
دل کے ہر پہلو میں ہی رنگ دکھایا اُسنے
پھر نئے انداز سے یہ ڈھنگ دکھایا اُسنے

اُس کا سکہ ہے۔ واں ملک کے بازار و نیں
فاضل اشخاص بھی ہیں اس کے پرستار و نیں
قدر اُس کی ہوئی دھرم کے بھنڈار و نیں
خوب عزت بھی ہوئی دھرم کے اُتار و نیں
یول بالا ہوا سب سے ہی نرالا اُس کا ؛
ہوا سنسار کے دلمیں ہے اُجالا اُسکا

ایک وہ دن تھا کہ آتم یہ فدا ہوتے تھے
گیان دھن کیلئے سب سے ہی جدا ہوتے تھے
فانی چیزوں پہ نہ ہرگز بھی فنا ہوتے تھے
سیدھے رستہ کو دکھا خود بھی بقا ہوتے تھے
ہوئی افسوس صد افسوس یہ حالت کیسی
ہوگئی سر پہ سوار آکے یہ جہالت کیسی

خطاب برائے مناجات

ہ پراو تو[1] الغرض میں ہماری نہیں آئینگی کیا — کفر بر کے دام میں ہی پھنسکے مرجائینگے کیا
بذب دل کے جوشتم ہیں ہمیہ نازل ہر گھڑی — کچھ توجہ علم ویقین اس پہ نہ فرمائینگے کیا
نز[2]توں میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں آجتک — خود ہو کے خود سے خود میں ہم نہ کھلائینگے کیا
نی ہستی کا بھلانا کرتے ہیں جو رات دن — شان خود کو کام میں کچھ بھی نہیں لائینگے کیا
لیوں بھلا پھر کھوتے ہیں اپنا ہاں عزو وقار — گوہر نایاب ایسا پھر کہیں پائیں گے کیا
اہ کب تک رہے گی غافل تو بتا دے میری روح[4] — تیری ذلت تیرے دشمن کرتے ہی جائینگے کیا
ارزوئیں خود تمہاری جبکہ سب بے سود ہیں — مان مایا اور جذبے اس سے بچائینگے کیا
رنگ لائینگے بے شبہ یہ جانے تو میری روح — دلولے سب وصل جانا رہے اثر جائینگے کیا
کہتے ہیں یہ پیر و مرشد جاگنا ہی فرض ہے — واں ورنہ رو النور[5] دیکھ اب پائینگے کیا

غرض یہ ہے کہ جین دھرم کی قدامت وعظمت، اور العزمیت اس کے شاستروں یا ان کے اپدیشکوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مصرعہ

میں کیا کہوں اور کیا بساط میری

نوٹ ۱؎ بلند ارادے۔ ۲؎ چار گتی میں۔ ۳؎ مراد ہے منش جنم سے یعنی یہ سامان ملنے پر ہم جو کچھ نہیں کرے تو سخت افسوس ہوگا۔ کیونکہ پھر یہ سامان بڑی دقت سے ملے گا۔

۴؎۔ اے روح تیرے دشمن کرودھ مان وغیرہ تجھ کو کب تک ذلیل کرتے رہیں گے کچھ تو سمجھ۔

۵؎۔ جبکہ تمہاری خواہش خراب ہیں تو تم دشمنوں کو کیسے بس میں کروگے۔

۶؎۔ ایشوری جلوہ

بڑی ہمارا سر تمام جسم سے بڑا۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو دوست تمام مخلوق کے دوست جینی بھی کسی طرح اور کسی حالت میں کافر و بزدل نہیں ہو سکتے۔ انکے مذہبی اصول سن سن عام لوگ حیران ہیں اور اس موجودہ زمانہ میں بھی جینی لوگ بمقابلہ اور قوموں کے۔ دیا رحم۔ پرو پکاری و انکساری اور ریاضت و عبادت۔ خیرات اور نفس کشی و خود داری وغیرہ وغیرہ باتوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ کم کسی حالت میں بھی نہیں۔ محض اتنا فرق ہے کہ پہلے زمانہ میں ایسے ایسے گن وان شخص بہت زیادہ ہوتے تھے۔ فی زمانہ کم اور ان کی دولت تجارت۔ باہمی الفت و عالمگیر جیو دیا دیکھ دیکھ تو اس وقت بھی عام لوگ حیران ہیں۔ روحانی فلسفہ اور میٹر (پدگل) کی پوری پوری حقیقت جو جین شاستروں میں ہے وہ اور کہیں بھی نہیں۔ بلکہ جینی و دوانوں کے روحانی حالت کو سن سن دیگر ودوان حیران ہیں قدردان دوست تو جینی شاستروں کے پڑھنے کو اپنا خاص فرض سمجھتے ہیں جس کا ثبوت ان کے عام جلسوں و مہاتماؤں کے عام آدیشوں میں ان کے بے نوٹ تقریروں سے صاف طور سے مل رہا ہے۔

دیکھئے ایک رشی داس نے بھی برائے نجات اپنی روح سے اس طرح خطاب کیا:۔

نوٹ ۱:۔ اس موجودہ زمانہ میں بھی ہندوستان کی سب سے زیادہ تجارت جینی بیوپاریوں کے ہاتھ میں ہے اور جینی لوگ عموماً صرافی یا بزازی وغیرہ وغیرہ صاف اور نردوش پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ عام لوگ اس وقت بھی کہتے ہیں کہ جینی ہو کر جھوٹ بولتے ہیں راکھوکھاتے ہیں۔ بازاری چیزیں کھاتے ہیں۔ یہ ان کے لئے کیسا فخر ہے۔

نوٹ ۲:۔ کہ ایک چٹی پر ہزاروں بھائی مختلف جگہ سے آکر پوجاؤں وغیرہ میں جمع ہو جاتے ہیں جس سے سرکار عالیہ بھی ان کے اتفاق کی تائید کرتی ہے۔

سُن سُن بڑے بڑے دوّان حیرت میں جاتے ہیں۔ شرادگ گھرستی کی روزانہ ذمہ داری کو دیکھ کر لوگ حیران ہیں۔ دوستوں ہم کو شاستروں میں بھی بنک پتروں کی بیرتا کی بہت سی تمثیلیں ملتی ہیں کہ جنہوں نے وقت پر بڑے بڑے سُور بیروں کے دانت کھٹے کرے۔

دیکھو بھویش دت بنک اور امیر چند میٹی بٹی چبتا (वच) وغیرہ وغیرہ کے عبرت انگیز حکایتیں۔ کہ انہوں نے کیسی کیسی بہادری کری۔

(۱) بھویش دت ہاتھی پر سوار ہوکر دشمن سے بے خوفی کے ساتھ لڑتے جاتے ہیں۔ ان میں نہ مان ہے اور نہ کسی قسم کی مایا جاری ہے اور نہ ہی بلا وجہ کسی کو تکلیف دینے کا ان کا خیال ہے لیکن دشمن راجہ کے ظلم کرنے کی وجہ سے ان کو اُس سے لڑنا پڑا۔ اب بہادری کے ساتھ دشمن کے سامنے گھور سنگرام کرنے لگے۔ جس سے دشمن کا ہاتھ زخمی ہونے سے اس نے اُس کو قید کر لیا۔ دوستو یہ ایک بنک پتر کی ہی تو ساہس وہمت تھی۔ اب ہم نجیال مضمون کی طولانی اور ناظرین کی انتصار پسندی امر چند وغیرہ کے مشرح حالات نہ بتلاتے ہوئے ناظرین کے اطمینان کے لئے یہی کافی سمجھتے ہیں۔

دوستو! اصل بات تو یہ ہے کہ اس دھرم میں کمزوری و بزدلی کیسے ہوسکتی ہے ذرا غور تو کیجئے چشم انصاف سے ملاحظہ فرمایئے کہ محض انسانوں یا خاص حیوان گائے وغیرہ کے حفاظت کرنے والے تو بہادر و دلاور اور تمام جوماترانسان حیوان کے علاوہ درخت و پانی و مٹی وغیرہ کے جیوؤں کے حفاظت کرنے والے بزدل و کائر خوب صاحب خوب۔ مصرعہ۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

کیا جُز کُل سے بڑا ہوسکتا ہے۔ آپ کی مفروضہ تمثیل (یعنی جینی کائر اور بزدل اور دیگر سخت دل لوگ بہادر) سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ دہلی ہندوستان سے

جینی یہ کہیں کہ ایسی بہادری و علو ہمتی تو انہیں چھتریوں میں تھی۔ ہم ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے

دوستوں! سچ بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں تو جینی بھی کہلانے کے مستحق نہیں کیونکہ جسمیں میں جو وصف نہ ہو وہ اُس سے موصوف کیسے کہلا سکتا ہے۔ شعر

آدمی را آدمیت لازمست　　عود را گر بُو نہ باشد ہیزم ست

کیونکہ جین دھرم تو مہاویر بھگوان کا پرچار کیا ہوا دھرم ہے۔ اگرچہ بنکوں (بیوپاریوں) کا کام دھن دولت کمانا ہے لیکن آتم رکھشا یعنی ہم میلف کیلئے ایک خاص حد تک چھتری دھرم کا پالن کرنا بھی ضروری و لازمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جین دھرم کے پرمارتھ مارگ (روحانی ترقی کے راستہ) پر چلنے میں تو ہر ایک کو خواہ وہ کوئی بھی ہو لازمی چھتری بہادر بننا پڑتا ہے۔ کیونکہ بغیر بہادری کس طرح ان باریک سے باریک (مٹی دورخت وغیرہ) کے جیئوں کی حفاظت و نگہبانی کرتے ہوئے اپنا آتم کلیان کر سکتے ہیں۔ اور کس طرح خاندان دولت، حشمت و حکومت و ثروت کو چھوڑ فقیری کی سختیوں کو برداشت کر سکتے ہیں اور کیسے جذبات نفسانی قبضہ میں آ سکتے ہیں اور کیسے ہزاروں کوس محض پیدل سفر کر تمام جیئوں کا اُپکار و کلیاں۔ اس زمانہ میں بھی کئی زندہ مثالیں موجود ہیں پس جو کوئی بھی جین دھرم پر چلے گا اسمیں بہادر ضرور ہوگی۔ دیکھو بھائی اُن کے اصول

نوٹ ۱؎ یعنی سادھوؤں کی نفس کشی اور ہر طرح سے سختیاں برداشت کرنیکی متحمل مزاجی دنیا میں مشہور ہے۔ مہاتما تلک نے فرمایا ہے کہ فی زمانہ بھی جینی بھکشوؤں پر بہادرت کو گورد ہے۔ دیکھئے انشی انشی دن کا فاقہ محض گرم پانی پیکر کرنا۔ ہر قسم کی لذت چھوڑ اپنی زندگی بسر کرنا۔ زندگی کے زیادہ حصہ میں عبادت ریاضت کے سوائے تمام جیوؤں کا اُپکار و کلیان کرنا۔

اس پر بھی کسی جیو کو جان کر نہیں مارتے یعنی سنکلپی ہنسا (عمداً قصداً گناہ نہیں کرتے یعنی سادھوؤں کا پوری طور سے اہنسا دھرم پالن کرنا اور گھرستیوں کا خیال اور قاعدہ میں اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہوتے کام کرنا ہی دھرم ہے۔ پس ایسی اہنسا دھرم میں کمزوری کہاں سے آگئی۔

دیکھو جینی تیرتھنکروں نے پاپ کرم (ہنسا) کو ناش کرنے کی وجہ سے چار قسم کی سینا اور فوج ولشکر سے کر دنیا میں اہنسا دھرم پھیلایا تھا۔ سنگدلوں کو دیا وان رحم دل بنا ہزاروں لاکھوں بے گناہ جانوروں و انسانوں کی جانیں بچائیں تھیں ان کے علاوہ اور اور راجاؤں نے بھی ایسا کیا۔ دیکھو چندر گپت موریہ بندسار بندسار سے پرسدھ راجا نے یون راج سلیوکس کو اپنا لوہا منوایا اور بہارت کو اس کی غنیمت سے محفوظ رکھا

اس کے سوائے کلنگ دیش کو راجہ مہامیگھ باہن ایل خارویل کا نام تو ہمیں یورپ کے نامور بیر نپولین کی یاد دلاتا ہے کہ ایک سال میں ہی وہ کلنگ سے اپنی چترنگ سینا (چار قسم کی فوج پیدل و سوار وغیرہ) بہارت کے بیچ اور متھرا کے آس پاس کے حصوں پر حکومت قائم کرتے ہوئے ہمالیہ کی ترائی سے چل گدھ کے اتر بھارت ورتی (بھارت ورش) مشہور راجہ پشت کا مقابلہ کیا اور آخر میں بڑی کامیابی کے ساتھ فتح پاکر اپنے ملک (کلنگ دیش) واپس گئے اور پھر سی طرح سے تمام چھ کھنڈ میں اپنی آن منا دچکرورتی پد پا، دنیا سے قطع خلق کر روحانی صفائی کے لئے ریاضت عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوئے اس سے علیحدہ بہادری پائیجاتی ہے۔ اس کے سوائے سرسری کا اور کیا موجودہ زمانہ میں ثبوت ملسکتا ہے۔

بلکہ آج کل بھی ایسے ایسے بلوان آتمائیں ہیں کہ جو بڑی بڑی جنگ جدل اور خونریزیوں
میں بوجہ جنہ رکھوان کے سچے بھگت ہونے کے اطمینان سے کامیابی و
فتح یابی حاصل کرتے ہیں۔

کیونکہ اُن کا دل بوجہ علم ویقین صادق حاصل ہونے کے بڑا مضبوط اور دلیر ہوجاتا
ہے۔ ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے پہلے تو اکثر جینی لوگ دنیاوی کاروبار میں کامیابی
حاصل کر آخر میں دھارمک و روحانی ترقی میں مزدر دل وجان سے مصروف ہوجایا
کرتے تھے۔ ان کی تو عورتیں تک بھی اس میں بازی لے جایا کرتیں۔

اگرچہ جین دھرم میں اہنسا مکیہ (رحم و دیا) کا خاص طور سے عملی ثبوت ہے لیکن
اس کا مطلب یہ نہیں کہ جینی لوگ بزدل اور ڈپوک بن جاویں اور اپنے و اپنے
متعلقین اور تعلق داران (رشتہ داران وغیرہ) کی حفاظت نہ کرسکیں۔ آج کل
جینیوں میں رسوم بد کی پابندی اور نیز اور اور وجوہات سے کچھ ایسی کمزوری
آگئی ہے کہ وہ شاستری باتوں کی بھی ماننے میں ٹالم ٹول سی کرنے لگے جس سے وہ
میں ہنسی مذاق ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اکثر لوگ جین دھرم کے عالمگیر اصول اہنسا
کو بغیر سوچے سمجھے بزدلی اور کمزوری کا سبب بتلانے لگے ہیں اور اُن کی بے بنیاد
اور غیر مدلل باتوں سے عام لوگوں کو بھی خیال ہوجاتا ہے کہ جین دھرم باعث کایرتا
اور اس کا بیر رس سے کچھ بھی تعلق نہیں لیکن غور وخوض کے ساتھ ملاحظہ کرنے سے خود
بخود معلوم ہوجائے گا کہ یہ خیال بالکل غلط ہے اور جینیوں کی اہنسا کسی کو بھی بزدل نہیں
بناتی۔ دیکھئے جس کا ثبوت کیسا مدلل اور بامعنی ہے کہ جو شخصوں دنیاوی کاموں
میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے روحانی ترقی کر رہے ہیں۔ وہی تو اہنسا کا پورے
طور سے پالن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جینی گھرستی بھی اہنسا کا اس حد تک پالن
کرتے ہیں کہ جس سے ان کا جیون نرباہ ہوسکے یعنی ان کے دھرم کرم کی رکشا ہو

اس وجہ سے اس میں بیرتا و گورو تا ہونی ضروری ہے جس کا مدلل ثبوت بھی دیتے ہیں
دوستوں چونکہ جن بھگوان کا بتلایا ہوا دھرم جین دھرم ہے اور جن جیتنے والے
ایجی بیر کو کہتے ہیں یعنی جس نے محبت والفت اور نفرت وحقارت وغیرہ جملہ دشمنوں
کو قبضہ میں کر لیا جیت لیا وہی جن ہے۔ سنسکرت جن (جیتنا) دھاتو (مصدر) سے
جین لفظ پیدا ہوا ہے اس وجہ سے جیتنے والے کا دھرم جین دھرم اور بجی
ہونا ہی تو بیر رس کا خاص مقصد ہے۔ اس سے جین دھرم بیر رس روپ ظاہر ہوا
علاوہ ازیں اور ملاحظہ کیجئے کہ زمانہ میں دویت کی طوطی بول رہی ہے جیو اور پرکرتی
کا یدھ صدر لڑائی ہو رہا ہے۔ پاپ اور پن کے درمیان بھی بڑی لڑائی ہے اور لذت خواہ
غصہ اور خود غرضی سنجم (ریاضت ونفس مغلوبی) اور تیاگ (اندرونی وبیرونی
خواہشات کو درجہ بدرجہ کم کرنا) سے بڑھ کر بازی لے رہے ہیں۔ ایسے میدان جنگ
میں بھلا کوئی کیسے بزدل اور خوف زدہ رہ سکتا ہے۔ اگر وہ آرام و آزادی چاہتا ہے
تو اُسے بیر و بہادر ہونا ہی پڑے گا۔ چاہے روحانی ترقی کرے یا دنیاوی بزدلی اور
کمزوری کو تو لازمی چھوڑنا ہوگا۔ اس وجہ سے جین تیرتھنکروں نے خاص طور سے
فرمایا ہے کہ تم بیر بنو اور خواہشات نفسانی کو مغلوب کر آزاد ہو جاؤ۔ کیونکہ جو خواہشات
کو مغلوب کر سکتا ہے وہی دل پر فتح پا سکتا ہے اور بغیر اس پر فتح پائے اور دشمنوں
غصہ۔ مان۔ مایا۔ لوبھ کو کیسے جیت سکتا ہے۔ دیکھو بھائی زانی و بدچلن شخص میں
یہ باتیں لازمی پائی جاتی ہیں۔ پس جینوں کو بھگوان بیر کی ایسی ایسی نصیحتوں پر ایک
سم کا فخر و اعزاز ہے اور سمیک درشٹی شراوک (گھرستی) اور سادھوؤں کا روحانی
ترقی کرنا فرض خاص ہوا جس کا ثبوت محض جین سوتروں و شاستروں میں ہی نہیں مل سکتا

ٹ۔ جو بشے بھوگوں کو جو سپرش اندری کا وشے ہے بس میں کر لیتا ہے اُس نے سب اندریوں کو
جیت لیا جس سے اور دشمن بھی قبضہ میں آجاتے ہیں چنانچہ برہمچاری کا کوئی دشمن نہیں

دراصل جینی مت ہی بیر رس ہے

معزز دوستوں آج ہمیں اس مضمون کو ہی مدلل و بادلیل پبلک کے سامنے پیش کرنا ہے کہ جس کے وہ خلاف ہے یعنی عام طور سے جینی صاحبان کو لوگ انکے اہنسا دھرم کے دقیق و باریک اصول ہونے سے بزدل اور کمزور کہا کرتے ہیں کیونکہ انکا خیال ہے کہ اس درجہ کی دیا دھرم کرنے سے ضرور دل و دماغ کمزور ہوجاتا ہے لیکن جینیوں کی دیا دھرم کی حقیقت معلوم کرنے سے خود بخود ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ وسیع خیالات اور مستقل مزاج جیسے جین پرچارک (تیرتھنکر) ہوئے ہیں ایسا اور کوئی ریفارم نہیں ہوئی اور نہ ہیں۔ ہمارے منصف مزاج بھائی جب اس پر صدق دل سے غور کرینگے تو انکو خود ہی معلوم ہوجائیگا کہ جینی تیرتھنکر یعنی شری بیر بھگوان (آخری جین پرچارک) کیسے مستقل مزاج اور وسیع خیالات کے ہوئے ہیں چنانچہ انکا مشرح حال ان کی لائف سے جو اسی کتاب میں تحریر ہے معلوم ہوجائیگا۔ دیکھو بھائیو بیر رس اس ہی بھاؤ کو کہتے ہیں جس سے کمزوری بالکل دور ہوکر علو ہمتی و بہادری ظہور میں آئے یعنی کوشش و سعی باقاعدہ کرنے سے جو نتیجہ پیدا ہو۔ وہ ہی بیر رس ہے۔ اور پاپ و گناہ کے دفع کرنے کے خیالات جو انسان کو مستقل مزاج بنانے ہوئے رومانی جلوہ دکھلاتے ہیں وہ ہی بیر رس ہے۔

جن بلوان آتماؤں نے جین دھرم کا پرچار کیا۔ وہ سب بیر شرومنی (عالی ہمم) چھتری تھے اب غور طلب بات یہ ہے کہ شری مہابیر بھگوان نے اگر بیر رس کا مکمل طور سے مروج نہ تبلایا ہو اور اسکا اُپدیش نہ دیا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ جیسے جن کے خیالات اور ارادے ہوا کرتے ہیں ویسے ہی وہ دوسروں کو تبلایا کرتے ہیں یہ قدرتی بات ہے۔ نہ اس کے خلاف کسی نے کیا اور نہ کوئی کرہی سکتا ہے

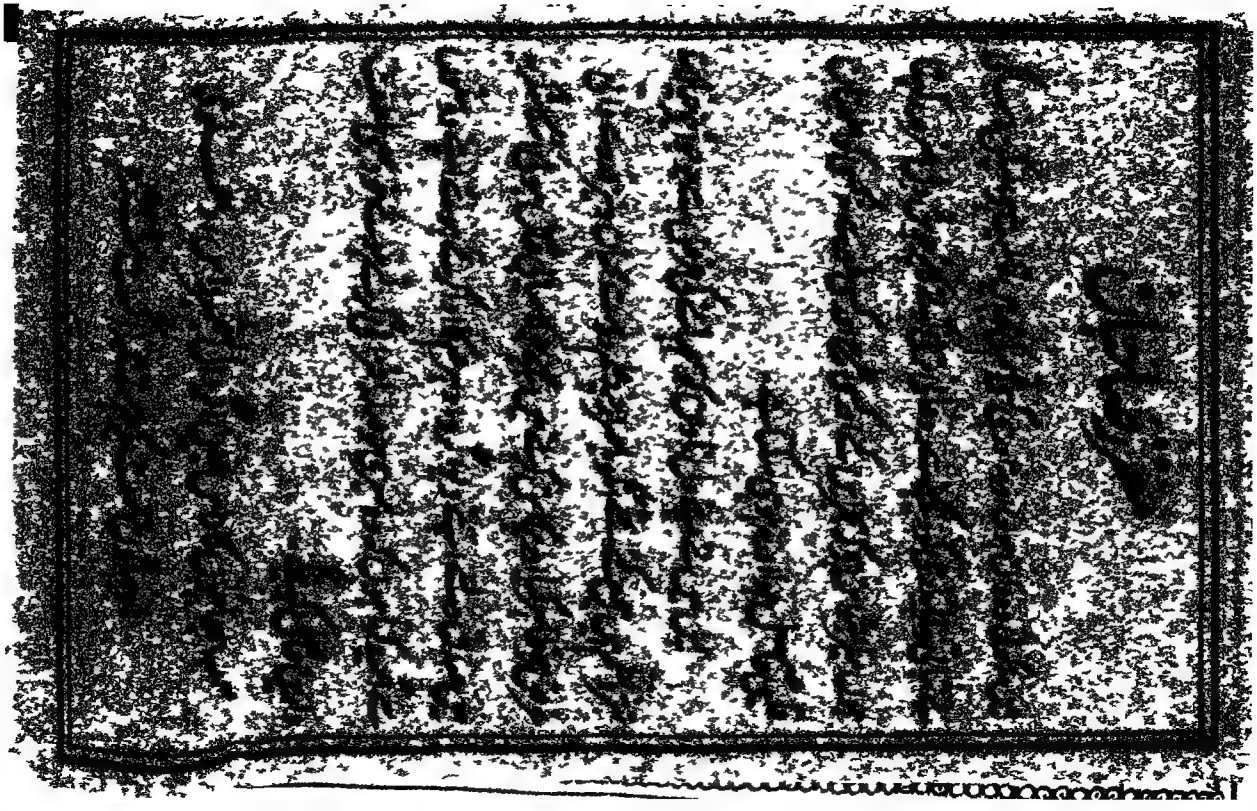

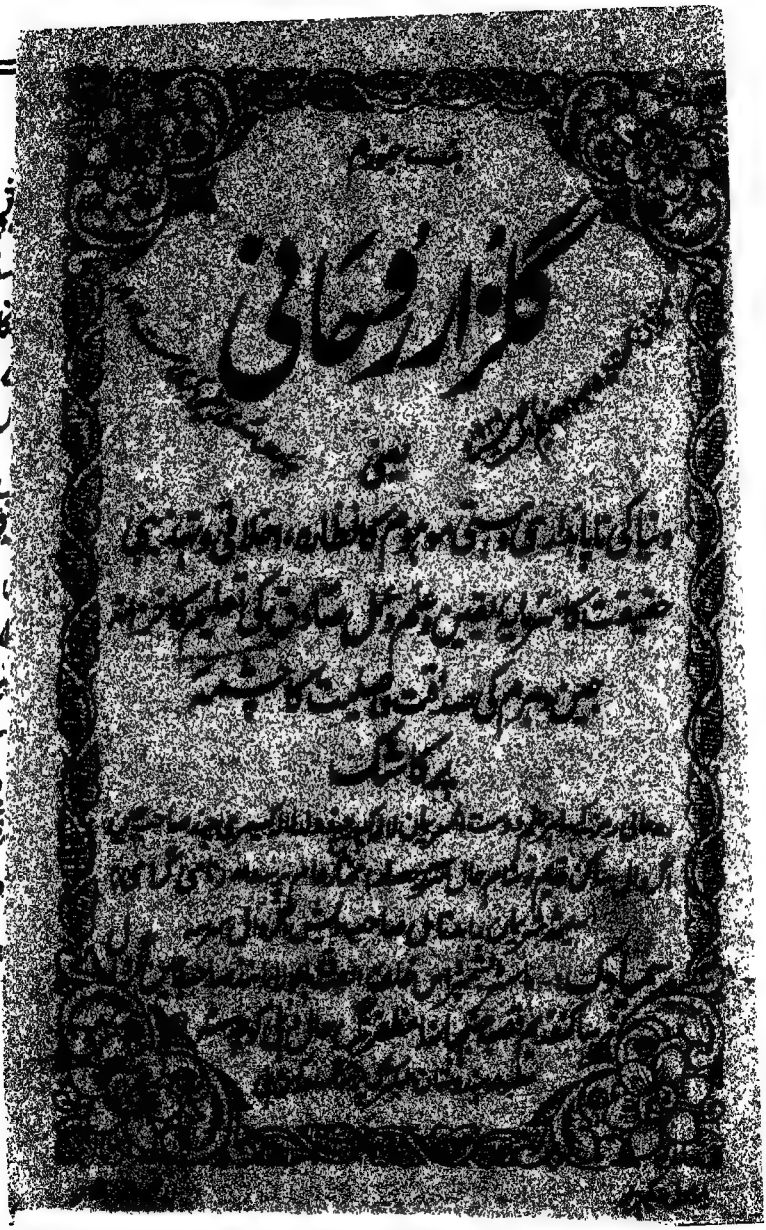

دہرم بھاؤنا یعنی روحانی اوصاف

انکساری، بے ریائی، دینداری، راستی
نیک خصلت پُر رحم دل قلب کی پاکیزگی

ہو گئے جسدل میں پیدا وصف اعلیٰ مذہبی
اور حقیقی راز روح کا پالیا پھر کیا کمی

ترک دنیا کر کے پھر تو تارک الدنیا بنے
چھوٹ کر سب جھنجھٹوں سے محو خود میں خود ہوئے

از جانب مصنف

جین شاستروں نے یہ بارہ بھاؤناؤں کی بیاں
جنکے پڑھنے سے حقیقی راز ہوتا ہے عیاں

بندہ ہی اعمال کے بندھن میں یہ روح بیگماں
ہے نجات اسکی اسی سے بس یہی خوبیاں

دیر کیا اب دیر میں نقصان اپنا سر بسر
چند روزہ زندگی دم بھر میں جاسے کی گماں

خواب غفلت ترک کر من کے رشیوں کے بچن
ترک دنیا کی ہو من تو دور ہو سب رنج و محن

خود میں خود کو دیکھ کر تو خود میں خود ہو جا مگن
بند اعمالوں کے ٹوٹیں اور منے وہ اگمن

تب یہ دنیا چھوٹ جائے ہو دکھوں کا خاتمہ
جیوتی جپکے آتمائی۔ ہو امر پد پرماتما

تمام ہوئی

نیک و بد اعمال کا جب ہو گیا سب خاتمہ
روح پاکیزہ ہوئی اور شاہد نرمل آتما

لوک بھاونا یعنی دور تناسخ

روح دنیا میں ہمیشہ بھٹکتی پھرتی ہے
گاہ انسان گاہ حیواں گاہ نبتی دوزخی

یا کبھی جنت میں جا کر مانتی از حد خوشی
پھنس رہی گرداب میں پھرتی ہے چکر کاٹتی

جنم لیکر اور مر کر ہو رہی ہے بیقرار
گر منے آواگمن تب روح کا بیڑا ہو پار

بودھ دلبھ بھاونا یعنی علم حقیقی

بعد بہت پیش آئی روح کی خوش قسمتی
جسم جو انسان کا پایا خوبصورت اور قوی

نیک عادت نیک خصلت نیک طینت دل غنی
ذات اعلیٰ پاک مذہب علم حق کی روشنی

مل گئے سب سہارے ہو گئی پوری کمی
اب فرض اپنا ادا کر جو ملے دائم خوشی

جو نہ ہوتی اسکے اوپر چام کی چادر چڑھی
تب تو اسکو کاگ کتے نوچتے ہر ہر گھڑی

آشرو بھاؤنا۔ یعنے آمد اعمال

ناؤ میں روزن ہوا آ آ کے جل بھرنے لگا
بل سے بوجھل ہو چلی ڈر ڈوبنے کا ہو چلا

یا کھلا گہرا دیکھ کر چوروں کا آنا ہو گیا
یہ نہ چھوڑیں ایک پائی تک سبھی لینگے چرا

نیک و بد اعمال کی آمد کا ٹانکا لگ رہا
آتما کے دھن دھرم لٹنے کا خطرہ ہو گیا

سمبر بھاؤنا۔ یعنے انسداد اعمال

ڈاٹ روزن میں لگائی جل کا آنا رک گیا
ناؤ ڈوبیگی نہیں اب دل سے خدشہ مٹا

کر لیا دربند گھر کا چور کا اب خوف کیا
مال کی اپنے حفاظت ہو چلی اچھا ہوا

نیک و بد اعمال کی آمد کی اُتم ہوا
کچھ امن روح کو ملا جب بوجھ سر سے کم ہوا

نرجرا بھاؤنا۔ یعنی ازالہ اعمال

جل نکالا ناؤ کا سب اور دیا میں ڈال
ہو گئی اب خوب ہلکی پار ہو گی للمحال

لے چراغ علم گھر کی خوب ہی کی دیکھ بھال
چور جو موجود تھے انکو دیا فوراً نکال

ہے دکھی سنسار سارا سکھ نہیں ہے نام کو
بھول ہے انسان کی جو یاں چاہتا آرام کو

ایکتو بھاؤنا۔ یعنے۔ یگانگی

جب ہوئے پیدا یہاں پر تھے اکیلے آپ ہی
چار گت میں پھر کے ہم نے دکھ بھی جھیلے آپ ہی
جب ہوئے ہیں تب بھی تھے اکیلے آپ ہی
جب مرے اکلے مرے سب کھیل کھیلے آپ ہی

ہے نہ کوئی جگ میں اپنا کون کو اپنا کہیں
تھے اکیلے ہیں اکیلے اور اکیلے ہی رہیں

انیتو بھاؤنا۔ یعنے بیگانگی

باپ ماں اور بہن بھائی یا کٹمب جو بشہ
محل و مندر اسپ و ہاتھی داس داسی نار نر
یہ سبھی اپنے سے سارے زن زمین و مال زر
اور تو کیا جسم بھی اپنے سے نیارا سر بسر

کون اپنا سب بگانے دیکھ آنکھیں کھول کر
گیان کے کانٹے میں اپنا اور پرایا تول کر

اپچھی بھاؤنا یعنی جسمانی غلاظت

ہاڑ کا پنجر بنا خون اور رگ رگ میں بھرا
میل بدبودار آٹھوں پہر جاری برملا
ہے نہیں یہ بدلہ ہے غلاظت کا گھڑا
صاف اوپر سے کیا چندن لگایا کیا ہوا

شری ویتراگ کا نیمہ

اتھر بھاؤنا یعنے بے ثباتی

ہو کوئی راجہ یا رانا بادشاہِ نامور
یا ہو کوئی چھترداری یا کسی کے تاج سر
ہو کوئی ہاتھی نشیں یا پا پیادہ ہو بشر
جھونپڑے میں رہ کے کوئی کر رہا ہو یا گذر

پر ہے مرنا سبکو اک دن اپنے اپنے وار پر
سر کو رکھنا ہی پڑیگا موت کی تلوار پر

اشرن بھاؤنا یعنے بے پناہی

توپ ہوں تلوار ہوں اور پاس سب ہتیار ہوں
فوج میں سارے سپاہی تیز ہوں طرار ہوں
دیو تا ہوں دیویاں ہوں یا پاپی ہوں یا ہوں
منتر ادی جنتر ادی ویدِ واقف کار ہوں

پر کوئی بھی زندگی اک پل بڑھا سکتے نہیں
موت کے چنگل سے وہ ہرگز بچا سکتے نہیں

سنسار بھاؤنا یعنے حالتِ دنیا

ہائے پیسا ہی نہ پلے کیا کروں کیا کر رہوں
مال و دھن بڑھتا نہیں اس فکر سے لاغر رہوں
گھر میں بیٹا ہی نہ ہے کیوں میں چشم تر رہوں
ہائے بیٹا نوجواں میرا مرا میں مر رہوں

کبھی حیوانی جسم میں اور کبھی انسانی جسم میں قید ہو کر ہزارہا تکلیف اٹھانے کے بعد نجات پانیکا موقعہ نصیب ہوگیا۔ اور خوش بختی سے توانا اور تندرست جسم۔ اعلیٰ خاندان پاکیزہ خیالات۔ روحانی علم۔ از خود کی معلومات۔ اور منزل مقصود پر پہنچانے والا پاک مذہب یعنی بہتر الٰہی کے سب سامان دستیاب ہوگئے۔ اب صرف اپنے ذاتی اوصاف (جو روح پاک کے اندر تقدیری طور پر موجود ہیں) پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جہاں صفات ذاتی کے عامل ہوئے اور بیڑا پار۔ خودی دور ہوئی اور خدا بنے۔ آتما سے پرماتما بننے کا یہی تو ذریعہ ہے اور یہی تو روحانی ترقی کا راز ہے۔ جبتک اپنے ذاتی اوصاف پر عمل نہیں تب تک روحانی نجات کمالے کوسوں دور اور جہاں ان پر عمل کیا جھٹ سے بیڑا پار۔

مندرجہ بالا روحانی ترقی کے سلسلہ کو بانیان مہین مذہب نے بارہ بھاؤنا کے نام سے منسوب کیا ہے جنکو ہم سلسلہ وار نظم کی شکل میں ناظرین کے روبرو پیش کرتے ہیں اس خلاصہ پر توجہ سے بخوبی طور پر سمجھ میں آجائیگا۔ امید ہے کہ ناظرین اسکو پڑھکر خود فائدہ اٹھائینگے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائینگے۔ اور سب سے اخیر میں خاکسار کو دعا خیر سے یاد فرمائیں گے ؛

خاکسار

"پریم بھون" دیوبند۔ یوپی

20/2/36

جیوتی پرشاد جین

نوٹ۔ یہ اردو نظم شریمان سورگیہ پنڈت بھودت داس صاحب کے ہندی دوہوں کا سہارا لیکر تحریر کی ہے۔ لہٰذا انکی سورگیہ آتما کا شکریہ۔ جیوتی۔

کہا جائے۔ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی حیوانوں کی نسبت یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسانی جسم پھر بھی غلیظ ہے اور سب سے افضل ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ جو نیک و بد اعمال روح سے سرزد ہوتے ہیں وہ سب اِس جسم کے تعلق سے ہی ہوتے ہیں۔ جن اعمالوں کا اچھا یا بُرا اثر روح کو اُٹھانا پڑیگا وہ سب اسطرح سے بھاگے آرہے ہیں کہ جیسے کشتی کے سوراخ سے پانی یا کھلے دروازے سے مکان کے اندر چور۔ کشتی میں پانی کا بھرنا یا مکان میں چوروں کا گھسنا دونوں ہی باتیں خطرناک اور نقصان دہ ہیں۔ لیکن ہوشیار اور زیرک آدمی پانی کی آمد سے کشتی کو اور چوروں سے زر و زیور کو بچانے کی تدابیر سوچتا ہے یعنی کشتی کے سوراخ میں ڈاٹ لگاتا ہے اور مکان کا کھلا ہوا دروازہ بند کرتا ہے۔ یعنی نیک خصلت انسان اعمال کی آمد کو بذریعہ ریاضت روکتا ہے۔ اب صرف اتنا کام باقی رہجاتا ہے کہ جو پہلے اعمال روح کے ساتھ ملحق ہیں اُنکو دور کردیا جائے یعنی کشتی میں سے موجودہ پانی اور گھر میں سے موجودہ چور نکال دینے جائیں۔ پھر خطرہ مٹ جائیگا یعنی کشتی ہلکی ہوجائیگی اور دریا پار ہوجائیگی اور چوروں کے نکل جانے سے زر و زیور محفوظ ہوجاویگا۔

اسیطرح پر گذشتہ اعمالوں کے دور ہوجانے پر روح مقابس بالکل پاکیزہ ہوجاویگی۔ اب نہ تو اعمالوں کے آنے کا خطرہ رہیگا اور نہ اُنکے جمع ہونے کا۔ بلکہ جو موجود تھے وہ بھی دور ہوگئے۔ اب اِس پاکیزہ روح کو اس دنیا سے جسمیں کہ زمانہ لامحدود سے بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یعنی کبھی دوزخ میں کبھی جنت میں

ہوتا سب جُدا ہوتے ہیں۔ بھلا اور تو کیا جس جسم کو انواع و اقسام کے لذیذ کھانے کھلا کر نفیس اور بیش قیمتی لباس پہنا کر اور ہزار ہا ناز و نخرے اُٹھا کر پرورش کیا تھا۔ اور توانا و تندرست بنایا تھا۔ آخیر وقت میں وہ بھی ساتھ چھوڑ کر جدا ہو گیا پس کوئی بھی کسیکا ساتھی نہیں ہے یعنی روح سب سے جدا ہے اور سب روح سے جدا ہیں۔ یعنی یگانگی و بیگانگی کا نظارہ ہے۔

مگر تماشا یہ ہے کہ یہ تمام نقص ہوتے ہوئے بھی روح جسم کو پاکر اکڑ جاتی ہے اور سمجھ لیتی ہے کہ میں خوبصورت ہوں۔ تندرست ہوں۔ اور طاقتور ہوں۔ اور ہزاروں لاکھوں میں ایک ہوں۔ لیکن یہ ہوش نہیں کہ جس جسم کی نفاست پر یہ تمام مغروری ہے اُسکی اصلیت کیا ہے؟ اصلیت ہے والدین کے پیشاب کا قطرہ جو بالکل ناپاک ہے۔ یہ جسم بھی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ جسکے اندر خون۔ رادھ مانس۔ چربی۔ پاخانہ۔ پیشاب وغیرہ غلاظت بھری پڑی ہے۔ جسقدر موریاں یا نالیاں جسم کے مکان میں بنی ہوئی ہیں۔ اُن سب میں سے (آنکھ۔ ناک۔ کان منہ وغیرہ) ہر وقت غلاظت ٹپکتی رہتی ہے۔ جسکی صفائی کے لئے پانی۔ مٹی صابون۔ تیل وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ویسے بھی دیکھا جاوے تو یہ جسم بدون لباس کے اچھا نہیں لگتا۔ برہنہ جسم سے (سگی بہنوں کے علاوہ غیروں کو ہی نہیں بلکہ از خود کو نفرت اور شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو ایک بات اچھی ہوئی کہ اس جسمانی ڈھانچہ پر چام کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ ورنہ اسکی خیر کہاں تھی۔ اسپر تو ہزار ہا مکھیاں آکر چمٹ جاتیں اور کاگ کُتے نوچ نوچکر

اور آبرو عزت کو خاک میں ملا ڈالا کسی کی عورت بدمزاج ہے۔ بات بات میں تکرار کرتی ہے کسی کا بیوفا اور خودغرض دوست سے پالا پڑ گیا ہے۔ کوئی حاکم وقت کی سختی سے پریشان ہے غرض ہر طرح سے دکھ ہی دکھ نظر آتا ہے۔ گو ان دکھوں سے پریشانی اور گھبراہٹ حد سے زیادہ موجود ہے لیکن پھر بھی دنیاوی ساز و سامان کو اپنایا جا رہا ہے اور سب پر اپنا قبضہ کیا جا رہا ہے۔

لیکن اب ذرا سوچنا یہ ہے کہ دنیا میں اپنا کون ہے جبکہ عام طور پر یہ باتیں کہی جاتی ہیں کہ مطلب کا سنسار غرض کے یار جیتے جی کے ساتھی روپے پیسے کے میت ورنہ کوئی بھی کسی کا نہیں ہے سب اپنے سے جدا ہیں اور جدا ہی رہینگے تب اپنا کون؟ جسوقت روح قالب سے نکلتی ہے تب کون ساتھ دیتا ہے سب دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ گناہِ عظیم سے پیدا کئے ہوئے مال و اسباب کے حصہ دار سب بن گئے تھے لیکن اب کوئی بھی حصہ دار نظر نہیں آتا۔ سب جی چاکر جدا ہو رہے ہیں پسینہ کی جگہ خون بہانے والے دوست۔ محبت کیوجہ سے سب کچھ قربان کرنے والے والدین سب غیر ہو جاتے ہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ ساتھ ہوتا ہے کہ روح کے نکلجانے پر مردہ جسم کو لیکر مرگھٹ تک چلے جاتے ہیں۔ اور وہ بھی مرنیوالے کی خوشنودی مزاج کے لئے نہیں بلکہ گھر میں سے مردہ جسم کو جلا کر ٹھکانے لگا دینے کے لئے تاکہ گھر صاف ہو جائے۔

جب انسان پیدا ہوتا ہے۔ بیمار ہوتا ہے ضعیف العمر ہوتا ہے۔ یا موت کے گھاٹ اترتا ہے تب اکیلا آپ ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی شریک حال نہیں

آن واحد میں لے بھاگتے ہیں۔ پھر اس سے زیادہ دنیاوی روحوں کے لئے بے ثباتی اور کیا ہوگی۔

دنیا میں سکھ نام کو بھی نہیں ہے۔ دنیا کی اصلیت سے ناواقف انسان اپنی غلطی سے سکھ مان رہا ہے۔ اور مان رہا ہے دھن دولت۔ ہاٹ حویلی مال خزانہ۔ باغ۔ باغیچے۔ کوٹھی۔ بنگلے۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ موٹر گاڑی۔ اولاد بچوں کی موجودگی میں۔ اور حواس خمسہ کے موج مزوں میں۔ لیکن یہ سکھ نہیں ہے، یہ تو کتے کی ہڈی چبانے کی مانند سکھ کی جھلک کو لئے ہوئے دکھ ہے۔ کتا سوکھی ہڈی چباتا ہے۔ اس کے مسوڑے چھل جاتے ہیں۔ اور خون نکل آتا ہے۔ اس اپنے ہی جسم کے خون کو چاٹ کر کتا سکھ مانتا ہے لیکن بعد میں جب چھلے ہوئے مسوڑوں میں چبس ہوتی ہے تب دکھی ہوتا ہے اور روتا چلاتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی حیوانی خصلت پڑی ہوئی ہے۔ یہ بھی اسیطرح پر سکھ مانتا ہے۔ ورنہ بغور نظر تحقیق دیکھا جائے تو ہر ایک انسان دکھی نظر آتا ہے۔ کوئی مفلسی سے تنگ ہے۔ کوئی دولتمند ہوکر ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔ کسی کے اولاد نہیں ہے۔ کسی کے بیٹا ہوکر مرگیا ہے۔ کسی کا بیٹا مرا تو نہیں لیکن بدچلن ہوگیا۔ بڑے بزرگوں کے سرمایہ

ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور آیندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ بس۔ سی کا نام بے ثباتی یا دار فانی ہے۔

دنیاوی روحوں کو کسی جگہ پر بھی پناہ نہیں ہے۔ جسم کو عارضی طور پر پناہ ملجانے کا نام پناہ نہیں ہے۔ جیسے کہ زمانہ طفلی میں ماں کی گود پناہ دیدیتی ہے۔ آگے چلکر بڑے بزرگوں کا سرمایہ پناہ دیدیتا ہے یا دوستوں کی محبت سے پناہ ملجاتی ہے اور حاکم وقت کی امداد پناہ دیدیتی ہے لیکن یہ پناہ روح کی حقیقی حفاظت کے لئے کچھ بھی کام نہیں دیسکتی یعنی روح کی حفاظت ذرا بھی نہیں ہوسکتی۔ جب انسان بستر مرگ پر لیٹ جاتا ہے۔ تب موت کے زبردست آہنی پنجوں سے چھڑانے کا چارہ کسی طاقت میں بھی نہیں ہوتا۔ ماں باپ۔ بھائی۔ بہن۔ چچا تاؤ۔ شوہر۔ بیوی۔ بیٹا بیٹی۔ یار دوست نوکر چاکر۔ وید حکیم۔ سپاہی۔ پیادے۔ سیانے چٹے۔ سب دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ اور مال وزر منتر جنتر۔ جادو ٹونہ۔ پیر پیغمبر۔ دیوی دیوتا۔ دوا دارو۔ اور توپ طمنچے سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اور موت اپنا کام کر جاتی ہے۔ جن بڑے بڑے عالیشان قلعہ جیسے محلوں میں پرند تک کا گذر ہونا مشکل ہوتا ہے۔ وہاں اس بے پناہ روح کو موت کے خونخوار فرشتے

اِس دُنیا میں ہر ایک شے ہمیشہ قائم نہ رہنے والی یعنے فانی ہے جو پیدا ہوتی ہے اُسکے لئے فنیت و نابود ہونا ضروری ہے۔ کوئی شے ازلی نہیں ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے۔ زمانہ طفلی میں کھیلتا کودتا ہے۔ عالمِ شباب میں عیش و عشرت کی زندگی گذارتا ہے۔ اور زمانہ ضعیفی میں زندہ درگور ہو کر اور طرح طرح کی تکلیف اُٹھا کر موت کے نزدیک جانے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موت آتی ہے اور اپنے آہنی پنجوں میں روح کو دبا کر لیجاتی ہے۔ یہ واقعات ہر ایک ذی روح کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ خواہ کوئی انسان ہو یا حیوان۔ توانا تندرست ہو یا بیمار غریب ہو یا امیر۔ شاہ ہو یا فقیر۔ بچہ ہو یا بوڑھا۔ مرد ہو یا عورت مصیبت زدہ ہو یا عیش پرست۔ عالم ہو یا جاہل۔ برہمن ہو یا شودر۔ غرض موت کسی کے ساتھ بھی رعایت نہیں کرتی۔ اور نہ اُسے وقت بیوقت کا ہی خیال ہے۔ ابھی نمادہ مرا ہے غریب عورت بیوہ ہو گئی ہے۔ صرف اِس غریب کی گود میں ایک دو سالہ بچہ چھوڑا ہے۔ جو اس بیوہ کی زندگی کا سہارا ہے۔ لیکن موت ظالم نے اِس غنچہ کو بھی شگفتہ ہونے سے پہلے مسل ڈالا غریب بیوہ کی حالت زار پر بھی رحم نہ کھایا۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ زمانہ قدیم سے ایسا ہی

خلاصہ

زمانہ قدیم یعنی آبادی کال سے دنیا کی تمام روحیں دنیاری آتمائیں رچوا ہی لاکھ قالبوں کو پاکر یعنی۔ انسان۔ حیوان۔ امر و ذی بہشتی بنکر وقت پیدائش۔ وقت بیماری۔ وقت ضعیفی۔ اور آخر میں وقت مرگ۔ ہزارہا تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھاکر حیران و پریشان ہو رہی ہیں۔ اور گھبرا رہی ہیں ان پریشان روحوں نے دنیاوی تکالیف سے نجات پانے کا سب سے سہل طریقہ موت کو سمجھ لیا ہے۔ اس لئے عام طور پر کہا کرتے ہیں۔ کہ ہے رام موت دیدے کہ ان دنیاوی جھنجھٹوں سے چھوٹ جائیں" لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے۔ مرکر چین پانے کی مثل خواب کی بادشاہت ہے جو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائینگے مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

خلاصہ مرکر چین پانے کی گارنٹی کس نے لے رکھی ہے۔ جبکہ موت کے ساتھ پیدائش اور پیدائش کے ساتھ موت کا نہ چھوٹنے والا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ تب یہ تعلق کیسے اور کس طرح چھوٹ سکتا ہے۔ اس بات پر نہ کوئی غور کرتا ہے۔ اور نہ دنیا کی مصیبتوں کے چنگل سے رہائی ملتی ہے

یہ "بارہ بھاونا" جینیوں میں اسقدر مقبول ہے کہ ہر کس و ناکس۔ خورد و کلاں کی نوکِ زباں پر ہے۔ اِسی بارہ بھاونا کو جین سماج کے مشہور و مقتدر شاعر لالہ جیوتی پرشاد صاحب جین سابق ایڈیٹر جین پردیپ دیوبند نے جنکی قومی خدمات ہر فرد و بشر پر بخوبی روشن ہیں۔ اُردو پیراہن میں آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اور ہندی کے ہر ایک دوہے کے مفہوم کو اُردو نظم کے ایک ایک بند میں تحریر کیا ہے۔ اِس کے علاوہ اُردو نثر میں بھی اس کا خلاصہ مطلب واضح فرما کر سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔

اُمید واثق ہے کہ اُردو داں اصحاب اِس کے مطالعہ سے مسرور اور مستفید ہونگے۔

چندو لال۔ جین اختر

بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔
وکیل۔ بڑا دریبہ۔ دہلی

شکریہ

دو الفاظ

حقیقت نگار سورگیہ پنڈت بھودر داس صاحب کی شاعری ہندی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ انکے واقعات پر مبنی بلند تخیلات اعلیٰ مشاہدات، اور پاکیزہ تاثرات۔ صاف و شستہ زبان کے جامہ میں محض دلاویز اور دلکش ہی نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ بدرجۂ اتم سبق آموز وعبرت انگیز بھی ہیں۔

جب دنیا کی گوناگوں عارضی لذتوں، موہوم مسرتوں، اور ناپائدار محبتوں میں محو و منہمک انسان اپنے وجود اور منتہائے مقصود سے غافل و بیخبر ہو کر حقایق و وقائع سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، اور اسکی چشم باطن موجودات عالم کو اصلی شکل و صورت میں دیکھنے سے معذور رہتی ہے تو ایسی صورت میں شاعر موصوف کی تصنیف کردہ نظم موسومہ "بارہ بھاونا" شمع ہدایت کا کام کرتی ہے، اور گم کردہ راہ کو شاہراہ نجات پر گامزن کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

روحانی ترقی کا راز

یعنی

منزل مقصود پر پہنچنے کا زینہ

مصنفہ

(جین کوی) لالہ جیوتی پرشاد صاحب جین۔

سابق ایڈیٹر جین پردیپ پریم بھون، دیوبند یوپی۔

پرکاشک

جوہری مل جین صراف

دریبہ کلان دہلی

دوسری مرتبہ

تین ہزار

قیمت ۰۰ عہ

(طبع جوہر ترقی پریس دہلی)

۱۹۵۲ء

جین مترمنڈل کے ذریعہ قائم شدہ

شری سردھمان پبلک لائبریری دہرم پورہ دہلی

عرصہ چار سال سے قائم ہے۔ اس میں ہاتھ کے لکھے اور چھپے شاستر۔ تواریخی۔ علمی۔ اور بڑے قدیم گرنتھ۔ دلکش ناول ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں۔ وہ سب آپکی ہیں۔ آپکے لئے ہیں۔ آپ انہیں خود پڑھ سکتے ہیں۔ اوروں کو پڑھا سکتے ہیں۔ لائبریری کے ممبر ہو جایئے اور فائدہ اٹھایئے۔

پھر اس میں اخبار آتے ہیں۔ ہندی۔ اردو۔ انگریزی۔ روزانہ۔ ہفتہ وار پندرہ روزہ۔ اور ماہواری۔ سب طرح کے اچھے اچھے اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کیجئے۔ فائدہ اٹھایئے اور اسے اپنایئے۔

اس میں شک نہیں کہ ہر ایک کے سہارے اور امداد سے کسی دن یہ لائبریری ملک کی ایک بہترین علمی۔ مذہبی۔ درسگاہ ثابت ہوگی ؎

بشن چند جین

سیکرٹری جین مترمنڈل دہرم پورہ دہلی

جین مترمنڈل دہرم پورہ دہلی

عرصہ ۷۰ سال سے دہلی میں قائم ہے اور جین سماج اور جین دہرم کی ہر ممکن طریقہ سے اہم خدمات انجام دیرہا ہے۔ اسکے کارہائے نمایاں آپ پر بخوبی روشن ہیں دہرم پرچار کرنا اس کا مقصد عظیم ہے۔ منڈل کی طرف سے اب تک مختلف زبانوں میں ۴ ہزار ٹریکٹ شائع ہوچکے ہیں جنکی اشاعت ۱۰ لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ شائع شدہ ٹریکٹوں کی مانگ ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ ممالک غیر مثلاً لندن جرمنی آسٹریلیا۔ امریکہ سیلون نیروبی وغیرہ سے بھی برابر آتی رہتی ہیں۔ ٹریکٹوں کا ریویو جین و اجین اخباروں میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ منڈل نے اس سال بالعرض دہرم پرچار کے ایک پریچارک بھی رکھ لیا ہے جسکے ذریعہ بڑے بڑے شہروں قصبوں اور گاؤں میں جین جین بھائیوں میں برابر ٹریکٹ پہنچ رہے ہیں۔ علاوہ اسکے ادھر بیت سے دہرم سمبندھی کاریہ ہورہے ہیں جین دہرم کا خوب پرچار ہورہا ہے۔ جسکی رپورٹ وقتاً فوقتاً آپ صاحبان کو اخباروں کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی ہوگی۔ لہٰذا گذارش ہے کہ جن صاحبان کو دہرم سے پریم ہے اور جین دہرم سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں حسب ذیل کاموں میں امداد دیکر منڈل کے کارکنان کی حوصلہ افزائی کریں۔ فیس ممبری صرف تین روپیہ سالانہ ہے اور یہ ٹریکٹ ممبران کو مفت نذر کئے جاتے ہیں دہرم کے پریمیوں سے نوید ہے کہ منڈل کے ممبر بنیں۔ مفید ٹریکٹ لکھائیے چھپوائیے مفت لیجئے قیمت دیکر لیجئے۔ فروخت کرائیے۔ جین ابادیوں میں پرچار کیجئے۔ ہر سال چیت سُدی تردوشی کے دن ہونیوالی مہاویر جینتی مہاتسو میں آئیے اور جگہ دیجئے۔ سماج سدھار کے اور دہرم پرچار کے ضروری کاموں کی ہمیں اطلاع دیجئے۔ انکو پورا کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیے منڈل کو دان دیجئے۔ مان دیجئے۔ پران دیجئے۔ وغیرہ وغیرہ ✤

پھنسا رہے سب اوگن ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اِس طرح ان سات بُری عادتوں کا جن کا تیاگ حتی المقدور اُمیدوار جین کے لئے بھی ہے ذکر کیا گیا۔ یہ چودہ باتیں اور ہیں جو اس اُمیدوار جین کے لئے کرنی مناسب ہیں جنکا ذکر ساگار دھرم امرت اودھیلے ایک شلوک ۱۲ میں ہے

न्यायो पात्त धनोदजन् गुरून्सद्धा स्त्रिवर्गं भजन्
अन्योन्यान्य गुरा तद्वहेगना हेगती स्थानालपी ह्री मयः
यक्ताहारविहार आर्य समिति प्राज्ञः कृतज्ञोवशी
श्रण्वन धर्म विधिं दयालुर धवी सालार धर्म चरेत्॥

(ترجمہ) جو منصف نیلے سے دھن کماتا ہو (۲) اچھے گنوں اور گرو کی پوجا کرنیوالا ہو (۳) ست اور میٹھے بچن بولتا ہو (۴) دھرم ارتھ اور کام ان تینوں پُرشارتھوں آپس میں ورودھ رہت سیون کرتا ہو (۵) اُوپر کے کہے ہوئے تینوں پُرشارتھوں کے لئے سیون کرنے کے لائق شہر یا گاؤں کے گھر میں استری سہت رہتا ہو (۶) حیا والا ہو (۷) مناسب چال چلن کے ساتھ ہار بہار کرتا ہو (۸) سجن پُرشوں کی سنگت کرتا ہو (۹) وچار وان ہو (۱۰) جتیندریہ ہو (۱۱) جتاس جتمنہ اور اپنے من کو بس میں رکھنے والا ہو (۱۲) ہمیشہ دھرم شاستروں کو سننے والا ہو (۱۳) دیا وان ہو (۱۴) پاپوں سے ڈرنیوالا ہو۔ ایسا انسان جین دھرم کو پانے کے لائق ہوتا ہے۔

اِس طرح کہی ہوئی چودہ باتیں بھی اُس میں پائی جاویں جب جین کہلانے کے لائق ہوتا ہے اے پیارے ترو آؤ ذرا سوچیں کون کون سے گن ہمارے اندر ہیں اگر یہ سب گن ہمارے اندر ہیں تو ہم جین کہلانے کے لائق ہیں نہیں تو نہیں۔ جو غیر شخص جین ہونا چاہے پہلے اُس میں یہ گن دیکھنے چاہئیں پھر جین دھرم کا اُپدیش سننے کے لائق ہوتا ہے۔

بابو شری جیابیہ سوامی کی جے۔

بازی۔ زنا کاری۔ شراب نوشی۔ قمار بازی وغیرہ عیوب میں اُڑھتا ہے۔ جو ہمیشہ متفکر و غمگین اور اندیشہ میں رہتا ہے۔ ظاہر ہونے پر راج سے دُھد پاتا ہے۔ مہذب سلطنتوں میں جیلخانہ جرمانہ تازیانہ کی سزا پاتا ہے۔ غیر مہذب میں ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹے جاتے ہیں۔ دنیا میں اس طرح کی زندگی بسر کر عاقبت میں مفلس و بدبخت و دوزخی ہوتا ہے۔

۷، دوسرے شخص کی عورت کا دلدادہ ہونا۔ یا زنا کرنا۔ اس پاپ کے برابر کوئی پاپ نہیں ہے۔ راون کا جو حال ہوا وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اُسکے گھر بار کا جو حال پتنی یعنی سیتا جی کو بچانے پر ہوا سب پرعیاں ہے۔ کیچک کا جو حال ستی دروپدی کے ساتھ ہوا وہ بھی آپکو معلوم ہے ایسے ایسے بڑے پُرشوں کا حال جانتے ہوئے بھی پھر اس واہیات کام۔ پاپ و بیاسرا سرزنا دانی نہیں تو اور کیا ہے۔ ان سپت بسنوں میں رنڈی بازی کو علیحدہ لکھا ہے اور پرستری کو علیحدہ۔ سو یہ علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ کیسکو رنڈی بازی کی لت لگجاتی ہے۔ کیسکو دوسرے کی عورت کی۔ اسی واسطے انکو علیحدہ علیحدہ بتلایا ہے۔ دراصل پراستری کا سواد ایسا ہے جیسا کہ کتے کو ہڈی کا۔ کتا ایک ہڈی کا چباتا ہوا اپنی غلطی سے یہ جان رہا ہے کہ مجھے یہ خون کا سواد ہڈی میں سے آتا ہے۔ مگر اُس نادان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ ہڈی ہی میرے مسوڑوں میں چبھکر سیدھی خون نکالتی ہے بس سے یہ سواد آتا ہے حقیقت میں پراستری کا سواد ایسا ہی ہے جس سے نادان زنا کار یہ نہیں سمجھتا کہ یہ سواد میرے ہی میں سے آتا ہے۔ مگر مجھے اُلٹا پرستری میں سے آتا ہوا معلوم دیتا ہے اسلئے اے مترو پراستری کو ہڈی سے بھی بُرا جان کر تیاگو۔ ورنہ تم بھی آخر میں پچھتاؤ گے اور اُس وقت بات تمہارے ہاتھ میں نہ رہیگی۔ دیکھو ایک شاعر کہتی بڑائی کیا کرتا ہے (راگ کو سیا) سب اوگن ہیں ان نارن میں۔ جن میں من (دھیان) اٹکا رہے۔ بچھو پچھ بچھے بش جانو۔ ناگن کے مکھ میں پہچانو۔ ناری زہر بھرا فرش میں۔ کامی کا من ڈسا رہے۔ سب اوگن ہیں۔ (زنا کار)

یہ جگت جال کی بیماری ہے۔ اور متھیامت اُپادیشک ہے۔ اُن پرانن کو دے ترک ہاس۔ جن کا من ان سے

آرہی ہے سبکتگین کو یہ حال دیکھ کر بڑی دیا آئی۔ اس نے فوراً بچہ کو چھوڑ دیا اور برچھی سکو ساتھ لے چلی گئی۔ مگر وہ تھوڑی دیر کے بعد مڑ مڑ کر سبکتگین کی طرف دیکھتی جاتی تھی گویا کہ وہ اسکو دھنیاد دیتی جاتی تھی۔ اس رات کو سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ پرماتما کی طرف سے ایک آواز آسمان سے آئی جس میں اس نے کہا کہ اے سبکتگین تو نے جو آج ہمدردی پر دیا کی وہ بات پرماتما کو بڑی پسند آئی بادشاہت تیرے ماتھے لکھی گئی تجھ کو چاہیئے کہ اسی طرح کی دیا اپنی رعیت پر کیا کرے چنانچہ وہ جب بادشاہ ہوا تو اسنے ہمیشہ اس کہانی کو یاد رکھا۔

کیا اچھا ہو جو ہمارے بہادر شکاری بجائے بیگناہ حیوانات کے شکار کے ذریعہ حیوانات نقصانی کا شکار کھیلنا سیکھیں کیونکہ حضرت دیوتی نے فرمایا ہے کہ کسی بیکس کو ایسا مارو کہ ایسا مارا جو آپ ہی مرے ہوئے کو مارا تو کیا مارا۔ پڑے ہوئے کو مارا تو کیا مارا۔ نہنگ، شیر، ببر، شیر ببر مارا تو کیا مارا۔ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں ؎ مباش در پے آزار ہر چہ خواہی کن۔ یہ طریقہ اغیار میں کتاب نیت یعنی کسی جانور کو مت ستاؤ جو جیتے ہیں آنے سو کر کیونکہ ہمارے مذہب میں اس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۶) چوری کا گناہ بہت بڑا گناہ ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اپنی چیز کا مالک بنجائے تو وہ بڑا معلوم ہوتا ہے ویسے ہی دوسری چیز کا آپ مالک بنا بیٹھے۔ جو کسی شخص کا مال زمین میں گرا ہوا ہو یا مکان وغیرہ میں دفینہ ہو یا کوئی شخص امانت سونپ گیا ہو یا اچانک یا دوسری جگہ میں دن اللہ کہنے کے کہہ لیا ہو یا دودھ کے شامل میں بھول گیا ہو کپڑے و برتن کا نوٹہ دو بات ہوں یا بیل بوٹے دینے کے دینا یا لاک کا کپڑا اٹھا کر دوسرے کو دینا سب چوری ہے۔ انسان روپیہ کیوسطے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ جانتا ہے کہ بیڑے سمندر میں ڈوبتا ہے مگر مگرمچھ کا خوف نہیں کرتا۔ روپیہ کے لوبس میں پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے۔ ڈاکے کا خوف نہیں کرتا غرضیکہ روپیہ جان سے زیادہ عزیز ہے۔ لہٰذا کسی کا مال چرا لانا اسکے قتل کرنے سے کم نہیں ہے مثل مشہور ہے کہ مردے کو بیچ کر روتے ہیں اور روپیہ کو کھو کر چوری جو ہے دھرم کرم سب کا ناش کرنیوالی ہے چور کو ہر شخص برا جانتا ہے۔ کوئی اس کا اعتبار نہیں کرتا۔ چور کو ہر وقت طمع رہتا ہے۔ اس کا دل پراگندہ رہتا ہے۔ چوری کا روپیہ نیک کاموں میں خرچ نہیں ہوتا۔ زندگی

گھر کی سنگینی سوئی چوری کو ویسن جان سنج ناری بن - پنا ری دوش سمجھے
ایسی نگر بائیکا کو تجھے جو نہاوے ساوہ - اسکو ملانی سو جہا پاپی کہیے
(ترجمہ) رنڈی بازی میں ساتوں گُن کا پاپ لگتا ہے - بھن کا جو ناش ہوتا ہے - اسکو تو
قمار بازی سمجھو - بوس و کنار کو مانس خوری جانو - مباشرت کرنے کو سُرا کے برابر فرض کرو
چونکہ اپنی عورت سے پوشیدہ رکھا جاتا ہو اسلئے چوری سمجھو - اور چونکہ وہ اپنی عورت نہیں
ہے اسلئے زناکاری مانو - اس ملاپ سے تمام نیک صفات ضائع ہوتی ہیں - انکا ترک
کرنیوالا زاہد و عابد مشہور ہو جاتا ہے - اور اس سے محبت کرنیوالا جہانی شمار کیا جاتا ہے -
رنڈی بازی کی لت سکے تماشائیوں سے لگ جاتی ہے جس میں وہ جا و بیجا کچھ دکھا کر
دیکھنے والوں کو اپنی طرف کر لیتی ہے اسلئے اس کا تماشا دیکھنا نہایت ہی بُرا ہے -
(۵) شکار کھیلنا - شکار میں پانچ اندری جیو کا گھات ہو اسلئے ممنوع ہے - جو شخص دوسرے
کی تکلیف کو اپنی جیسی جانتا ہو وہ ہرگز اس عادت کا عادی نہیں بن سکتا - ہندو دھرم میں
تو کسی جانور کو ایہنیا پاپ کہا ہے مگر مسلمان بھی بیت اللہ (خدا کا گھر) مراد کعبہ میں خون گرانا
گناہ کہا ہے - مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ممانعت صرف کعبہ تک ہی محدود رکھی جاتی ہے - مگر وہ
نہیں سوچتے کہ چونکہ خدا حاضر و ناظر سب جگہ ہو اسلئے تمام دنیا ہی اس کا گھر ہے جس میں خون
گرنے کی ممانعت ہے نہ کہ صرف کعبہ ہی میں - عیسائیوں کا چوتھا حکم شرعی (Thou shalt not kill) کسی کو قتل و ذبح مت کرو - پھر ہم نہیں سمجھتے کہ یہ ہنسا کا پاپ کیسا - جانور بیچارے
دین ہوتے ہیں جنگلوں میں پھرتے ہیں پھر انکو ناحق بندوق سے مارنا عذاب ہے - آپنے اوشام
سبکتگین کی کہانی سنی ہوگی جس میں لکھا ہے کہ سبکتگین جسوقت الپتگین کا غلام تھا اسوقت
وہ ایکدفعہ شکار کھیلنے غزنی کے جنگل میں گیا وہاں اس نے ایک ہرنی کی طرف گھوڑا ڈالا جو اپنے
بچے سمیت وہاں چرتی پھرتی تھی - اسوقت ماں تو بھاگ گئی مگر بچہ سبکتگین کے ہاتھ آیا جسکو وہ
اپنی زیادہ کر چلا - جب پیچھے پھر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ماں ممتا کی ماری گھوڑے کے پیچھے پیچھے

بُری ہے مدرا کی پھٹکار۔ بدھی۔ ویرج۔ مان اور دولت ناش ہوت ایکبار
پیتے ہی مدہوش نشہ میں۔ بدھ نہ بیدھ کی آن۔ بھگنی بھارجہ۔ داس۔ پتا دکھیت میں ایک سمان
نفع نہیں وت سمجھ سنجھار۔ بُری ہے مدرا کی پھٹکار
پڑھا لکھا لی سکیچ اور گھر میں موتے شوان۔ ورد شاسی بورہی تب بھی لاد تیرا وہی کان
کرے ہے ہردم یہی پکار۔ بُری ہے مدرا کی پھٹکار
کُل کا اہم بڑوں کی عزت سب پر ڈاری خاک۔ بچتا ہی بے تکی اور دامن کرتا ہے چاک
نہیں سوجھت وہ جو ہے سامنے۔ بُری ہے مدرا کی پھٹکار
چند سمیر کہے سُن پیارو۔ تیاگو یہ اگھ مول۔ پرگٹ دوش دکھیت ہیں ہیں میں۔ اس میں جھول
چلے نرک آخر کار۔ بُری ہے مدرا کی پھٹکار

مدرا کے تیاگ میں دوسرے نشہ بھی شامل ہیں مثلاً چرس۔ گانجھا۔ افیون۔ پوست۔ بھنگ وغیرہ۔ جو شخص شراب کا تیاگ کرتا ہے اسے ان کا تیاگ بھی کرنا ضروری ہے۔

(۴) ویشیا ویسن یعنی رنڈی باز۔ بعض اشخاص کو ایسی لت لگجاتی ہے کہ گھر کی خبر نہیں رہتی۔ خواہ کیسی ہی خوبصورت عورت گھر میں ہو مگر وہ ان اشخاص کو اچھی نہیں معلوم ہوتی رنڈی کی فرمائشوں کے پورا کرنے میں روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے بعض دفعہ آتشک اور سوزاک وغیرہ مہلک مرض لگجاتے ہیں دھرم کرم سب جاتے رہتے ہیں بھکشو بھکشا کا کچھ خیال نہیں رہتا لوگ رنڈی باز کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ رنڈی بازی کے ساتھ ساتھ شراب نوشی۔ مانس خواری وغیرہ بُری عادتیں پڑجاتی ہیں۔ چنانچہ اگر اس کا نام اُم لیعوب رکھا جائے تو بجا ہے۔ سانوں دین تو اس میں ظاہر آنی موجود ہیں جیسا کہ پنڈت منوہر لال جی نے دھرم پرکشیا میں کہا ہے۔ (سوئیا ۳۱)

دھن کو ناس ہوئے سوہی۔ ہوت کرم جانو چنبن کو وے مدھو مانس دوش لہے۔
بھوگ جو کرت نانا بھانت سوئی کیوٹ کرم۔ انکے سمیپ رہے گن گرام وہے

اشخاص کی عقل پر بڑا بھاری افسوس آتا ہے۔ کہ حیوانات دُکھ سکھ محسوس کرتے ہوئے۔ مارنے پیٹنے۔ زخم ہونے سے ڈر کر بھاگتے ہوئے۔ چلاتے ہوئے۔ تڑپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر اس ثبوت بیّن سے انکار کرنا اور اُن میں روح نہ بتانا سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ ہندوستان میں یام مارگ کے پھیلنے پر لوگ ایسے دلیر ہو گئے کہ دھرم کا نام لیکر ہزارہا پشوؤں کو یگ وہون میں ڈالدیا کرتے تھے اور بھاگھ رپاپ کے بھاگی ہوتے ہیں اس کارن پاپوں سے بچانے والے شری مہاویر سوامی وبودھ دیو ہی ہوئے ہیں جنہوں نے دیوی دیوتاؤں پر ہونے والی قربانیوں کو بند کرایا۔ آج کل جو مانس تیاگ ہندوستان میں نظر آتا ہے وہ ان مہاتما پرشوں کی بدولت ہے۔ ورنہ یہ دیش بھی مثل دوسرے دیشوں کے مانس خور ہی تھا۔ آجکل جو غیر دیش میں بہت سی دیا سبھائیں قائم ہو رہی ہیں وہ ان ہی کے اپدیش کے مطابق ہیں۔ لفظ ہندو کے معنے ہیں ہنسانے دور رہنے والا۔ جب دیگر ممالک سے آکر اس دیش میں جو آریہ ورت کہلاتا تھا اپنے دیش کے باشندوں سے اس بات میں مختلف پایا تو اس کا نام ہندوستان یا دیوانوں کا دیش رکھا۔

میری آپ صاحبان سے یہ عرض ہے کہ آپ انجیل کی مثل۔

پہلا حرف یہ

Do as you would be done and live and let live.

(ترجمہ) دوسروں کے ساتھ ایسا کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں۔

(ترجمہ) تم زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو پرعاص ہو کر اپنا موٹو بنا لو کیونکہ یہ ہر کشاہی مہتا را صول منتر ہے۔

(۳) **مدرا یا شراب کا پینا**۔ بھی اُن ہی شخصوں کا کام ہے جن کے پاس کچھ اور کام نہیں ہے ایسے شخصوں کے لئے مندرجۂ ذیل چند سطور کا ملاحظہ ہی کافی ہے۔

لاوٹی دھن پیلو تال قوالی طرز۔ کروں کیا تجھکو بادے بہار

جسکے بدن سے جان نکالی جاتی ہے۔ حضرت نظیر اکبر آبادی فرماتے ہیں ؎

کانٹا کسی کے مت لگا کو مثل گل پھولا ہو تو	وہ تیرے حق میں تیر ہو کس بات پر پھولا ہو تو
مت آگ میں ڈال اور کو گر گھاس کا پولا ہو تو	سن کہ یہ کتہ تیز کس بات پر پھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے	کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

علاوہ ازیں انسان کے جسم۔ منہ۔ دانتوں کی بناوٹ مانس خوار حیوان جیسی نہیں ہوتی ہے۔ حیوانات میں صرف وہ جانور مانس کھاتے ہیں جو زبان کے ذریعہ پانی پیتے ہیں جیسے شیر۔ کتا۔ بلی۔ وغیرہ۔ اور بندر جیسے جانور جو زبان سے پانی نہیں پیتے مانس خور نہیں ہیں۔ پھر جائیکہ انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور جامے ہے ؎

اے یار کسی کو جو کوئی کل پاویگا	یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاویگا
اس دہر کائنات میں سن اے غافل	جو آج کرے گا وہ کل پاویگا

مانس کھانے سے عقل پر پتھر گی آتی ہے۔ کاہلی بڑھتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان مقابلہ ہندوؤں کے دماغی کاموں علم ریاضی وغیرہ میں کمزور ہوتے ہیں۔ مانس خور آدمی دل یکسو نہیں لگا سکتا۔ اور دل کو یکسو نہ کرنے کی وجہ سے پرماتما کا دھیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایجاد و اختراع کر سکتا ہے۔ آجتک جتنے بڑے بڑے فلاسفر۔ سائنسداں پیدا ہوئے ہیں کوئی بھی مانس خور نہیں تھا۔ مثلاً سقراط۔ بقراط۔ ارسطو اور افلاطون۔ نیوٹن۔ ڈارون۔ کپل۔ گوتم۔ ویاس۔ شری شنکر دیو جی سے لے کر موہن داس گاندھی تک کبیر۔ نانک سوامی دیانند وغیرہ سب ہی ویجیٹرین تھے۔ لہٰذا مانس خوری کو ہنسا اور پاپ کا کام سمجھ کر اس کا تیاگ کرنا مناسب ہے۔ ہنسا سے دل کرور ہو جاتا ہے دیا اور رحم جو انسانی۔ کلید روحانی صفتیں ہیں دور ہو جاتی ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات کے درجہ سے گر جاتا ہے بعض لوگوں نے ہنسا کا اطلاق صرف انسان تک ہی محدود رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ حیوانات میں روح نہیں مانتے ہمکو ایسے

آتش نرسد مگر خدا تعالیٰ شما را بعقوبت در دنیا آنرا عذاب خواہد کرد ہر کہ جانوران را در آتش افگند چنان است کہ مار خود را زنا کردہ باشد" (کذا فی آیۃ مسافر صفحہ ۴۰۰ مدینہ محمدی صفحہ ۵۰۷) ترجمہ عبداللہ بن مسعود رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی چالیس گائیں ذبح کرے گا۔ اس کے واسطے ایک بت لکھا جاویگا۔ اور خواہش نفسانی سے کسی جانور کا قتل کرنا گویا کعبہ شریف کے ڈھا دینے میں مدد کرنا ہے۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی جانور کو نہ تو آگ میں ڈالے اور نہ بیرحمی سے قتل کرے اگر ایسا کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو غلام آزاد کرے۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یا لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ خبردار کسی جانور کو آگ نہ لگانا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں عذاب میں مبتلا کریگا۔ اور جو کوئی جانوروں کو آگ میں ڈالتا ہے وہ گویا اپنی ماں سے زنا کرتا ہے۔

اور مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب فرماتے ہیں ؎

مبادا بر سرے کہ دانہ کس است	کہ جان دارد جان شیریں خوش است

(ترجمہ) چیونٹی کو مت مار کہ دانہ کھینچنے والی ہے۔ جان رکھتی ہے اور جان شیریں خوش ہے۔ حضرت شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں ؎

نہ بیند کہ چشتی رسد بجان کسے	کہ از دانش ریزند دندانے
قیاس کن کہ چہ حالش بود دراں ساعت	کہ از وجود عزیزش بدر کند جانے

(ترجمہ) اے بھائی کیا تو نے نہیں دیکھا ہے کہ اس شخص کو کیسی تکلیف ہوتی ہے جسکے منہ میں سے ایک دانت نکالتے ہیں۔ پس اس شخص کی تکلیف کا اندازہ کرے

اگر ہم یہ سمجھتے کہ اس کا عوض ہمکو دینا پڑیگا تو مدھرس بُری عادت کو پہلے ہی چھوڑ دیتے
بھلا ہندومت کا تو یہ اصول ہی ہے جن کے وید مقدس ہیں اپنیا پرمودھرم
لکھا ہے۔ بودھ مت کا یہ پہلا اصول ہی ہے ہنسا مہا پاپ۔ پورانک مت والے تلسی داس
جی نے بھی کہا ہے ؎ دیا دھرم کا مول ہے۔ پاپ مول ابھمان۔ تلسی دیا نہ
چھامیئے۔ جب لگ گھٹ میں پران۔ عیسائیوں کی کتاب پیدائش یعنی اکیل
میں لکھا ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو پیدا کرکے اسکو باغ عدن میں رکھا تھا۔ اور
فرمایا تھا کہ

And God said 'behold, I have given you every herb bearing seed, which is upon the face of all the earth, and every tree in which is the fruit of a tree yielding seed, to you it shall be for meat.

ترجمہ دیکھو میں نے تمام روئے زمین کے درختان و نباتات فایت کئے ہیں جسمیں بیج
اور بیج سے درخت پیدا ہوتے ہیں یہ سب تمہاری خوراک ہونگے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کی خوراک نباتات بسبزہ کہ الش۔

اہل اسلام کی احادیث میں بھی ایسا آیا ہے۔ چنانچہ ملفوظات حضرت عثمان
ہارونی صفحہ ۔۔۔ میں لکھا ہے کہ "عبداللہ بن مسعود روایت کرد از رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ چہل بارہ گاؤ بسبل کند یک خون کہیہ و در گردن او بنویسند
و بر جادہ ہے کہ بایستے نفس بکشند بہچناں باشد کہ بویران کردن خانہ کعبہ پای
کردہ باشد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ نشاید جانورے را کہ در
آتش افگند یا بہ بے رحمی بکشد او آن ست کہ بردد آزاد کند یا شصت مسکین را
طعام دہد یا دو ماہ روزہ دارد پیوستہ رسول گفتند میدانید کہ ہیچ جانورے را

جس کو سب آجتک روتے ہیں۔

کیا آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں کہ جو آپکے بزرگوں نے کیا۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس بُرے کام کی عادت کیوں ڈالی جاوے کیا ہمارے پاس خالی وقت کے لئے کوئی کام نہیں ہے دنیا میں تو اسقدر کام بھرے پڑے ہیں جن کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ کیا آپ کوئی کام کرنا نہیں چاہتے۔ پیارے بھروا یہ سب تمہاری بدعادات کا قصور ہے۔ اگر کوئی اور مناسب دنیاوی کام نہیں ہے تو وقت کو فضول مت کھوؤ۔ وقت تو کانٹے کی طرح نکلا جاتا ہے (ع) گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ۔ اگر تمہارے پاس کوئی کام نہیں ہے تو مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا کرو۔ کچھ پڑھنے سے تمہارے دل کو شانتی ہوگی۔

بعض آدمی یہ کہا کرتے ہیں کہ دیوالی کے روز تو ایک دفعہ جوا ضرور کھیلنا چاہیئے۔ ورنہ گدھے بنیں گے۔ ٹھیک دیوالی والے روز جوا کھیلنا گدھوں کا کام ہے۔ ورنہ کہاں وہ مبارک دن کہ جسکو مہاویر سوامی مکت گئے تھے اُس روز تو آپ کو تمام رات دیپجگا منانا چاہیئے۔ اور بھجن و شاستر پڑھنے چاہئیں۔ نہ کہ جوا کھیلنا چاہیئے۔ جوا کا تو مہاویر سوامی نے تیاگ بتلایا تھا پھر یہ الٹی عادت کیسی؟

خیر بھائی۔ گئی سو گئی۔ اب راکھ رہی ہی کو کارآمد ہو کر آئیں۔ ہم۔ اور آپ ملکر اور شری مہاویر سوامی کا نام لیکر ہی جوا کھیلنا بند کریں۔ اور ساتھ ہی "اش" کا کھیلنا۔ چوسر کا کھیلنا۔ لوٹری ڈالنا۔ سٹہ لگانا۔ یہ سب جوئے کی شاخیں ہیں سب کے مُنہ پر خاک ڈالیں۔ بولو شری مہاویر سوامی کی جے!

(۲) **مانس کا کھانا**۔ لفظ مانس کے معنے سنسکرت میں "نام۔ سہ۔ کھاوتی" وہ ہمکو کھائیگا۔ پھر یہ تو بتلایئے کہ ہم کو مانس کھا کر اُس جیو کو یہ ٹھیکہ دنیا کہ وہ ہمکو کھاوے یہی تو اس میں بھول ہے کہ ہم آجتک اس کے معنی ہی نہیں سمجھے

دوھا

جوا کھیلن۔ مانس۔ مدا۔ استریا ویشیا۔ شکار۔ چوری۔ پر ستری رمن۔ ساتوں پاپ نوار
یعنے جوئے کا کھیلنا۔ مانس کا کھانا۔ شراب کا پینا۔ رنڈی بازی کرنا۔ شکار
کا کھیلنا۔ چوری کرنا۔ اور دوسرے شخص کی استری کا دلدادہ ہونا۔ یہ ساتوں پاپ
ایسے ہیں جن کے تیاگ کا اور نرک شراوک کو بھی اپدیش دیا جاتا ہے۔

۱ جوا کھیلن۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوا کھیلنا پہلے کسی نکمے آدمی نے جسکے پاس
کوئی دوسرا کام نہیں ہوگا چلایا ہوگا۔ اور اسکو پہلے پہل صرف گٹوں کے ساتھ
کھیلتے ہونگے۔ جیسا کہ بہت سی لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ پھر اسکے بعد جوا کوڑیوں
سے کھلنے لگا۔ بعد ازاں پیسوں سے۔ اور پیسوں سے جس کا رواج بہانتک
چلا کہ اسکے شائقین نے اپنا گھر زیور وجواہر وغیرہ اسپر رکھنا شروع کیا۔
پھر یہ عادت ایسی ہوگئی کہ اسکے بغیر کچھ مزا ہی نہ رہا۔ چنانچہ دھرم پتر وغیرہ
نے دروپدی جیسی ستی کو دروپدی سمیت دھن کے مقابلہ جوا پر رکھدیا اور اسکو ہار گئے
بعد دریودھن نے یہانتک اتیاچار کیا کہ ستی دروپدی کو اسی وقت دربار میں
بلا لیا۔ اور اسکے کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ ستی دروپدی کے ہوش وحواس
خطا ہوگئے۔ اس وقت اس نے بھگوان سے عرض کی کہ اے دینا ناتھ مجھ
غریب کا تیرے سوا کوئی سہائک نہیں ہے۔ تو ہی سہائتا کر۔ دیوؤں نے
اسکی مدد کی کہ ایک ایک کپڑا دروپدی کے اوپر سے اترتا تھا اور دوسرا اسکے
اوپر آجاتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر دریودھن چپ ہوگیا۔ اور ناچار ہوکر چودہ برس
کا بن باس دیا جس کا نتیجہ آپ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوا۔ پانڈوؤں کے دل میں
آگ لگ گئی۔ اور انہوں نے جنگ مہابھارت رچا جس میں سب عالم اور
فاضل کام آئے۔ اور ہندوستان کے لئے یہ جنگ مہابھارت غارت بن گیا

اوم

سپت ویسن یا ہفت عیوب

آج میں آپ صاحبان کی توجہ سپت ویسن یا ہفت عیوب کی طرف دلاتا ہوں۔ یہ سات بد عادتیں ایسی ہیں کہ ان کا تیاگ ورتی شراوک کی پہلی پرتگیا (درجہ یا جماعت) میں تو ہے ہی۔ مگر اوتی شراوک کے لیئے بھی ہے جو جین دھرم کا صرف امیدوار بننا چاہتا ہے۔ اُس میں بھی یہ عادتیں نہ ہونی چاہئیں۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے ان کا تیاگ ہی مناسب ہے۔ جین دھرم پر چلنے والے تین قسم کے آدمی ہیں۔ ایک اوتی شراوک یا اُمیدوار۔ دوسرا ورتی شراوک۔ داخل شدہ شراوک۔ تیسرا ملی یا شراوکوں کا گرو۔ اوتی شراوک تو وہ شخص ہوتا ہے جو ابھی تک جینی نہ ہوا ہو۔ مگر اُسکی توجہ یا رجحان دل جین مذہب کی طرف جھکا ہو۔ تو یا یہ جین مذہب کے امتحان داخلہ میں داخل ہونے والا شخص ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کالج کا پرنسپل اپنے کالج میں داخل کرنے سے پہلے جاننا چاہتا ہے کہ آیا یہ لڑکا ہمارے کالج میں داخل ہونے کے لائق ہے یا نہیں۔ اِس واسطے وہ پہلے چند مضامین میں داخلہ کا امتحان لیتے ہیں۔

اسی طرح جین مذہب کے منتی واچاریہ وگرو شراوک دھرم میں داخل کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا یہ اُمیدوار ایسا شخص ہے جو شراوک کے دھرم کے گرہن کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں۔ تو پھر آپ جانتے ہیں کہ ایسے اشخاص میں ایسی عادتیں نہ ہوں جیسے کہ "سپت ویسن" میں بیان کی گئی ہیں۔ باقی اور دوسرے شراوک وہ گیارہ جماعتوں میں داخل شدہ ہوتے ہی ہیں۔ اور منی جین دھرم کے گرو جو اپنے چال چلن سے و شاستروں کی تعلیم سے لوگوں کو دھرم کا اُپدیش دیتے ہیں۔

چنانچہ یہ سات ویسن یا بد عادتیں ہیں جو ایک شخص اس طرح بین کرتے ہیں

شکریہ

ہم لالہ جنگلی مل گورنمنٹ پنشنر اور انکے پسران بابو پشپال سنگھ اور سیوا رام بابو ہربرپشاد نائب تحصیلدار جیپور صاحب جین سبھا نے جھارسہ ضلع گورگانوں کے جین مشکور ہیں جنہوں نے نہایت فراخدلی سے بوساطت پنڈت لکشمن لال جیپور صاحب یہ جلسہ جین متر منڈل دہلی کے اپیل سے ٹریکٹ ہذا کی ایکہزار جلدوں کی لاگت جین متر منڈل دہلی کو عطا فرمائی۔ اور نیز ہم اس سلسلہ میں پنڈت جی موصوف کی علمی خدمات کے بھی معترف ہیں۔

نوید کہ

بشن چند جین

سکرٹری جین متر منڈل دہرم پورہ دہلی

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۳۶

بندے جنورم

سپت ویسن
یا
ہفت عیوب

از قلم

بابو ہمیر چند اگروال جین سابق اکونٹنٹ انبالہ چھاؤنی

جسکو

جین مترمنڈل دھرم پورہ دہلی نے

برائے افادۂ خاص وعام شائع کرایا

مہاویر نروان۔ سمت ۲۴۵۸
مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء

بار دوم۔ قیمت آدھ آنہ

(تجارتی قانون محفوظ)

اور مردم شماریوں سے اب تک جو جینیوں کی تعداد ہر مرتبہ کم نظر آتی رہی ہے آیندہ اُس میں بیشی ہونے کی اُمید کی جاسکے۔ لیکن اشاعت مذہبی کا یہ اہم کام محض جسمانی مشقت اور دماغی محنت سے ہی سرانجام نہیں پا سکتا۔ بلکہ اسکے لئے کافی سرمایہ کی بھی ضرورت ہے جس کا ذریعہ محض ارکان قوم کی سخاوت شعاری ہے۔

پس ہم اُمید کرتے ہیں کہ جین اصولوں سے محبت رکھنے والے امیر طبع اصحاب اپنی دریادلی سے کبھی ہمارا حوصلہ پست نہ ہونے دینگے اور اس کارِنیک میں بقدر مقدرت وقتاً فوقتاً الی امداد دیکر ثواب دارین حاصل کرینگے ؛

پتا لعل جین

جوائنٹ سکرٹری۔ جین مترمنڈل۔ دہلی۔

ہو کالج کھولدیے جن میں مذہبی تعلیم لازمی ہو۔ اور بچے ہوش سنبھالتے ہی طالبعلمی
کی حالت میں اصول دینی سے واقف ہو جایا کریں۔ قومی اتفاق اور کافی
سرمایہ ہونے کی وجہ سے انتظام کیا جا سکتا ہے۔ ایسے تارک الدنیا عالمان
باعمل کا وجود ہو جا جو ہر پہلو سے کر دینی مسلک کا عملی نظارہ لوگوں کو دکھا سکیں
اور جو پرتاثیر بیانات کو عوام کے دل نشین کر سکیں اس زمانہ میں ناممکن سا
معلوم ہوا۔ مسلمان دینی کو چراہ نجات کی انگشت شہادت بنکر دنیا داروں کے
دل سے غفلت کی نیند کو دور کر سکیں ہدایات دینی دینے کے لئے جا
جا پر جو بڑی بڑی دینی درسگاہیں کھلی ہیں آخر کار یہی تدبیر مؤثر ثابت ہوئی
آج کل بڑے بڑے اور تجربہ کار شخصوں نے اپنے ذاتی تجربہ سے جس طریق
نجات کو ہر دلعزیز رفیع سے سچا پایا اپنی نیک ہدایات کو حوالہ قلم
کر دیا تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھا۔ اسکی اشاعت
کے لئے بھی یہی تجویز ہوئی۔ چنانچہ اسی مقصد کو لیکر وقتاً فوقتاً چندوں کی ایک
انجمن جسکا نام مسلم مشن کے نام سے شہر دہلی میں ۱۹۱۵ء سے جاری کی گئی۔
جس کے دینی کام کی مختصر جھلک چھوٹے چھوٹے ٹریکٹوں کی صورت میں ہندوستان
خاص میں شہرت رکھتی ہے۔

سطحی نظر والے اشتراکی وجہ ہے جو اس پاک مذہب کے اصولوں پر بے جا
نکتہ چینیاں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ نہ صرف صلح ہندوستان اور ہند میں ہی نہیں۔ بلکہ
ممالک غیر میں بھی اسکے فلسفہ کو علم دوست اور حقیقت جو اصحاب کا مطمح نظر بنا دیا
یہ کام برابر جاری ہے اور اگر اسی طرح جاری رہے گا تو امید قوی ہے کہ اس
پاک دین کو ایک دن ہر دلعزیزی اور عام مقبولیت کا شرف بھی حاصل ہو جائے

عرض حال

اے اہلِ کرم اک نظرِ لطف ادھر بھی!

جس طرح اِس نئی روشنی کے دور میں نئی نئی دماغی اختراعات شب و روز نشو و نما پا رہی ہیں۔ مذہبی میدان بھی تجسس و تفکر کی دوڑ دھوپ سے خالی نہیں ہے۔ ہر مسلک کے دلدادگان صداقت و شجاعت کے وفود سے دو چار نظر آتے ہیں۔ اپنے اپنے اصول کی اشاعت اور تعدادِ قوم کی افزایش کے لئے تلے ہوئے ہیں۔ جب دیگر مذہب والوں کے تبلیغ کا سورج بالنسوں چڑھ گیا اور اسکی تیز کرنیں ہماری خفتہ قوم کے دلوں میں نشتر کی طرح چبھنا شروع ہوگئیں تو اسنے بھی یکایک خوابِ غفلت سے آنکھ کھولی۔ دیکھا کہ عالم کا کاروان اشاعت کے میدان میں اپنی منزل کے چند ابتدائی مرحلے طے کر چکا ہے اور جستاں و گریزاں بڑھا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس مردہ قوم کے لئے آغازی مسافت کسی قدر دشوار گذار ہو گئی تھی۔ تاہم اسکو لازم ہو گیا کہ اپنے مذہبی اصول کو جیسے بن سکے روشنی میں لائے۔ تو قوم کے چند دل چلے نوجوانانِ دہلی نے سوچا کہ مذہبی اشاعت کا یہ پہلو کہ ہم اپنے ایسے ذاتی سکول

غلطی ہو تو آیندہ درست کیجائے۔ میں اُن بھائیوں کا بھی بے حد مشکور ہوں گا جو اس مضمون کو اور وسیع و مکمل کرنے کی خاطر مزید حوالے بہم پہنچائیں گے۔

چونکہ یہ ٹریکٹ تاریخی پہلو سے لکھا گیا ہے اس لئے کسی صاحب کو اسکے پڑھنے میں مذہبی تعصب سے کام نہ لینا چاہیئے۔ محققانہ نگاہ سے اصلیت کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور اسی طرح چلا جائے گا۔ کبھی اس کا نہ شروع ہوا۔ اور نہ کبھی خاتمہ ہوگا۔ گویا جین دہرم لا ابتدا زمانہ سے چلا آیا ہے اور آیندہ لا انتہا زمانہ تک رہے گا۔ البتہ کسی وقت اِس کی اشاعت کا زور زیادہ ہوگا اور کسی وقت کم ہوجائے گا۔ یعنے اُسکو کبھی کمال اور کبھی زوال ہوتا رہے گا۔ مگر بالکل معدوم نہ کبھی ہوا۔ نہ کبھی ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جین دہرم دنیا کو "انادی انت" مانتا ہے۔ یعنی نہ دنیا کا آغاز ہوا ہے اور نہ کبھی خاتمہ ہوگا۔ اسی طرح جین دہرم کو بھی انادی انت ہی سمجھنا چاہیئے۔

مذکورۂ بالا حوالوں سے جو کہ بڑے بڑے مشہور دو دانوں۔ مورخوں کی تحریروں اور ہندو گرنتھوں سے دیئے گئے ہیں جین دہرم کی قدامت ثابت کی گئی ہے۔ گویا کہ جب سے یہ دنیا کا سلسلہ ہے۔ اُسی وقت سے یہ جین دہرم چلا آتا ہے۔ اور جین دہرم کی رو سے جین دہرم کا وجود انادی انت ثابت کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ اب دنیا کے مورخین و علماء کو یہ پتہ لگ جائیگا کہ جین دہرم کو ابتک قطعی غلط سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور اب انکو ماننا ہوگا۔ کہ جین دہرم محض قدیمی ہی نہیں بلکہ ازلی مذہب ہے۔ اور اسی دہرم کو آتما کا دہرم سمجھنا چاہیئے۔

اخیر میں ہم اپنے ودوان بھائیوں سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ اگر انکو کسی قسم کا شک ہو۔ یا کسی حصۂ مضمون کو غلط سمجھتے ہوں۔ تو کرپا کرکے بغیر کسی تعصب کے بذریعۂ خط و کتابت اسکو سمجھنے کی کوشش کریں۔ تاکہ اگر کوئی

مذکورہ بالا گنتی سے بہت سی باتیں نئی ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) شری کرشن جی کا زمانہ ۵۰ ہزار سال پہلے کا ہونا مانتے ہے۔

(۲) شری رامچندر جی کو ہوئے گیارہ لاکھ برس سے زیادہ ہوئے ایسا بتلایا گیا ہے۔ پونے نو لاکھ برس کا ہونا تو ہم پہلے بتلا چکے ہیں۔ چونکہ ہند کی تواریخ ابھی پورے طور پر روشنی میں نہیں آئی اس لئے ممکن ہے کہ مذکورہ بالا حوالوں کی تصدیق تاریخ کے مرتب ہوتے ہوتے زندہ شہادتوں سے ہو جاوے۔

جین گرنتھوں میں تو آیندہ اُتسرپنی کال میں ہونے والے چوبیس ترتھنکروں کے نام بھی حسب ذیل بتلا دیئے گئے ہیں۔

(۱) شری پدم ناتھ جی (۲) شری سُر دیو جی (۳) شری سپارشو جی (۴) شری سوئیگ پربھو (۵) شری سر(؟) پوبھوتی جی (۶) شری دیو شرتی جی (۷) شری اودے ناتھ جی (۸) شری پیڈال جی (۹) شری پوٹل جی (۱۰) شری ستک جی۔

(۱۱) شری منی برت جی (۱۲) شری امر جی (۱۳) شری نکشائے جی (۱۴) شری نش پولاک جی (۱۵) شری نرمم جی۔

(۱۶) شری چترگپت جی (۱۷) شری سمادھی ناتھ جی (۱۸) شری سنور ناتھ جی (۱۹) شری یشودھر جی (۲۰) شری وجے جی (۲۱) شری ملیہ دیو جی (۲۲) شری دیو چندر جی (۲۳) شری انت ویریہ جی (۲۴) شری بھدر کر جی۔

غرضیکہ ہر اُتسرپنی اور اوسرپنی کال میں چوبیس ترتھنکر ہوتے رہتے

چودھویں شری انت ناتھ جی کے ۱۰ ساگر اوپم سال کے بعد پندرھویں تھنکر شری دھرم ناتھ جی ہوئے
پندرھویں دھرم ناتھ جی کے ۳ " " سولھویں " شانتی ناتھ جی "
سولھویں شانتی ناتھ جی کے نصف پل اوپم سال کے بعد سترھویں " کنتھ ناتھ جی "
سترھویں " کنتھ ناتھ جی کے چہارم پل اوپم سال کے بعد اٹھارھویں " ارہ ناتھ جی "
اٹھارھویں " آرہ ناتھ " ایک کروڑ ایکہزار سال کے بعد اُنیسویں " ملی ناتھ جی "
اُنیسویں " ملی ناتھ " ۵۴ لاکھ برس کے بعد بیسویں " منی سبرت سوامی "
بیسویں " منی سبرت " ۶ " " " اکیسویں " نمی ناتھ جی "
اکیسویں " نمی ناتھ " ۵ " " " بائیسویں " نیم ناتھ جی "
بائیسویں " نیم ناتھ " ۵ہ ہزار برس کے بعد تیئسویں " پارشناتھ جی "
تیئسویں " پارشناتھ جی " اڑھائی صد برس کے بعد چوبیسویں " شری مہاویر "

(جین تتو پرکاش صفحہ ۲۰ سے ۲۳ تک)

بھرت کھیتر میں اوسرپنی کال کے پانچویں اور چھٹے آرہ میں اور اُلسرپنی کے پہلے اور دوسرے آرہ میں کوئی ترتھنکر نہیں ہوتے۔ مگر جین دھرم بالکل معدوم نہیں ہوجاتا۔

نوٹ پل اوپم۔ اور ساگر اوپم کا حساب دیکھنا ہو تو شری جمبو دیپ کے "کال" ادھیکار میں دیکھیں۔ جمبو دیپ کے بھرت کھیتر میں اوسرپنی اور اُلسرپنی کال کا حال مفصل طور پر ادھیکار میں ہے۔ جین دھرم میں گنتی ۱۹۴ عدد تک شمار کی گئی ہے۔ اِس کے آگے گنتی کا شمار "مثال" کے روپ میں کیا جاسکتا ہے جیسے بہت بڑے لشکر کی تعداد کو "ٹڈی دل" سے تشبیہ دی جاتی ہے وغیرہ۔ شری انویوگ دوار میں بھی گنتی کا شمار اسی طرح کیا گیا ہے۔

شری شدھ متی جی (۲۲)، شری شونگ جی (۲۳)، شری سیاندن ناتھ جی (۲۴)، شری ہمپرات جی ۔

شری ہمپرات جی چوبیسویں ترتھنکر کے بعد اٹھارہ کروڑاکروڑ ساگر اوپم کے بعد یعنی موجودہ اوسرپنی کال کے تیسرے آرہ کے خاتمہ پر ناابھی کلکر کی تپنی مرودیوی سے ورتمان چوبیسی کے پہلے ترتھنکر شری رشبھ دیو جی کا جنم ہوا

پہلے ترتھنکر رشبھ دیو جی کے ۵۰ لاکھ کروڑ ساگر اوپم سال کے بعد دوسرے ترتھنکر اجت ناتھ جی ہوئے

دوسرے ترتھنکر اجت ناتھ کے ۳۰ لاکھ کروڑ ساگر اوپم سال کے بعد تیسرے ترتھنکر سمبھو ناتھ ہوئے

تیسرے سمبھو ناتھ کے ۱۰	" "	چوتھے	ابھے نندن جی "
چوتھے " ابھے نندن کے ۹	" "	پانچویں	سمتی ناتھ جی "
پانچویں " سمتی ناتھ کے ۹۰ ہزار کروڑ	" "	چھٹے	پدم پربھو جی "
چھٹے پدم پربھو کے ۹ ہزار	" "	ساتویں	سپارش ناتھ جی "
ساتویں " سپارش ناتھ کے ۹ صد کروڑ	" "	آٹھویں	چندر پربھ جی "
آٹھویں " چندر پربھ کے ۹۰ کروڑ	" "	نویں	سبدھی ناتھ جی "
نویں سبدھی ناتھ کے ۹ کروڑ	" "	دسویں	شیتل ناتھ جی "
دسویں " شیتل ناتھ کے اکروڑ	" "	گیارہویں	شریانس ناتھ جی "
گیارہویں " شریانس ناتھ کے ۱۶ ساگر بعد	"	بارہویں	شری باسوپوج جی "
بارہویں " شری باسوپوج کے ۳۰ ساگر بعد	"	تیرہویں	شری بمل ناتھ جی "
تیرہویں " شری بمل ناتھ جی کے ۹ ساگر	"	چودہویں	شری اننت ناتھ جی "

کہ یہ اُلٹے چلتے ہیں۔ یعنی اُتسرپنی کا پہلا آرہ اکیس ہزار سال کا۔ دوسرا اکیس ہزار سال کا۔ تیسرا ایک کروڑ اکروڑ ساگراوپم میں سے بیالیس ہزار سال کم کا۔ چوتھا دو کروڑ اکروڑ ساگراوپم کا۔ پانچواں تین کروڑ اکروڑ ساگراوپم سال کا اور چھٹا چار کروڑ اکروڑ ساگراوپم کا۔ اسی طرح اُتسرپنی کال کا زمانہ بھی دس کروڑ اکروڑ ساگراوپم کا ہوتا ہے۔ گویا اوسرپنی اور اُتسرپنی کال کا عرصہ بیس کروڑ اکروڑ ساگراوپم کا ہوتا ہے۔ یہ کال چکر ہمیشہ چلتا رہتا ہے ختم نہیں ہوتا۔ ہر اوسرپنی کال میں۔ اور ہر اُتسرپنی کال میں چوبیس چوبیس ترتھنکر بھرت کھنڈ میں ہوتے ہیں۔ آج کل اوسرپنی کال کا پانچواں دُکھم آرہ گذر رہا ہے۔ جس میں سے اڑھائی ہزار سال کے قریب گذر گئے ہیں۔ اور ابھی ساڑھے اٹھارہ ہزار سال باقی ہیں۔

اِس اوسرپنی کال سے پہلے جو اُتسرپنی کال گذر چکا ہے اُسکے چوتھے آرہ میں جو چوبیس مہان ترتھنکر ہوئے تھے اُنکے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) شری کیول گیانی جی (۲) شری نروانی جی (۳) شری ساگر جی (۴) شری مہاشہ جی (۵) شری وِمل پربھو جی (۶) شری سروانوبھوتی جی (۷) شری شری دھر جی (۸) شری شری وت جی (۹) شری دامودر جی (۱۰) شری سوتیج جی (۱۱) شری سوامی ناتھ جی (۱۲) شری منی سبرت جی (۱۳) شری سمتی جن جی (۱۴) شری شوگتی جی (۱۵) شری استانگ جی (۱۶) شری نمیشور جی (۱۷) شری انل ناتھ جی (۱۸) شری یشودھر جی (۱۹) شری کرتارتھ جی (۲۰) شری جنیشور جی (۲۱)

شری جمبودیپ پنتی کے "کال" ادھیکار میں مذکورہ بالا شکل کی تشریح حسب ذیل طور پر ہے۔

الف۔ ج۔ ط۔ حصہ کو اوسرپنی کال (نشیبی دور) کہا گیا ہے۔ اور اسکے چھ حصے کئے گئے ہیں۔

الف۔ ب۔ کا نام سکھما سکھم آرہ ہے۔ جو چار کروڑا کروڑ یعنے چار × کروڑ × کروڑ ساگراوپم سال کا ہے۔

ب۔ ج۔ کا نام۔ سکھم آرہ ہے۔ جو تین کروڑا کروڑ یعنی ۳ × کروڑ × ساگراوپم سال کا ہے۔

ج۔ د۔ کا نام۔ سکھما دکھم آرہ ہے جو دو کروڑا کروڑ یعنی ۲ × کروڑ × ساگراوپم سال کا ہے۔

د۔ س۔ کا نام دکھم سکھم آرہ ہے۔ جو ایک کروڑا کروڑ یعنی ۱ × کروڑ × کروڑ ساگراوپم سال میں سے بیالیس ہزار برس کم کا ہے۔

س۔ ص۔ کا نام۔ دکھم آرہ ہے۔ اکیس ہزار سال کا۔

ص۔ ط۔ کا نام دکھما دکھم آرہ ہے اکیس ہزار سال کا۔

اِس طرح سے اوسرپنی کال کے چھ آرے کل دس کروڑا کروڑ ساگراوپم سال کے ہیں۔ اِس کال کے حصہ کو گھٹتی کا پہرا بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سکھ درجہ بدرجہ کم ہوتا جاتا ہے اور دُکھ بڑھتا جاتا ہے۔ برعکس اسکے اُتسرپنی کال کے چھ آرے بڑھتی کے پہرے کہے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں ہر ایک چیز ترقی پر ہوتی ہے۔ اِن آروں میں سے اُوسرپنی کے آروں کی نسبت یہ فرق ہے

کیمبرون ماریسن۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی ۱۹۰۹ء میں۔ جیو گرافی آف دی انڈین ایمپائر اینڈ سیلون کے صفحہ ۱۱۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ

"جین دہرم بہت پرانا دہرم ہے"

شری یت سوامی رام مصر جی شاستری اپنے بنارس کے لیکچر میں فرماتے ہیں:۔ کہ

"جین دہرم تب سے پرچلت ہوا ہے جب سے سرشٹی (دنیا) کا آرنبھ (آغاز) ہوا ہے"

جین دہرم کے متعلق جین گرنتھ

جین دہرم اس بات کو مانتا ہے کہ یہ دنیا ازلی و ابدی ہے۔ یعنے اسکی نہ ابتدا ہوئی ہے اور نہ ہی اس کا خاتمہ ہوگا۔ البتہ وقت کے لحاظ سے اسکی حالت بدلتی رہتی ہے۔ جین دہرم میں وقت کو بھی ازلی مانا ہے اور اس کو چکر خیال کیا گیا ہے۔ اس چکر کو دو برابر کے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

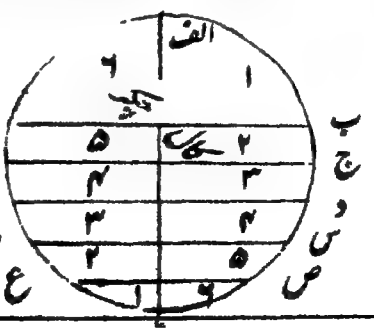

(۱) اوسرپنی کال (ترقی کا زمانہ)

(۲) اتسرپنی کال (تنزلی کا زمانہ)

and in Yáskás Nirukta.
The Colophon at end of each Pada of the Sabdanusasna name this Grammar as the work of Sakhtayana Sutakevlidesi— yacharya, as the President of the great Jain Assembly

ترجمہ: پانینی نے ساکٹائن کو زمانہ سلف کا سنسکرت قواعد کا مصنف بتلایا ہے یہی وجہ ہے کہ ساکٹائن نے پانینی کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ ساکٹائن کا نام رگ وید۔ اور یجروید میں بھی پایا جاتا ہے۔ ساکٹائن کے تصنیف کردہ قواعد شبد انوشاسن میں ہر بیت کے آخر میں اپنے آپ کو سرت کیولی اچاریہ لکھا ہے جس کے معنے صدر جین انجمن کے ہیں۔

میجر جنرل جے۔ بی۔ آر۔ فارلونگ صاحب الیف۔ آر۔ ایس۔ لکھتے ہیں:۔

"جین دھرم ہندوستان میں سب سے پرانا دھرم معلوم ہوتا ہے۔

.. ۵۰ سال قبل از مسیح کے قریب۔ اور تواریخی زمانے سے پہلے کل شمالی ہند اور شمالی مغربی حصۂ ہند پر ایک قوم دراوڑ حکمران تھی۔ اس قوم کے لوگ اکثر سانپ اور درختوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں تمام ہند میں جین مذہب موجود تھا۔ یہ ایک بڑا قدیم۔ شائستہ اور فلسفانہ مذہب ہے اور اس مذہب سے بودھ مذہب کی پیدائش ہوئی ہے۔ آریہ لوگوں کے گنگا ندی تک پہنچنے سے پہلے جینیوں کے بائیس ترتھنکر دینی تعلیم کی اشاعت کر چکے تھے۔ اس وقت دوسری مذہبی کتابوں کی ہستی بالکل نہ تھی۔

"نابھی کے پتر جگت پرسدھ (مشہور انام) راجہ رکھب دیو تھے۔ انھیں کے پتر راجہ بھرت تھے۔ جن کے نام پر یہ دیش بھارت کہلاتا ہے۔

بھارت کا دھارمک اتہاس مصنفہ پنڈت شیوشنکر میں صفحہ ۱۲ پر جین دھرم کا عنوان دیکر لکھا ہے۔

"اس دھرم کے گرنتھوں کو پڑھنے سے یہ دھرم اتیت پراچین (نہایت قدیم) اور ویدکال میں ستھاپت (قایم) ہوا۔ ایسا پرتیت ہوتا ہے۔ آدی پرش (رشبھ دیو) منو بھگوان کے ونشج (نسل میں) پرمپورت کل پتن (پرمپرت کی اولاد) نابھی نامی راج رشی کی مرودیوی نامی استری سے ہوئے۔ اُسی رکھب دیو (آدی ناتھ) پہلے تر تھنکر سے جین لوگ اسکی (اپنے دھرم کی) اتپتی (پیدایش) مانتے ہیں۔

مدراس پریذیڈنسی کالج کے سنسکرت اور کمپیریٹیو (مقابلہ کی) فیلالوجی (بھاشہ شاستر) کے پروفیسر گسٹواوپرٹ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ لکھتے ہیں

Panini refers to Sakatayana as a previous Grammarian and this supplies a reason why the latter makes no mention of the former. Sakatayana's name occurs also in the Pratisakhyas of the Rigveda and Suktas of Yajur Veda.

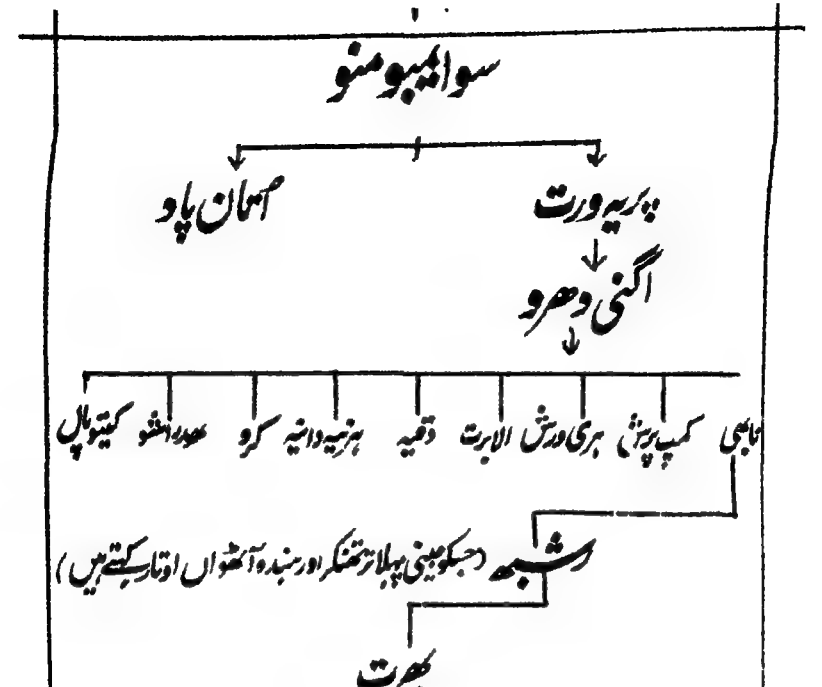

جین برتانت کلپدرم سنہ ۱۹۱۱ء مصنفہ مہرشی شیوبرت لال ورمن میں لکھا ہے کہ :- "اِس جین دھرم کی ابتدا کا کچھ پتہ رشبھ دیو سے لگتا ہے جو جینیوں میں آدی ناتھ کہلاتا ہے۔ یہ مہاتما سوایمبو منو کے پریہ ورت کل کے راجہ نابھی کا لڑکا تھا۔ ماتا۔ مرودیوی تھی۔ اِسکی پیدائش اجودھیا نگری میں بتلائی جاتی ہے۔ کسی کسی نوشت سے اِس کی جنم بھومی کیلاش دیش اور وِنیتا نگری میں کہی گئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے اوتاروں میں آٹھواں اوتار ہے۔

بھارت کا اتہاس مصنفہ شام بہاری مصر کے صفحہ ۸۹ پر لکھا ہے :-

کہ پہلے وقتوں میں جین لوگ رکھب دیو کی مورتیاں بناتے تھے۔ اور رکھب دیو اول ترتھنکر کے نام سے مشہور تھے۔

جین پردیپ جلد ۱۲ نمبر ۱۱ میں مسٹر بوک صاحب فرماتے ہیں کہ

"جین دھرم کے سب سے پہلے ترتھنکر رشبھ دیو جی ہوئے ہیں۔ انہیں کو آدی ناتھ یا آدیشور بھی کہتے ہیں۔ عام طور پر حضرت آدم بھی انہیں کو کہتے ہیں آپ کا نشان رشبھ یعنی بیل کا ہے جو ہندوؤں کے شیو جی (مہادیو) کے نادیئے بیل کی یاد دلاتا ہے۔

بھارت ورش کا اتہاس۔ پرتم کھنڈ مصنفہ شام بہاری مصر۔ ایم۔ اے ایم آر اے۔ ایس۔ اور شکل بہاری مصر بی۔ اے کے صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے:۔

"برہما نے چار منش پتر (آدمی) اُتپن (پیدا) کئے۔ ارتھات (یعنے) سادھارن ریتی (معمولی طریقہ) سے نہ اُتپن کر کے اِن کو من (خیال) سے بنایا۔ اِن چاروں نے برہما کے کہنے پر سرشٹی (دنیا) نہ چلائی۔ تب برہما نے اور دس منش پتر (آدمی) پیدا کئے۔ اِنکے علاوہ سوامبھو منو۔ اور اودکش نام کے تین اور برہم پتر ہوئے۔ اُنہیں مہاشیوں (اعلیٰ ہستیوں) سے پرسدھ (مشہور) پورانک ونش (تاریخی خاندان) ہوئے ہیں۔

اور صفحہ ۳۸ پر حسب ذیل شجرہ سوامبھو کے خاندان کا دیا ہوا ہے۔

اس منتر میں بھی ارشٹ نیمی ایک ترتھنکر کا ہی نام ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے ارشٹ (ہنسا۔ ایذا) کے لئے جو نیمی (محافظ) ہو۔ وہ ارشٹ نیمی ہے۔ اور جینیوں کے بائیسویں ترتھنکر ارشٹ نیمی نے جانداروں کی ایذا رسانی کے خلاف اہنسا دھرم کا جھنڈا بلند کیا تھا اس وجہ سے وہ اس نام سے موسوم ہیں۔

جین دھرم کے پہلے ترتھنکر شری رشبھ دیو

شری میت "کارام کرشن لڈو۔ بی۔ اے۔ پی۔ ایم۔ ڈی۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس ایم۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ایم۔ بی۔ پروفیسر سنسکرت۔ شلا۔ لیکھہ۔ گورنمنٹ کالج بنارس نے "سیاوواد مہاودیالہ" کاشی کے دسویں سالانہ جلسہ پر اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ سب سے پہلے اس بھارت ورش میں رکھب دیو نام کے مہرشی ہوئے۔ وہ دیاوان (رحمدل) بھدر پرنامی (نیک خیال) پہلے ترتھنکر ہوئے۔ جنھوں نے سمیک درشن آدی رتن تریہ (سمیک درشن۔ سمیک گیان۔ اور سمیک چارتر) کا اپدیش دیا۔ انکے بعد اجت ناتھ سے لے کر مہاویر سوامی تک ۲۳۔ اور ترتھنکر اس دھرم کا پرچار کرتے رہے

مسٹر آر۔ جے۔ اے ڈبائی نے اپنی ایک انگریزی کتاب میں جو لنڈن میں ۱۸۱۷ء میں چھپی ہے لکھا ہے کہ:۔

جین دھرم قدیم ہے۔ اور آدیشور بھگوان سے جن کو رکھب دیو بھی کہتے ہیں چار وید پرتھما نویوگ۔ کرنانویوگ۔ چرنانویوگ اور درویانویوگ) تصنیف کئے۔ اور یہ چوبیس ترتھنکروں میں سب سے پہلے ترتھنکر ہوئے ہیں۔

مغرب کے وِدوان ڈاکٹر فیرر نے متھرا کے کتبوں سے ثابت کیا ہے

شلوک کو نکالدیا ہے۔ اگر اسی مدعا سے یہ شلوک نکالدیا گیا ہے تو وہ آدمی ناظمہ جس کا اس میں ذکر ہے جینیوں کا پہلا تیرتھنکر ہی ہونا چاہیئے۔ اِس شلوک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منوسمرتی سے پہلے جینیوں کا سدھانت موجود تھا۔

رگوید میں اور بھی ایک جگہ پر کہا گیا ہے

स्वस्ति न इन्द्रो वृद्धश्रवाः स्वस्तिनः पूषा विश्ववेदाः।
स्वस्तिनस्तार्क्ष्यो अरिष्टनेमिः स्वस्ति नो बृहस्पतिर्दधातु॥
ऋग्वेद प्रथमाष्टक अ ६ व. १६.

ارتھ۔ وردھ شروا یعنے بیشمار مدح وثنا کے قابل جو اندر دیو ہے وہ ہمارا کلیان کرے۔ موجوداتِ عالم کا جاننے والا پرماتما ہمارا کلیان کرے۔ ارشٹ نیمی ہمارا کلیان کرے۔ برہسپتی ہمارا کلیان کرے۔

ارشٹ نیمی کا ارتھ سائنا چاریہ جی نے کچھ اور ہی کیا ہے۔ مگر ہم اس سے متفق نہیں۔ اصل میں ارشٹ نیمی جین دھرم کے بائیسویں تیرتھنکر کا نام ہے اور یجروید کے مترجم بھٹا چاریہ نے "ارشٹ نیمی" کا ارتھ अनूपाहंसितासु (جس کے ثبوت سے ہنسا نہیں ہوتی) دیا ہے۔ یعنی ارشٹ نیمی اُس ہستی کا نام ہے جس نے اہنسا (عدم ایذا رسانی) کا اُپدیش دیا۔ اِس ارتھ سے بھی جین دھرم کے اصول کی تائید ہوتی ہے۔

رگ وید میں "ارشٹ نیمی" کا نام اور بھی آیا ہے:۔

त्यमूषु वाजिनं देवजूतं सहावानं तरुतारं रथानाम्।
अरिष्टनेमिं पृतनाजमाशुं स्वस्तये तार्क्ष्यमिहा हुवेम॥
ऋ. अ. ८ व. ३ ६

सोऽयं वो विदधातु वाञ्छित फलं त्रैलोक्य नाथो हरिः।

جس کو شیو لوگ شو کہہ کر پاسنا کرتے ہیں۔ ویدانتی جسے برہما مانتے ہیں۔ بودھ لوگ جسے بدھ سمجھتے ہیں۔ نیائے درشن والے منطقی جسکو "کرتا" بتلاتے ہیں۔ میمانساوالے جسکو کرم مانتے ہیں۔ جینی جسے "ارہن" کہکر پوجتے ہیں وہ تر لوک پالک بھگوان ہماری ساری دلی آرزو پوری کریں۔

جین دھرم کے اولین تر تھنکر "شری رکھب دیو" کے بارے میں رگوید کے آٹھویں اشٹک میں کہا گیا ہے کہ

ऋषभं मासमानानां सपत्नानां विषा सहितम्।
इतारं शत्रूणांकुधि विराजं गोपतिं गवाम्॥ ऋग्वेद अष्टक ८ वर्ग २४

اگر چہ ہمانا چاہیئے اس منتر کی شرح کرتے ہوئے جین دھرم کے رشبھ نامی تر تھنکر کا کہیں تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن اس منتر میں رشبھ کا مفہوم جین دھرم کے پرچارک رشبھ دیو کو نہ ماننا محض اندھا ہی سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا سیدھا سچا مفہوم تو یہ ہے کہ کہ اے پرمیشور ہم جیسے عالی بار اشخاص میں رشبھ جیسے دیوتا کو پیدا کر جو غصہ وغیرہ جذبات ناقص کو زائل کر دے۔

آدی ناتھ تر تھنکر (رشبھ دیو) کا ذکر منوسمرتی میں بھی پایا جاتا ہے۔

अष्ट षष्टितीर्थेषु यात्रायां यत्फलं भवेत्।
श्री आदिनाथदेवस्य स्मरणेनापि तत्फलम्॥

یہ شلوک حال کی چھپی ہوئی سمرتی میں تو نہیں ملتا۔ مگر اسکے قدیم نسخوں میں ضرور پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جین مذہب سے تعصب رکھنے والے لوگوں نے اس

स्व एव दोषाः किल नित्यवादे विनाशवादे ऽपि समस्त एवा
परस्परध्वंसिषु कंटकेषु जयत्यदृतयं जिन शासनं ने ॥

یعنے ہر شے کو بالوجود یقین کرنے میں جو نقص عائد ہوتے ہیں وہی ہر شے کو بالعدم ماننے میں بھی آتے ہیں لیکن کسی جہت سے کسی کو بالوجود اور کسی جہت سے بالعدم ماننے والا مسلک (جین دھرم) ہمیشہ فتح نصیب ہوتا ہے۔ گویا اس اصول پر کسی قسم کا کوئی نقص آ ہی نہیں سکتا۔

سری نیم چند آچاریہ نے ارہم لفظ کی وضاحت اس طرح پر کی ہے۔

अकारेण भवेद्विष्णा रेफो ब्रह्मा व्यवस्थितः।
हकारेण हर प्रोक्त स्तस्यान्ते परमं पदम्॥

اکار اَ سے وشنو کا لیف (ر) سے برہما اور ہا (ہ) سے ہر کا سروپ سمجھکر سب کے انت میں پرم پد کہا گیا ہے۔

مہادیو ستوتر میں بھی ایک شلوک ہے۔

भवबीजांकुर जनना राद्याः क्षयमयगता यस्य।
ब्रह्मावा विष्णुर्वा हरो जिनोवानमस्तस्मै॥ इतिमहादेवस्तोत्रे॥

ارتھ سنسار بیج کے انکر کو اتپن کرنے والے راگ دویش آدی وکار جس کے نشٹ ہو گئے ہیں وہ چاہے برہما ہو۔ یا ہر ہو۔ یا جن روپ ہو اسکی سیوا میں میرا نمسکار ہو

यं शैवाः समुपासते शिव इति ब्रह्मेति वेदान्तिनो
बौद्धा बुद्ध इति प्रमाण पटवः कर्तेति नैय्यायिकाः॥
अर्हन्नित्यथ जैन शासनरताः कर्मेति मीमांसकाः।

بتلائیں گے کہ ویدوں میں "ارہم - ارہن" وغیرہ لفظ جین تیرتھنکروں کے لئے ہی استعمال کئے گئے ہیں۔

شری نیت وروپاکش وڈیر پروفیسر سنسکرت کالج مدراس "جین سدھانت بھاسکر" جلد ۱ نمبر ۲ کے صفحہ ۳۸ پر "جین دھرم میمانسا" کی سرخی سے ایک مضمون میں حسب ذیل حوالہ دیتے ہیں۔

ایرشا - دویش کے کارن دھرم پرچار کو روکنے والی وتی کے رہتے ہوئے جین شاستر کبھی پراجت نہ ہو کر سروتر وجیئی ہی ہوتا رہا ہے۔ اس پرکار جس کا ورن ہے "ارہن دیو" ساکھشات پرمیشور (وشنو) سروپ ہیں۔ اس کے پرمان بھی آریہ گرنتھوں میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارہن پرمیشور کا ذکر ویدوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے

अर्हन्बिभर्षिसायकानि धनुरर्हन्निष्कं यजतं विश्वरूपम्।
अर्हन्निदं दयसे विश्वमभ्वं न वा ओजीयो रुद्र त्वदस्ति॥

اگرچہ اس منتر کی توضیح میں سائنا چاریہ مہاراج نے لفظ ارہن کا ترجمہ بدھ کیا ہے لیکن مفہوم و مطلب کے لحاظ سے انکا ترجمہ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ انہیں سائنا چاریہ جی نے سروودیشن سنگرہ نامی گرنتھ میں جین دھرم کو خود ارہت دھرم لکھا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ویدوں کی تصنیف سے قبل جین دھرم۔ یا ارہت دھرم عالم وجود میں تھا۔

اسی منتر کو پیش نظر رکھکر ایک مشہور مصنف ملی سین نے جین دھرم کا ذکر حسب ذیل طریقے پر دیا ہے۔

پر لکھا ہے۔ "لوگوں کا خیال ہے کہ جینیوں کی ابتدا مہابھارت کے بعد ہوئی ہے یہ غلط خیال ہے۔ اگر جین بالکل نئے ہوتے تو میمانسا۔ سانکھیہ وغیرہ شاستروں میں انکے مسائل کی بحثیں نہ ہوتیں۔

ویدوں میں بھی جین دھرم کا ذکر ہے

رگوید کے نویں منڈل میں ستری رکھب رشی کا نام ہے۔ اور دسویں منڈل میں بھی نام آیا ہے۔ بھارت ورش کا اتھاس پرتھم کھنڈ مصنفہ پنڈت شام بہاری مصر ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اور شکل بہاری مصر بی۔ اے۔ میں صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ ادھیائے ۱۸ سکت ۱۰ منتر میں ستری رکھب دیو جی کا نام آیا ہے جنہوں نے جین دھرم کو چلایا۔

یجروید۔ ۲۵ شلوک ۱۹ میں جین ترتھنکر رشبھ دیو۔ اور اجت جی (جینیوں کے دوسرے ترتھنکر) کا نام آتا ہے (ستیا کھنڈن)

اخبار جین پردیپ۔ جلد ۱۲۔ نمبر ۱۱ صفحہ ۵ پر مسٹر بودک صاحب کا ایک مضمون چھپا ہے کہ رگوید میں جین دھرم کا ذکر ضرور موجود ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ جین دھرم ویدوں کا ہمعصر تو ضرور ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ اس سے بھی قدیم ہو۔

واضح ہو کہ جین ترتھنکروں کو۔ اری ہنت۔ ارہنت۔ جن۔ جینیدر۔ ادھن وغیرہ شبدوں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جینیوں کے نمو کار منتر میں ترتھنکروں کو اس طرح نمسکار کیا گیا ہے۔ مثلاً نموا ری ہنتانانگ یعنی ارہنتوں کو نمسکار ہو۔ اب ہم

یجروید۔ سام وید۔ اور اتھروں وید۔ اِس اچھیا سے تصنیف کئے کہ اگر دنیا کے لوگ تھوڑی عمر ہونے سے سب وید نہ پڑھ سکیں تو کیول ایک وید پڑھ کر ہی بھوساگر سے پار ہو جائیں۔ جب بیاس جی نے چار وید بنا کر استری کو وید پڑھانا اُچت نجانا تب اُنہوں نے اُن ویدوں کا سار نکالکر مہابھارت اور ستروپُران بنائے۔ جس کا پڑھنا سہج ہو کر سب چھوٹے بڑے شودر اور استری آدک اِس کے سننے سے بھوساگر پار اُتر جائیں۔

اِسی طرح صفحہ ۸۶ پر لکھا ہے "نارائن بھگوان نے اکیسواں اوتار وید بیاس جی کے روپ میں لیکر سنساری جیووں کو سنسار ساگر سے پار اُتارنے کے لیے چار وید اور مہابھارت وغیرہ اٹھارہ پران بنائے۔

شریمد بھاگوت پران کے اِس بیان نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا یعنے یہ کہ آٹھویں اوتار شری رشبھ دیو جی پہلے ہوئے جنہوں نے جین دھرم کو چلایا۔ اور اکیسویں اوتار شری وید ویاس جی پیچھے ہوئے۔ جنہوں نے وید اور پُران بنائے یعنے جین دھرم پہلے ہوا۔ اور وید پیچھے بنے۔

شری یت مہا جو پادھیائے ستیہ سمپردایا چاریہ پنڈت سوامی مہیم جی شاستری سابق پروفیسر سنسکرت کالج بنارس نے سمت ۱۹۶۲ میں بنارس شہر میں ویاکھیان دیا تھا۔ اِس میں فرمایا تھا کہ۔

"مجھے اس میں کسی پرکار کا عذر نہیں ہے کہ جین درشن ویدانت آدی دَرشنوں سے پہلے کا ہے۔"

"جین برتانت کلپدرم" ادھیاتما شیو برت لال جی مطبوعہ ۱۹۱۱ء کے صفحہ ۶

میں ظاہر کی۔

سکندھ پہلا۔ ادھیائے ۳ صفحہ ۲۶۔۲۷ پر چوبیس اوتاروں کے حسب ذیل نام سلسلہ وار دیئے ہیں۔ (۱) سنت کمار (۲) باراہ جی (۳) جگیہ پرش (چترجھجی) (۴) نرسیو اوتار (سب جسم آدمی کا اور سر گھوڑے کا) (۵) نارائن (۶) کپل دیو منی (۷) دتاتریہ (۸) رشبھ اوتار (۹) راجہ پرتھ (جو راجہ پتھ کے شریر متھنے سے پیدا ہوا) (۱۰) مچھ اوتار (۱۱) کچھ اوتار (۱۲) دھنونتری اوتار (۱۳) منموہن (یعنی موہنی مورت دھار کر دیتوں کو موہت کرنیوالا) (۱۴) نرسنگھ اوتار (۱۵) باون اوتار (۱۶) ہنس اوتار (۱۷) نارد جی۔ (۱۸) ہری کرشن اوتار (۱۹) گجیندر کو گراہ کے منہ سے چھڑانیوالا (۲۰) پرشرام اوتار (۲۱) شری رامچندر (۲۲) بید ویاس (۲۳) شری کرشن (۲۴) بودھ (۲۴) کلنکی۔

اِس فہرست سے صاف ظاہر ہے کہ رشبھ دیو جی آٹھویں ہندو اوتار ہیں اور وید ویاس جی اکیسویں اوتار ہیں۔ گویا کہ وید ویاس جی رشبھ دیو جی سے بہت پیچھے ہوئے۔

اسکندھ پہلا۔ ادھیائے ۴، صفحہ ۲۵ پر ہندو پرانوں کی تصنیف کا اس طرح پر ذکر ہے کہ نارائن کے اوتار بیاس جی نے سرسوتی ندی کے اشنان کر کے پرمیشور کے دھیان میں اکیلے بیٹھ کر بچار کیا کہ دیکھو کلجگ باسی بڑے بدنصیب اور مورکھ ہیں جو ایسی سنگت نہیں کرتے۔ جس میں گیانی ہو کر پرمیشور کو پہچانیں۔ جو بات گیان کی سنتے ہیں وہ بھی قبول نہیں کرتے سدا آلس (سستی) میں رہ کر سنساری ترشنا (خواہشات دنیاوی) کو نہیں چھوڑتے۔ یہ بات بچار کر ہمارے گورو نے رگوید۔

لغایت ۱۱ میں لکھا ہے کہ

"مہاپرلے کے بعد جب چاروں طرف جل ہی جل ہو کر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اُس وقت وہ آدیش شیش ناگ کی چھاتی پر شین کرتے تھے۔ اِسکی نابھی سے ایک کنول کا پھول نکلا۔ اِس پھول کی نال سے برہما جی پرگٹ ہوئے اور اس پھول پر آ بیٹھے۔ برہما جی نے اپنے داہنے انگ سے سوایمبو منو نام کا ایک پُرش اور بائیں انگ سے ست روپا نام کی استری پیدا کی۔ اِن دونوں کا بیاہ کر دیا۔ اور کہا کہ آدمی پیدا کرو۔ سوایمبو منو کے ہاں پریہ ورت بیٹا ہوا۔

سکندھ ۵۔ ادھیائے ۱۔ ۲۔ ۳۔

پریہ ورت نے نشانتی اور برکھ مئی سے شادی کی۔ پہلی سے تین لڑکے اور دوسری سے اگنی دھرو وغیرہ کئی لڑکے پیدا ہوئے۔ پریہ ورت کے تارک الدنیا ہونے کے بعد اس کا بیٹا اگنی دھر راج کا مالک ہوا۔ اُس نے پورب جمتی اپسرا سے بیاہ کیا۔ جس سے نابھی وغیرہ نو لڑکے پیدا ہوئے۔ اگنی دھر نے جمبو دیپ کے ۹ حصے کئے اور نابھی کو بھرت کھنڈ کا راج دیا۔

نابھی نے اپنی زوجہ مرو دیوی کو ساتھ لیکر اولاد کی خاطر جنگل میں تپشیا کی۔ نارائن نے خوش ہو کر وردیا۔ کہ ہم تمہارے ہاں خود اوتار لیں گے۔ چنانچہ رشبھ دیو نے اوتار لیا۔ اندر نے اپنی لڑکی سے رشبھ دیو کی شادی کر دی۔ اِس سے بھرت وغیرہ سو لڑکے پیدا ہوئے۔

(سکندھ ۲۔ ادھیائے ۷ صفحہ ۷۷)۔ نارائن نے ہی رشبھ دیو کے روپ میں آٹھواں اوتار لیکر شراوگیوں اور جین دھرمیوں کی ذات دنیا

स्मरणेनापि तद्भवेत॥

ترجمہ۔ آدی ناتھ دیو کا نام یاد کرنے کا اسقدر پھل ہے جتنا کسی تیرتھ کی اڑسٹھ مرتبہ زیارت کرنے کا ثواب ہو سکتا ہے۔

سکندھ پران۔ پربھاس پران۔ برھمانڈ پران وغیرہ پرانوں میں بہت سے شلوک ملتے ہیں۔ جن میں شری رکھب دیو جی پہلے ترتھنکر اور شری نیمناتھ جی بائیسویں ترتھنکر اور اسی طرح دوسرے ترتھنکروں کے نام آتے ہیں۔ چونکہ پران شری وید ویاس جی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس واسطے ہم نے مذکورہ بالا شلوک درج کرکے ویدویاس جی کے زمانہ میں جین دھرم کا ہونا ثابت کیا ہے۔ مذکورہ بالا دو شلوکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وید ویاس جی نے بھی جین دھرم کے اولین ترتھنکر کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ مسلمہ طور پر پران سے پہلے ہو چکے ہیں۔ اسکے علاوہ شانتی پرب موکش دھرم کے ادھیائے ۲۳۹ شلوک ۶ میں جینیوں کے سپت بھنگی نیائے اور سیادواد کا ذکر ہے۔

اور بھگوان وید ویاس نے برہم سوتر میں لکھا ہے کہ नैकस्मिन संभवात یعنی "دو مترادف باتیں ناممکن ہیں" یہ بھی جین سیادواد پر ایک حملہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وید ویاس جی کے وقت بھی جین دھرم تھا۔ اور اس کے سیادوادی اصولوں کا کافی پرچار تھا۔

شری بھاگوت پران میں شری رشبھ دیو جی کا ذکر خیر

ہندو دھرم کے مستند گرنتھ شریمد بھاگوت پران سکندھ ۵۔ ادھیائے ۶

دیتے ہیں کہ جین دھرم ایک بہت پرانا دھرم ہے۔ جیسا کہ مندرجۂ ذیل حوالجات سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) مہابھارت کے آدی پرب کے ادھیائے ۳ شلوک ۲۷-۲۶- میں ایک جین سادھو کا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲) شیو پران میں ایک سادھو کا ذکر آیا ہے جس کے منہ پر کھ بستر کا دکھ تی ہوتی ہے

मुंड मलिनवस्त्रं च कुंडी पात्रसमन्वितः॥ दधानः पुंजिका हस्ते चालयंतः पदे पदे॥ हस्ते पात्रं दधानश्च तुण्डे वस्त्रस्य धारकाः। मलिनान्येव वासांसि धारयंतोऽल्प भाठिणः॥

یعنے نشان کئے ہوئے جین بستر ہاتھ میں پاترے یعنی لکڑی کے برتن۔ اور رجوہرن دھارن کرنے والے۔ راستوں میں گھومنے والے۔ کمنڈل یکت منہ پر پٹی باندھے ہوئے تھوڑا بولنے والے۔ جین بستر دھارن کرنے والے۔

یہ نشانیاں تقریباً جین سادھوؤں کی ہیں۔

اسی شیو پران میں مندرجہ ذیل شلوک پایا جاتا ہے۔

कैलाशे पर्वते रम्ये वृषभोऽयं जिनेश्वरः चक्रा स्यादनारंयः सर्वज्ञः सर्वगः शिवः॥ १॥

ارتھ۔ کیلاش پہاڑ پر رہنے والے برشبھ دیو جینیدر بھگوان کا یکایک ظہور ہوا۔ اور وہ اکیلا ہی سرکل ہو کر زندہ جاوید (جیون مکت) ہو گئے۔ انہیں کو شو کہتے ہیں۔

ناگ پران میں ایک شلوک ہے جو "تنوزنے پرساد" گرنتھ سے نقل کیا جاتا ہے

अष्ट चत्वारिंशतीर्थेषु यात्रायां यत्फलं भवेत। आदिनाथस्यैकस्य

بعد اجو دہیا میں شری رامچندر جی ہوئے ہیں۔ شری رامچندر جی نے شری منی سبرت بھگوان کو ہی اپنا معراج بنایا تھا۔ اور بالآخر شری رامچندر جی نے بھی جین دکشا لیکر سخت ریاضت کی اور نجات پائی۔

پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر اپنی کتاب کلیات آریہ مسافر مطبوعہ ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں کہ شری رامچندر جی ترتیا اور دواپر کی سندھی میں ہوئے۔

اِس حساب سے دواپر کے آٹھ لاکھ چوسٹھ ہزار سال۔ کلجگ کے ۱۹۲۷ ایک ۱۳۱ ۵ پانچ ہزار اکتیس سال، کل آٹھ لاکھ اٹھتر ہزار اکتیس سال ۸۶۹۰۳۱ سال ہوئے۔ جبکہ دواپر اور ترتیا کی سندھی شروع ہوئی۔ شری رامچندر جی اِس سندھی کے درمیان ہوئے۔ اِس لیے ٹکوہوئے آٹھ لاکھ اٹھتر ہزار اکتیس سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں شری منی سبرت سوامی کو نروان حاصل کئے اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ ہو گیا۔ گویا جین دھرم کے بیسویں ترتھنکر شری منی سبرت سوامی کو ہوئے آٹھ لاکھ ستر ہزار سال کے قریب ہوئے۔ اور کہ منی سبرت سوامی جی سے پہلے اُنیس ترتھنکر اور جین دھرم کا پرچار کر چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جین دھرم شری رامچندر جی سے پہلے کا ہے۔

جین دھرم برہمن دھرم کی بھی شاخ نہیں ہے

بعض مورخوں اور مشرقی عالموں نے جین مذہب کو برہمن مذہب کی شاخ بتلانے میں فاش غلطی کی ہے۔ کیونکہ برہمن دھرم اور جین دھرم کے اصولوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہندو دھرم کے شاستر گرنتھ اور پران اس بات کی شہادت

دیتے ہیں کہ جین، ظاہر کی ہے کہ مجھے وہ درجہ حاصل ہو کہ انسانیت قطعی نہ رہے۔ جیسے سے معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ نہیں ہوا۔ ایسی ہی میری حالت ہو جائے۔

(۱) جہاں لفظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شری رامچندر جی نے ترک انسانیت کے جین سادھو کو ہی جینیندر بھگوان کو اپنا معراج بنایا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ "جینیندر"

(۲) شوپہ پاکران یعنی گرام کی رو سے جینیندر اسکو کہتے ہیں جو کرم روپی دشمنوں کو ہوتی ہے [illegible] نے حواس اور دل پر قابو پا لیا ہو اُسکے مسلک کا نام جین مت ہے اور ॥ डिवम्बस्य ابلاتا ہے۔ سنسکرت علم ادب کی قواعد کی جسقدر کتابیں ہیں تمام اسکی ॥ ठिणः ॥ کرتی ہیں۔ اسکے علاوہ مٹر پارتھ مین کی ابتدائی تاریخ بمبئی مطبوعہ یعنے نشان کہ ۲۰ پر بھی لکھا ہے۔

رجیہ ران وہاں دہرم ہدھ دہرم سے ذرا پہلے ہوا۔ جین "جن" لفظ سے بنا ہے جس کے بنا ہے ہوئے رشی کے ہیں۔ یعنی جنہوں نے اپنے آپ کو اور خواہشات کو جیت لیا ہو۔ یہ نشان بھی جو سر پر آوردہ ہستی ہوتی ہے اُسکو "جینیندر" کہتے ہیں۔ گویا اسی نے ترتھنکر ہیں۔ چنانچہ جین آچاریہ بھی اس لفظ جینیندر کو ترتھنکر کے معنوں لے رہے ہیں۔ वतारंयः

حوالوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شری رامچندر جی نے بھی کسی ارہنتھ۔ اپنا ترتھنکر بھگوان کو ہی اپنا معراج بنایا تھا۔ جو اس وقت موجود ہونگے بھارت کھنڈ میں جاوینگے۔ اور اُنکے زمانے میں جین دھرم کے اصولوں کا پرچار ناگ پاش سے ہو رہا ہوگا۔

آدی ناتھ سے شری منی سبرت سوامی (بیسویں ترتھنکر) سے کچھ عرصہ

چونکہ ہندوؤں کے خیال کے مطابق مہاراج کرشن کو گذرے پانچ ہزار ہی منی سبرت ہوگیا ہے اس واسطے یہ ثابت ہوا کہ جین دھرم پانچ ہزار سال سے بھی جین دکشا کیونکہ شری نیمناتھ جی جین دھرم کے بائیسویں ترتھنکر تھے۔

شری رامچندر جی مہاراج کے وقت جین دھرم ۱۹۰۴ء کے

ہندوؤں کا سب سے پرانا اور مستند گرنتھ یوگ وششٹھ کا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۷ء کا بتاتا ہے کہ یہ گرنتھ شری رامچندر جی کے زمانہ میں تصنیف ہوا تھا۔ جین ۸۶۹۰۳۱ دیباچہ میں لکھا ہے کہ۔

جی اس سندھی

"یہ گرنتھ مہرشی بالمیکی جی نے زبان کیا اور شری وششٹ جی سال سے زبانی رگھوبنس منی شری رامچندر جی کو اس کا اپدیش کیا۔ مل گئے اس سے

اس گرنتھ کا ہندی ترجمہ جو سیٹھ کھیم راج شری کرشن پریس بمبئی سوامی میں بکرمی سمت ۱۹۶۲ میں چھپا ہے اس کے صفحہ ۳ پر جہاں ویراگ پرکرن شروع ہوتا ہے اس سے پہلے کی بڑائی کی گئی ہے لکھا ہے

جین دھرم شری

"جب نیشور پر دکھ کا کارن اہنکار ہے۔ جب اہنکار کا ناش

دکھ کا بھی ناش ہو جاویگا نیشور اجو میں رام ہوں سو میں ہوں۔ اور

کاہے تے جو میں نہیں۔ تو پھر اچھیا کس کی ہو اور اچھیا سو ہوئی

ئی پراپتی ہووے۔ جیسے جینندر کو اہنکار کا ان ہوا ہوا جین مذہب کی شاخ

ایسی مجھ کو اچھیا ہے"۔

دھرم کے اصولوں میں

مذکورہ بالا حوالہ میں شری رامچندر جی مہاراج نے جن اس بات کی شہادت

بند کر رکھے تھے۔ وہاں پر جا کر جب شری نیم کمار جی کو اس کا پتا لگا تو افسوس کیا۔ کہ میرے بیاہ کی خاطر اسقدر جانور مارے جاوینگے۔ رحم کا جذبہ موجزن ہوا۔ فوراً رتھ کو پیچھے موڑ لیا۔ ہاتھ کا کنگنا توڑ دیا۔ گزار پربت پر جا کر ریاضت شروع کر دی۔ وہیں سے نجات حاصل کر لی۔ آپکی یادگار میں ایک نہایت عالی شان اور خوبصورت مندر بنا ہوا ہے جو ہندوستان کی مشہور اور قابلِ دید عمارات میں شمار کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی تعمیر میں اکیس کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔

شجرہ

سورسین راجہ والئے سوریہ پور

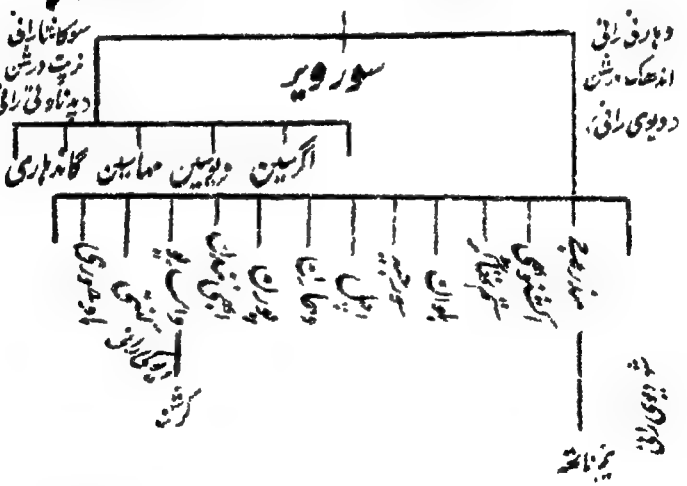

(از آفتاب جبن ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۵ صفحہ ۱۲)

مانتے ہیں جن میں سب سے آخری پارشناتھ جی کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ان کا ایسا ماننا ٹھیک ہے کیونکہ یہ آخری ہستی (پارشناتھ) پورانک نہ ہوکر کچھ دھک ہے یعنی محض مذہبی شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی رکن بھی ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مہاویر سوامی جین دھرم کے چلانے والے نہیں تھے۔ بلکہ شری پارشناتھ جی نے جین دھرم کا پرچار کیا۔ جو کہ ۲۳ ویں ترتھنکر مانے جاتے ہیں۔ اب ہمکو یہ ثابت کرنا ہے کہ پارشناتھ جی سے بھی پہلے جین دھرم موجود تھا۔ واضح ہے کہ جین دھرم کے چوبیس ترتھنکروں میں سے شری رشبھ دیو سوامی بیسویں شری منی ناتھ جی اکیسویں۔ اور شری ارشٹ نیمی جی بائیسویں ترتھنکر تھے۔

شری کرشن مہاراج جی کے وقت جین دھرم

شری پارشناتھ جی سے پہلے بائیسویں ترتھنکر شری نیم ناتھ جی ہوئے ہیں۔ یہ شوری سمدر وجے راجہ کے فرزند ارجمند تھے۔ و شری کرشن جی مہاراج کے چچا زاد بھائی تھے۔ جیسا کہ سب ویل شجرہ سے ظاہر ہوگا۔

جین شاستروں میں شری نیم ناتھ جی کا ذکر اس طرح ہے کہ یہ شری سمدر وجے راجہ کے لڑکے شیو دیوی رانی کے بطن سے شادی شدہ چھٹے کو پیدا ہوئے چھوٹی عمر سے ہی بڑے بلوان تھے۔ جب جوان ہوئے تو کرشن جی نے ان کی شادی راجہ اگرسین راجے جونا گڑھ کی لڑکی راجمتی سے طے کر دی۔ جب انکی برات پڑھی تو راجہ اگرسین نے براتیوں کے کھلانے کے لئے بہت سے جانور پکڑ کر

پارشناتھ جی سے شروع ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن دو سو سال بعد ورد ھمان (ناتی پتر) نے اس کا اچھی طرح پرچار کیا۔

(۱۴) **دی نیو والیوم آف دی این سائیکلوپیڈیا برٹنیکا** جلد ۲۹ کے دسویں ایڈیشن میں صفحہ ۶۶۲ پر لکھا ہے۔

"یہ اب یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ جین دھرم بدھ کے وقت سے بہت پہلے کا ہے اور مہاویر نے اسکو ترتیب دیا۔ جو بودھ کا ہمعصر تھا۔"

(۱۵) **سر ولیم ولسن** کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ اے۔ (آکسفورڈ) ایل۔ ایل۔ ڈی (کیمبرج) ۱۹۰۰ء میں اپنی کتاب کے صفحہ ۸۳ پر لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کے جین عام طور پر سوداگر یا ساہوکار ہیں۔ وہ بہت دان دیتے ہیں۔ اور حیوانات کے ہسپتال بنانے میں بڑی مدد کرتے ہیں۔ وہ حوالوں سے ثابت کرتے ہیں کہ جین دھرم بودھ دھرم سے پرانا ہے۔ بلکہ بدھ کی تعلیم بھی جین دھرم ہی کی بنیاد پر رکھی گئی ہے۔"

(۱۶) انگریزی کتاب **دنیا کے مذاہب** مصنفہ مسٹر بان مرڈک صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ مطبوعہ ۱۹۱۰ء میں صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے

"جین دھرم بہت کچھ بودھ دھرم سے ملتا ہے۔ جین دھرم غالباً پہلے شروع ہوا ہے۔ یہ غالباً پارشناتھ جی نے چلایا ہے۔ جو کہ بدھ سے تقریباً دو سو سال پہلے ہوئے مہاویر نے اس دھرم کو ترقی دی۔ جو کہ بدھ کا ہمعصر تھا۔"

(۱۷) **ہارمس ورتھ** صاحب کی ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۸ پر لکھا ہے۔ "جین ناتی پتر (شری مہاویر ورد ھمان) سے بھی پہلے کتنے ترتھنکروں کا ہونا

(۱۰) **بھارت کا دھارمک اتہاس** مصنفہ پنڈت شیوشنکر جین دھرم کے بارے میں صفحہ ۱۲۳ پر لکھتا ہے۔

"پرنتو جب دھرم کی سرشٹی ہوئی۔ تب اس دھرم (جین دھرم) کا پرچار رک گیا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد جین دھرم کے انتم ترتھنکر مہاویر سوامی کا پراوربھاؤ ہوا۔ انہوں نے بودھ دھرم کے آچاریہ سے بہت مباحثہ کرکے انکو پراجت کیا یعنی جیتا۔ اور جین دھرم کی چھر سے پران پرتشٹھا کی۔

(۱۱) **پنجاب کے** دو دوان مسلمہ لیڈر لالہ لاجپت رائے جی اپنی بھارت درش کا اتہاس نامی کتاب میں رقمطراز ہیں :۔

"مہاویر جی مگدھ دیش کے رہنے والے تھے۔ وہ جین عام اشتباب میں ترک دنیا کرکے پارشناتھ کی جماعت میں شامل ہوگئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہاویر سے پہلے نمری پارشناتھ کی سمپردائے موجود تھی۔

(۱۲) جین بزنانت کلپدرم کے مصنف مہاتما شیوورت لال جی صفحہ ۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"مہاویر سوامی جینیوں کے چوبیسویں اور آخری ترتھنکر تھے۔ ان کا ظہور پارشناتھ جی سے اڑھائی سو برس بعد ہوا تھا۔ اور صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں۔ پارشناتھ جی چوبیس ترتھنکروں میں سے ۲۳ ویں تھے۔

(۱۳) **مسٹر ڈف۔ ڈبلیو۔ ڈی** اپنی کتاب سینچری ڈکشنری آف دی انگلش لینگویج لندن ۱۸۸۰ء صفحہ ۳۲۱ میں لکھتے ہیں۔

"جین مذہب انکی اپنی کتب مقدسہ کی رو سے ۷۰ سال قبل مسیح سنسکرت

(۸) **بھارت ورش** کے یگانہ مہاراشٹر کے ایک چمکتے ہوئے ستارے مشہور عالم فرمانیہ پنڈت بال گنگا دھر تلک مہاراج نے اپنے اخبار "مہندی کیسری" ۱۹۰۴ء کے نمبر ۱۳ میں جین دھرم کے متعلق لکھا ہے۔

"یہ تو سدھ ہی ہے کہ جین دھرم ۲۶ برس قبل از مسیح شروع ہوا۔ مہاویر سوامی جین دھرم کو دوبارہ پرکاش میں لائے۔ اس بات کو آج چوبیس سو برس گذر گئے ہیں۔ کہ بودھ دھرم کی ستھاپنا کے پہلے جین دھرم چل رہا تھا۔ یہ بات وشواش کرنے یگیہ ہے چوبیس ترتھنکروں میں مہاویر سوامی آخری ترتھنکر تھے۔ اس سے بھی جین دھرم کی پراچینتا جانی جاتی ہے۔ بودھ دھرم پیچھے سے ہوا۔ یہ بات نشچت ہے۔

اس شہادت کی موجودگی میں کیا کوئی اور حوالہ درکار ہے؟

(۹) **ہندوستان** کے مشہور و معروف اخبار **ٹائمز آف انڈیا** کے بیش بہا و قابل قدر خاص نمبر ۱۹۲۲ء میں مسٹر بوک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اب میں چند الفاظ میں اپنے ذاتی خیالات اس قدیم مذہب کی نسبت بیان کرونگا جین دھرم بودھ مت کی پیدائش سے بھی پہلے موجود تھا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ بودھ مت جین مت کی ایک شاخ ہے۔ جینیوں کے سب سے آخری اور چوبیسویں ترتھنکر شری مہاویر جی (بردھمان جی) ہوئے ہیں۔ انکے نجات پانے کی تاریخ ۵۲۷ سال قبل از مسیح ہے۔ اور گوتم بودھ کپل وستو میں ۵۵۷ سال قبل از مسیح پیدا ہوئے تھے۔ مہاویر بھگوان کی عمر ۷۲ سال کی ہوئی ہے۔ گویا گوتم بدھ کی پیدائش کے وقت آپ کی عمر قریب ۴۲ کے تھی۔ جیسا کہ خود مہاتما بدھ کی سوانحعمری میں مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ گھر سے نکلنے کے بعد مہاتما بدھ نے اہنسا دھرم کی تعلیم مہاویر سوامی ہی سے حاصل کی ہو۔

۱۷۰ سال قبل از مسیح سمید سکھ بہادر موکش حاصل کی جسکی یادگار میں یہ پہاڑ ابتک پارسناتھ ہل کے نام سے مشہور ہے ڈرکٹ جین دہرم اردو

(۶) پروفیسر من موہن۔ ایم۔ اے۔ و پروفیسر عبدالمجید خان۔ ایم اے اس بات کی تائید اپنی تاریخ ہند حصہ اول کے صفحہ ۷۵ پر اس طرح کرتے ہیں۔

"جس زمانے میں بدھ اپنے مت کا اپدیش دیتا تھا انہیں ایام میں ایک اور مذہب جینی جین مت بھی ہندوستان میں جڑ پکڑ رہا تھا۔ اس کا بانی ورد ہمان یا مہاویر قریباً ۵۰۰ برس قبل از مسیح وسالی کے راجہ سدھارتھ کے ہاں پیدا ہوا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اُسنے دنیا چھوڑ کر گوشہ عافیت اختیار کر لیا۔ دنیا سے بیزار ہو کر ایک سادھوؤں کے فرقہ میں داخل ہو گیا۔ جو تقریباً تین سو سال سے وسالی میں قائم تھا۔ دنیاوی چیزوں سے اسے اسقدر نفرت ہوئی کہ اس نے اپنے تن بدن سے کپڑے بھی اُتار کر پھینک دیئے۔ آخر کار وہ اپنے خیال میں سدھ ہو گیا۔ اُسکے انتقال کی تاریخ ۵۲۷ برس قبل از مسیح بتاتے ہیں۔ شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہ مذہب بودھ مت کی شاخ ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

(۷) بمبئی سے ایک اخبار جین ہتیشی نکلتا تھا۔ اسکے بارہویں سال کے نویں اور دسویں نمبر میں ابھاکش سرکار۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ایک بنگالی عالم نے جین درشن یا جین دہرم کی سرخی سے ایک مضمون چھپوایا ہے جس میں لکھا ہے کہ۔

"یہ اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ جین دہرم بودھ مت کی شاخ نہیں ہے۔ مہاویر سوامی جین دہرم کے سنستھاپک (بانی) نہیں ہیں۔ انہوں نے محض پراچین (قدیم) دہرم کا پرچار کیا ہے۔"

نے بمقام اڈیار (مدراس) تھیوسافیکل سوسائٹی کے اٹھیسویں سالانہ جلسہ کے موقعہ پر دیا تھا اور جسکو انہوں نے کتابی شکل میں "دی ریلیجیس پرابلم آف انڈیا" کے نام سے شائع کیا ہے یوں بیان کرتی ہیں۔

"جینی اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن زندگی کی پاکیزگی کے اعتبار سے وہ سب سے برتر ہیں۔ اگرچہ پہلے یہ خیال تھا کہ جین دھرم بودھ مت سے نکلا ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں ہے۔ اگرچہ دونوں مذہبوں میں کئی ایک باتوں میں مشابہت ہے۔ مگر ان دونوں میں فرق بھی بہت سا ہے۔ اور میں یہ کہنے کی جرأت کر سکتی ہوں کہ جین دھرم بودھ دھرم سے بہت پرانا ہے۔ اس کا آخری اوتار (مہاویر) شاکی منی گوتم کا ہمعصر ضرور تھا۔ مگر وہ صرف آخری اوتار تھا جس نے اس دھرم کو نئے سرے سے سرسبز کیا وہ اس کا موجد یا جاری کنندہ نہیں تھا۔"

(۴) بودھ دھرم کے ایک شاستر "دکھ نکائے" "سمن پھل ست" میں شری پارشناتھ جی کے چار جین دھرم کے ۲۳ ویں ترتھنکر تھے چار مہاورتوں کا حوالہ دیا ہوا ہے۔

(۵) بنگال کے ضلع ہزاری باغ میں ایک پہاڑ ہے جس کا انگریزی نام "پارشناتھ ہل" ہے۔ جینیوں میں اس کا نام سمید شکھر مشہور ہے۔ جین دھرم کے تئیسویں ترتھنکر بھگوان پارشناتھ جی ۸۷۷ سال قبل از مسیح نہایت خوبرو۔ خوش وضع اور عالی حوصلہ ہوئے اُنکے والد ماجد راجا شوسین کا پایہ تخت بنارس تھا۔ اُنکے عہد سلطنت میں پارشناتھ جی نے شاہانہ فتوحات اور بلند اقبالی سے کالنگ دیش کا تمام علاقہ اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ تیس سال کی عمر میں شاہانہ شان و شوکت کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ ستر سال تک اہل عالم کو جاندار دل کے ساتھ۔ ادیانہ برتاؤ اور دوستانہ سلوک کی تلقین کی اور ساری دنیا میں دیا دھرم کا ڈنکا بجایا

ایک بالکل نیا دھرم ہے"

مذکورہ بالا حوالوں سے بخوبی ثابت ہے کہ جین دھرم بودھ دھرم کی شاخ نہیں ہے بلکہ بودھ دھرم سے پہلے شری مہاویر سوامی نے اسکو از سر نو زندہ کیا۔

جین دھرم شری مہاویر سوامی سے پہلے بھی موجود تھا

(۱) شری مہاویر سوامی جین دھرم کے چوبیسویں ترتھنکر ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے پہلے ۲۳ ترتھنکر ہو چکے ہیں۔ جنہوں نے جین دھرم کا پرچار کیا۔

جین شاستر شری آچارانگ سوتر۔ دوسرا سرسکندھ۔ چوبیسوان ادھین صفحہ ۵۸۰ پر لکھا ہے۔

بھگوت مہاویر سوامی کے ماتا پتا یعنے کنڈل پور نگری کے راجہ سدھارتھ اور رانی ترشلا دیوی شری پارشناتھ سوامی کے سنتھانیہ شرمنوں (سادھوں) کے شراوک تھے۔ بہت کال تک شراوک دھرم پال کر جب کائے کی رکھشا ہتھ پاپ کی الوچنا کر کے اور شریر کا تیاگ کر کے بارہویں دیولوک میں دیوتا ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر جوہن جارج بولہر سی۔ آئی۔ ای۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ اپنی مصنفہ کتاب "دی جین" The Jains کے صفحہ ۲۲۔ اور ۲۳ پر لکھتے ہیں۔

بودھ مت والے خود جینیوں کے ترتھنکر کی ہستی کو مانتے ہیں۔ قدیم تواریخ میں بھی بدھ کی وفات سے پانچ سو سال پہلے تک جینیوں کی خود مختارانہ ہستی کو مانا گیا ہے اس لئے یہ امر مسلمہ ہے اور پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔

(۳) مسز اینی بسینٹ۔ الف۔ ڈی۔ ایس۔ اپنے ایک لیکچر میں جو انہوں

۲۴۹۱ ہوتا ہے۔

پنڈت گردھاری لال جی کے حساب سے ۱۹۲۲ء میں بودھ سمبت ۴۰۷۵ سال قبل از مسیح شروع ہوا۔ مگر اسکی تصدیق اور کسی شہادت سے نہیں ہوتی۔ اگر بفرض محال اسکو مان بھی لیا جائے کہ یہ سمبت بھگوان بدھ کی پیدائش سے شروع ہوا ہے۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ شری بدھ بھگوان شری مہاویر سوامی سے ۲۵ سال پیچھے پیدا ہوئے کیونکہ مہاویر سوامی کا جنم ۵۹۹ سال قبل از مسیح ہوا یعنی ۱۹۲۲ء میں مہاویر سوامی کی پیدائش کو ۴۰۷۵ + ۵۹۹ = ۲۵۲۴ سال ہوئے۔ یعنی جین دھرم کا پرچار پہلے ہوا۔

رسالہ انڈین ریویو اپریل ۱۹۲۴ء کے پرچہ میں بدھ بھگوان کے نروان کی تاریخ پنڈت ای۔ ایچ۔ سہرا نیہ لیٹی نے مختلف پرمانوں سے ۴۵۳ برس قبل از مسیح ثابت کی ہے۔ یعنی ۱۹۲۴ء میں بودھ سمبت ۲۴۷۷ ہوتا ہے۔ اس تاریخ کو بھی اگر درست مان لیا جائے تو مہاویر سوامی کے نیواس دھارن کرنے کے وقت بدھ بھگوان کی عمر ۴۸ سال ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ بھگوان مہاویر سوامی نے ایک چار سالہ بچہ سے جب کہ وہ دماغ میں بھی بودھ دھرم اور اسکے اصول نہ آئے ہوں بودھ دھرم کے اصول لئے ہوں۔ بلکہ ماننا پڑیگا کہ بدھ بھگوان نے ۲۰ سال کی عمر میں نیواس دھارن کرنے بہت سے اصول جین دھرم سے لیکر اپنا ایک نیا مت چلایا ہوگا۔

جیوگرافی آف دی انڈین ایمپائر کے صفحہ ۲۱۸ پر مسٹر کیرون مالیسن ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ لکھتے ہیں۔

"جین دھرم جیسا کہ خیال کیا جاتا رہا ہے بودھ دھرم کی شاخ نہیں ہے بلکہ یہ

مسیح پیدا ہوئے اور انہوں نے ۴۸۷ برس قبل از مسیح وفات پائی۔ ۷۲ سال کی عمر میں یعنی ۵۴۵ برس قبل از مسیح انہوں نے سنیاس دھارن کیا۔ اور شری مہاویر سوامی ۵۹۹ برس قبل از مسیح پیدا ہوئے۔ ۵۲۷ برس قبل از مسیح انہوں نے وفات پائی اور ۳۰ برس کی عمر میں یعنی ۵۶۹ برس قبل از مسیح سنیاس دھارن کیا۔

مذکورہ بالا اعداد سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاویر سوامی بودھ بھگوان سے ۵۹۹ - ۵۶۷ یعنی ۳۲ سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور ان سے ۵۶۹ - ۵۴۵ یعنی ۲۴ سال پہلے شری مہاویر سوامی سنیاس دھارن کر چکے تھے۔ یا یوں کہئے کہ بھگوان بدھ کی پیدائش سے دو سال پہلے شری مہاویر سوامی تارک الدنیا ہو چکے تھے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جین دھرم بودھ دھرم کی شاخ ہو۔ یا جین دھرم کی تعلیم بدھ دھرم کی تعلیم سے ملتی جلتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بودھ دھرم کی تعلیم جین دھرم کی تعلیم سے ملتی جلتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بدھ بھگوان نے جین سدھانت سے بہت سے اصول لیئے ہوں کیونکہ وہ شری مہاویر سوامی سے پیچھے ہوئے اور بدھ بھگوان کے سنیاس دھارن کرنے کے وقت مہاویر سوامی کی عمر ۵۴ سال کی تھی اور شری مہاویر سوامی ۲۴ سال جین دھرم کا پرچار بھی کر چکے تھے۔

مشہور رسالہ جنتی ۱۹۲۴ء مصنفہ پنڈت گردھاری لال جی کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے کہ ویر سمت ۱۹۰۱ میں بدھ کا سمت ۲۴۶۸ شروع ہوگا۔ گر یہ بیت گئی وفات کے بعد شروع ہوا ہے تو غلط ہے کیونکہ مذکورہ بالا حوالہ سے ۱۹۲۴ + ۴۸۷ = ۲۴۱۱ ہونا چاہیئے۔ اور اگر اس کو سنیاس دھارن کرنے سے شروع کیا جائے تو ۱۹۲۴ + ۵۴۵ = ۲۴۶۹ ہونا چاہیئے۔ اور اگر اس کو پیدائش سے شروع ہوا ہوا مانا جاوے تو ۱۹۲۴ + ۵۹۹ =

مسافر کو درخت کا سایہ اُسے آرام کرنے پر مائل کر دیتا ہے۔ یہ دونوں طاقتیں دنیا میں ازل سے موجود ہیں۔

مذکورہ بالا باتوں سے پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جین دہرم بودھ دہرم کی شاخ نہیں۔ بلکہ ایک علیحدہ دہرم ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ بودھ دہرم کے آغاز سے پہلے کا ہے۔ اسکے متعلق شری سوتیا مبر ستھانک واسی جین کانفرنس کی تیسری سالانہ رپورٹ کے صفحہ ۶ پر ہز ہائینس دی گیکواڑ آف بڑودہ فرماتے ہیں۔

قصد یوں سے باہر کے دوان خیال رکھتے تھے کہ جین دہرم بودھ دہرم کی شاخ ہے۔ اس یقین سے وہ جین دہرم کا مطالعہ کرنے میں لاپروائی کرتے تھے اب کس نے یہ غلط فہمی دور کی؟ کیا تمھاری برادری کے آدمیوں نے؟ نہیں۔ بلکہ ایک جرمن سکالر نے تمام دنیا کو ڈنکے کی چوٹ بتلایا کہ جین دہرم بودھ دہرم سے بالکل علیحدہ ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ پارشناتھ ۲۳ دین ترتھنکر تھے جو ۷۰۰ برس قبل از مسیح ہوئے ہیں۔"

نوٹ۔ جو اصحاب پروفیسر جیکوبی صاحب کی دلائل انگریزی میں ملاحظہ کرنا چاہیں۔ انکو شری آچارنگ سوتر کا انگریزی ترجمہ پڑھنا چاہیئے۔ اور خاص کر اُس کا دیباچہ پڑھنے کے لائق ہے۔

جین دہرم بودھ مت سے پہلے کا ہے

بہت سی تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاکی منی گوتم جی مہاراج ۵۶۷ برس قبل از

(۲) جین دھرم کے مقدس شاستر بھگوتی اترادھین میں ذکر ہے کہ ایک دفعہ ایک باغیچہ کے اندر بھگوان مہاویر کے مرید گوتم اور بھگوان پارشناتھ کے مرید المرید "کیسی" نامی کے درمیان بات چیت ہوئی۔ اور گفتگو کے خاتمہ پر دونوں نے تسلیم کیا کہ درحقیقت دونوں ترتھنکروں (مہاویر اور پارشناتھ) کا سدھانت ایک ہی ہے۔ اس بات پر اعتقاد لاتے ہوئے اور تسلیم کرتے ہوئے کہ ان دونوں کا مسلک ایک ہی ہے دونوں باغیچے سے واپس لوٹے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جین دھرم بھگوان مہاویر سے پہلے ہی قائم تھا۔ دوسری بات یہ کہ بھگوان مہاویر کے زمانہ سے اس دھرم میں زمانہ کی تبدیلی کے مطابق کچھ معمولی ردوبدل ہوگیا۔

چہارم جین دھرم کا فلسفہ اسکی قدامت کی آخری شہادت ہے جسکی نسبت پروفیسر جیکوبی صاحب مندرجۂ ذیل تین دلائل دیتے ہیں۔

(۱) روحوں کے متعلق یقین جسکو انگریزی میں Anumstic Belief کہتے ہیں۔

(۲) دنیا کے عناصر Elements کا بلحاظ ان کے فطری خواص کے مختلف نہ ہونا۔

(۳) دنیا میں تمام قسم کے مادہ یعنی Substance کے ساتھ دھرم آستی کائے اور ادھرم آستی کائے کا شامل ہونا۔

(نوٹ) دھرم آستی کائے اس عنصر کو کہتے ہیں جو اشیا کو حرکت کرنے میں مددگار ہو۔ جیسے مچھلی کے تیرنے میں پانی مددگار ہے۔ اور ادھرم آستی کائے اس طاقت کو کہتے ہیں جو متحرک اشیاء کو ٹھیرنے کا ذریعہ ہو۔ جیسے تھکے ہوئے اور گھبرائے ہوئے

دوم۔ بودھ مت کے گرنتھ ایک اور طریقہ سے بھی جین دھرم کی قدامت کی شہادت دیتے ہیں۔

(۱)۔ وہ نرگرنتھ جینیوں کو جو بودھ دھرم کو چھوڑ کر نرگرنتھ جین ہو گئے تھے۔ ایک مخالف گروہ تصور کرتے ہیں۔ اور یہ ذکر اُنکے گرنتھوں میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا کہ یہ نرگرنتھ فرقہ کوئی نیا پیدا شدہ فرقہ تھا۔

(۲)۔ منکھلی گوشالہ نے بنی نوع انسان کو چھ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ جس میں تیسری قسم نرگرنتھوں کی بتلائی ہے۔ لیکن یہ کون تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک نیا فرقہ دنیا کے تمام انسانوں کی عظیم تقسیم میں اپنی پیدائش کے بعد ہی تیسرے درجے پر شمار کیا جا سکے۔

(۳)۔ گوتم بدھ کی مذہبی گفتگو مسمی سیمک سے ہوئی۔ جس کا والد نرگرنتھ (جین) فرقہ میں تھا۔ اِس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جین دھرم بودھ مت کی شاخ نہیں۔

سوم۔ جین دھرم کے اپنے گرنتھ بھی اس بات کے شاہد ہیں۔

(۱) جین دھرم کی پرانی تحریروں کو جو کہ ایک کثیر التعداد مردمان کی روایات کا مجموعہ ہیں۔ خیالی اور لایعنی کلام ثابت کرنے کے لئے کوئی پختہ اور قابل تسلیم دلائل نہیں مل سکتیں۔ تمام واقعات اور حادثات جن سے جین دھرم کی قدیم باتوں کا پتہ لگتا ہے ایسے درست اور مؤثر طریقے سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ غیر منصف مزاج اور متعصب عالموں کی دلائل کو چھوڑ کر غیر متعصب محققین کی پختہ اور مضبوط دلائل کے بغیر جھوٹے اور بے بنیاد تصور نہیں کئے جا سکتے۔

ساتھ روح اور جسم کے گناہوں کے متعلق گفتگو کرنے کے بعد بودھ دھرم تسلیم کرنے کا حوالہ درج ہے۔

(۵) اسی کے اندر جسمانی لفظی۔ اور روحانی (من بچن کایا) تین قسم کی سزاؤں کا ذکر بھی آتا ہے۔ جسکو جینی بھی مانتے ہیں۔

(۶)۔ وسالی نگری کے لچھوی شہزادوں بھیے کمار نے "گوتریا نکالے" گرنتھ میں لکھا ہے کہ جینیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے نئے اور پرانے کرموں کا ناش کر سکتے ہیں اور کیول گیان حاصل کر سکتے ہیں۔

(۷)۔ اسی نکاے میں "دگ برت" نیم کا بھی ذکر آتا ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ میں "فلاں دن فلاں سمت کو ہی جاؤں گا" اور پروشدہ برت کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس میں گرہستیوں کو اس روز اپنے خیالات کو گوشہ نشین ہو کر پوری طرح سے پاک صاف رکھنا پڑتا ہے۔

(۸) بودھ گرنتھ "مہاوگ" میں لکھا ہے کہ مہاویر بھگوان کا چچیرا بھائی جو لچھوی فوج کا جرنیل تھا اپنے گرو مہاویر جی کی بلا اجازت گوتم بدھ کے درشن کرنے چلا گیا۔ اور بدھ نے اسے اپنے دھرم کے "اکریاواد" مسئلہ تعلیم دیکر اسے بودھ مت کا پیرو بنا لیا۔ اور اسنے جین دھرم کے کریاواد اصول کو جس میں جیو۔ دنیا۔ اور کرم پر اعتقاد لازمی شامل ہے۔ چھوڑ دیا۔ کرم پر یقین رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ چاہے کوئی کام ہم بذات خود کریں یا اوروں سے کرائیں یا اوروں کو کرتے دیکھ کر خوش ہوں یا اچھا سمجھیں تو اس میں کریا یعنے پاپ ضرور لگ جاتا ہے۔

ضرور ہوتا ہے کہ بدھ بھگوان کے جو مہاویر سوامی کے ہمعصر تھے وجود سے بھی پیشتر جین دھرم عالم ہستی میں موجود تھا۔

شریمان سی۔ ایس سیکھ کمار جی کا عالمانہ لیکچر متعلقہ "جین دھرم" مترجمہ لالہ ودیارتن جین۔ بی۔ اے۔ جین دھرم کی قدامت کا مظہر ہے۔

جرمنی کے مشہور و معروف ڈاکٹر ایچ جیکوبی صاحب نے مدت تک نہایت غور و خوض سے جین شاستروں کا مطالعہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ جین مذہب بودھ مذہب سے بہت قدیم ہے۔ انہوں نے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے تمام دلیلوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

اول بودھ مذہب کے پرانے گرنتھوں میں جین دھرم کے قابل تعظیم خدائی۔ اخلاقی اور روحانی عقائد کا ذکر واضح طور پر کیا گیا ہے۔

(۲) بودھ دھرم کے گرنتھ "دکھ نکائے" کے "برہم جال ستا" میں پانی کے جیووں کا حوالہ درج ہے۔ جو اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ پانی میں جیو ہیں۔

اسی گرنتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جینی اجیوک (گوشالمت) کے اس عقیدے کو کہ روح کا بھی کوئی رنگ ہے نہیں مانتے۔

(۳)۔ دکھ نکائے کے سمن پھل ست میں شری پارشناتھ جی (جین دھرم کے تیئیسویں ترتھنکر) کے چار مہاورتوں کا حوالہ بھی دیا ہوا ہے۔ اور یہ حوالہ قابل تسلیم ہے۔ اس سے صاف طور پر پتہ لگتا ہے کہ بدھ لوگ بھی شری پارشناتھ جی کے اپدیش کے مطابق اس زمانہ کے جینیوں کی تمام روایات کو بخوبی جانتے تھے۔

(۴)۔ بودھ مت کے مشہور گرنتھ "مجھم نکائے" کے اندر بھگوان مہاویر سوامی جین دھرم کے چوبیسویں ترتھنکر کے اپالی نامی ایک چیلے کا گوتم بدھ کے

"اِس مت کا بانی "وردھمان" نام کا ایک کھشتری قوم کا شاہزادہ تھا۔ اِس نے بعد میں لقب مہابیر اختیار کیا۔ یہ خود جن یعنی سدھ کہلاتا تھا۔"

اِن تمام حوالہ جات سے ثابت ہے کہ جین دھرم بُدھ دھرم کے بعد کا نہیں ہے

جین دھرم بُدھ دھرم کی شاخ بھی نہیں ہے

تاریخ ہند۔ دستان مصنفہ لالہ ایشوری پرشاد ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ مطبوعہ ۱۹۲۸ء کے صفحہ ۵۱ پر لکھا ہے کہ جین مذہب بودھ مذہب سے قدیم ہے۔

تاریخ ہند حصہ اول یا پراچین آرین تہذیب کا مختصر بتانت اُردو مصنفہ۔ لالہ لاجپت رائے صاحب ۱۹۰۸ء کے صفحہ ۱۰۱ پر جین دھرم کے متعلق لکھا ہے۔

"بعض لوگ جین دھرم کو بھی بودھ دھرم کی ایک شاخ سمجھتے ہیں۔ اگر شاخ نہیں تو اپنی تعلیم اور مسائل میں یہ بہت کچھ مشابہ بدھ دھرم کے ہے۔ جین لوگوں کے خیال کے مطابق انکے مذہب کے اول بانی شری پارشناتھ جی تھے۔ انکے مشہور تیرتھنکر مہابیر سوامی کا اصل نام وردھمان یا ناتری پتر تھا۔

اگرچہ لالہ جی کا یہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے کہ جینی پارشناتھ بھگوان کو جین دھرم کا بانی بتلاتے ہیں۔ نہ معلوم اُنہوں نے یہ بے پر کی کہاں سے اُڑائی ہے۔ مگر تو بھی اِس سے اِس بات کی تردید ضرور ہوتی ہے کہ جین دھرم بودھ دھرم کی شاخ ہے۔ اب تک تو مورخوں نے مہابیر سوامی چوبیسویں تیرتھنکر کو جین دھرم کا بانی بتلایا تھا۔ لیکن انہوں نے پارشناتھ سوامی کو جین دھرم کا بانی ظاہر کیا۔ جو مہاویر سوامی سے ۲۵۰ سال پہلے ہوئے تھے۔ اِس سے کم از کم اسقدر ثابت

کا پرچار کرتے رہے ہونگے۔ کیونکہ گوتم جی سے قوار ہن جی پہلے گذرے ہیں۔ بلکہ ہماری دانست میں جینیوں کے چوبیسویں ترتھنکر مہابیر سوامی بدھ دیو کے ہمعصر تھے

جین قوم کی طرف سے جدوجہد کی گئی تو لیتھبرج صاحب نے اِس بات کو مان لیا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا۔ عدم واقفیت کے باعث لکھا تھا۔ اور اس کے بعد جو انکی تاریخ چھپی۔ اِس میں انہوں نے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ جین دھرم ایک قدیم مذہب ہے۔

بدھ دیو کی سوانحعمری حصہ چہارم اردو مصنفہ مہاشے شردھے پرکاش جی کے صفحہ ۲۰۸-۲۰۹ پر فٹ نوٹ میں لکھا ہے:۔

جس زمانہ میں بدھ زندہ تھا اور اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا تھا اس زمانہ میں ایک اور کھشتری قوم کا شہزادہ تھا جس کا نام "وردھمان" تھا۔ اُس نے مہاویر کا لقب اختیار کیا۔ اور ایک اور مت پھیلایا۔ جو بہت سی باتوں میں بودھ مت سے ملتا جاتا ہے۔ یہ خود "جن" یعنی "سدھ" کہلاتا تھا۔ اِس کے مت کو جن مت یا جین مت کہتے ہیں۔ اِس مت کے پیرو جینی کہلاتے ہیں۔ یہ بھی شمالی ہند میں رہتا اور وعظ کرتا تھا۔ جینیوں کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب بودھ مت سے بہت پرانا ہے اور بعض عالموں کا خیال ہے کہ انکا یہ دعویٰ صحیح ہے۔

مذکورہ بالا سطور صاف ظاہر کرتی ہیں کہ پروفیسر وتیبر۔ بارتھ اور ولسن صاحب کی یہ رائے کہ جین دھرم بودھ دھرم کے بعد شروع ہوا۔ غلط ہے۔

ہسٹری آف انڈیا حصہ اول۔ مولفہ۔ ای۔ مارسڈن بی۔ اے۔ ولالہ جیرام صاحب ایم۔ اے۔ مین جس کا خلاصہ ماسٹر گنیش داس راولپنڈی نے لکھا ہے۔

صفحہ ۳۰ پر جین دھرم کا حال اس طرح دیا ہوا ہے۔

کی تواریخوں کا مطالعہ کر لیتے تو انکو کبھی ایسی بات کہنے کا یارانہ ہوتا۔ لیتھبرج صاحب نے بھی دبے الفاظ میں اپنی مختصر تواریخ ہند ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۴۲ پر "جین مت" کی بابت لکھا ہے :۔ کہ

جب بودھ مذہب کو زوال ہو رہا تھا۔ اُس وقت ایک اور مذہب جس کو جین مت کہتے ہیں ہند میں بہت ترقی پر تھا۔ یہ مذہب مسائل اور تعلیم کے لحاظ سے بودھ مذہب اور برہمن دہرم کے بین بین ہے۔ ۶۰۰ء میں اِس کا آغاز ہوا۔ اور ۱۲۰۰ء کے بعد اس میں زوال آنا شروع ہو گیا۔ مگر ہند کے بعض مقاموں میں اب بھی بہت سے شخص اِس مذہب کے پیرو ہیں۔

اسکے خلاف مسٹر رومیش چندر دت سی۔ آئی۔ ای نے اپنی مصنفہ تاریخ ہند میں تحریر کیا ہے کہ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ قبل از مسیح صدیوں پہلے جینیوں کی دولتمند اور متمول قوم موجود تھی۔

جین برتانت کلپدرم مصنفہ مہاتما شیوبرت لعل صاحب صفحہ ۱۸ پر "شری آرشٹ" جی کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ

ارہن جی کو (جو کہ ایک جین رشی تھے) گذرے ہوئے چھبیس سو برس سے زیادہ ہوئے۔ مگر ابتک اُنکے جس کی بنا کا کھڑی ہے۔ انہوں نے بدھ مذہب کے شاگردوں سے وہار مک بحث و مباحثہ کیا۔ یہاں ایک بات سوچنے کے قابل ہے کہ گوتم بدھ کو گذرے ہوئے ۲۵۰۰ سال بتائے جاتے ہیں۔ سوال کیا جائے گا۔ کہ پھر ارہن جی کا انکے کسی شاگرد کے ساتھ مباحثہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اِس سوال کا جواب ہم خاطر خواہ نہیں دے سکتے۔ ہاں اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ جیسے جینی اپنی پرمپرا کے لحاظ سے بہت قدیم ہیں۔ ویسے بدھ بھی قدیم ہیں۔ جو گوتم بدھ سے پہلے اپنے دہرم

کیا جین دھرم بدھ دھرم کے بعد چلا؟

آج کل سکولوں اور مدرسوں میں جو تواریخیں اور اتھاس پڑھائے جاتے ہیں اُنکو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جین دھرم کے متعلق اُنہوں نے کسقدر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اُسکو بلا تحقیق بالکل نیا اور جدید مذہب لکھ مارا۔ یورپ کے مشہور اور نامور مورخان پروفیسر ولسن۔ بارتھ اور ویبر وغیرہ نے۔ تو یہاں تک کہدیا کہ جین دھرم بودھ دھرم کے بعد شروع ہوا ہے۔ کیونکہ اُسکے اکثر اصول بدھ دھرم سے ملتے جلتے ہیں۔ اِن غلط بیانیوں کے ذمہ دار جس قدر مورخان مذکور ہیں اُس سے زیادہ جوابدہ جین علماء بھی ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے ابھی تک خود کوئی اپنی مستند تواریخ مرتب نہیں کی۔ جس سے مورخوں کو کچھ مدد مل جاتی۔ اور نہ کسی نے زبردست دلائل سے اُن غلط بیانیوں کی تردید کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ جین دھرم کے متعلق مختلف قسم کی اب تک غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اِس لیئے جین قوم کا فرض ہے اور ہم جین علماء سے عرض کر سکتے ہیں کہ جلد سے جلد ایک مکمل جین ہسٹری مرتب کر دیں۔

پروفیسر ویبر وغیرہ مورخوں نے جو جین دھرم کو بدھ دھرم کے بعد شروع ہوا بتلایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی تفتیش کا دائرہ بہت ہی تنگ تھا۔ اگر وہ کسی جین گرنتھ کو نہ سہی کم از کم ہندو دھرم کے شاستروں کو ہی دیکھ لیتے یا دیگر مورخوں

ادق مسائل کو تو بھول گئے۔ اِس کا اعلیٰ سدھانت جاننے کے لئے لوگوں نے غفلت اختیار کرلی۔ صرف اسکے ترجمکروں کے نام اور اُنکے کارنامے قصے کہانیوں کیطرح کسی کسی کو یاد رہ گئے۔ آج یہ وقت آگیا ہے کہ یہ بھی معلوم کرنا مشکل ہے کہ جین کسے کہتے ہیں۔ جین دھرم کیا ہے اور اُس کے بانی کون تھے۔ جین دھرم کا سدھانت اور اُس کا بنیادی اُصول کیا ہے۔ زمانہ گذر گیا۔ مغرب کے لوگ اِس ملک میں آئے اُنہوں نے جین تواریخ کے ٹٹولنے سے اِس دھرم کے حالات قصے کہانیوں سے۔ دھرم گرنتھوں سے کتبوں سے پٹوں سے اور پرانے سکوں سے معلوم کرنے شروع کئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پاک مذہب کو کسی مورخ نے بودھ دھرم کی شاخ بتلا دیا۔ کسی نے برہمن دھرم سے نکلا ہوا لکھ مارا۔ کسی نے اسکو بودھ اور برہمن دھرم کا مرکب یا درمیانی سمجھوتہ بتلا دیا۔ کسی نے شری پارشناتھ جی کو اور کسی نے مہاویر سوامی کو اس کا بانی تحریر کر دیا۔

ہم آیندہ چند اوراق میں تواریخوں۔ شاستروں۔ اور دیگر علماء کی رایوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرینگے۔ کہ جین دھرم نہ تو بودھ دھرم کی شاخ ہے۔ نہ برہمن دھرم سے نکلا ہے اور نہ ہی مہاویر یا پارشناتھ اسکے بانی تھے۔ بلکہ یہ بالکل علیحدہ اور سب سے قدیم دھرم ہے۔ اُمید کہ علماء اسکو غور کے ساتھ ملاحظہ فرماوینگے۔ اور اُن غلط خیالات کو دل سے نکال دینگے جو اُنکے دلوں میں تعصب یا کھوج کی کمی کی وجہ سے بیٹھ گئے ہیں۔

نیازمند۔

دیوان چنار جنرل سکرٹری جین سبھا متر منڈل راولپنڈی
منیجر۔ پنجاب اینڈ کشمیر بنک لمیٹڈ جہلم (برانچ)

دیباچہ

آپ نے شاستروں اور تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ آج سے تقریباً پونے دو ہزار برس پیشتر اس مقدس جین دھرم کے اصول انسانی دنیا میں کیا قدر رکھتے۔ جین دھرم کے فلسفہ اور اصول کا پرچار آج بھی۔ امریکہ۔ انگلینڈ۔ جرمنی۔ فرانس اور اٹلی وغیرہ ملکوں میں ہو رہا ہے۔ اس لاثانی دھرم کے سچے اور قابل عمل اصولوں پر چل کر ہر ذی روح نجات دائمی حاصل کر سکتا ہے۔ اس متبرک دھرم کا ڈنکہ زمانہ سلف میں چاروں طرف بج رہا تھا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے اس دھرم کے پیرو تھے۔ لاکھوں سیٹھ ساہوکار اور بڑے بڑے ذی رتبہ اشخاص نے اسکو اپنایا تھا۔ مگر آج یہ دھرم تمام مذہبوں سے نیچے درجے پر گنا جانے لگا ہے۔ اسکی فلاسفی اور سدھانت لاثانی ہوتے ہوئے بھی لوگ اس میں بہت کم حصہ لیتے ہیں۔ اس کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں سے گھٹ کر لاکھوں میں رہ گئی ہے۔ اس منظور نظر دھرم میں علماء کی بھی کمی ہو گئی ہے۔ نہ ایسے پرچارک ہی رہے ہیں۔ نہ اُپدیشک ہی ہیں جو اس عصمت مآب دین کی کھلے بندوں اشاعت کریں۔ لوگ اس دھرم کے

پر آزادی اور رستگاری حاصل کر لیتی ہے جو اس کا حقیقی معراج ہے۔

جن برگزیدہ ہستیوں نے اِن امورِ حقیقی کو سمجھا اور یقین کیا ہے۔ نیز ان پر عمل کر کے رستگاری کا ذاتی تجربہ حاصل کیا ہے انکو اس وجہ سے کہ انہوں نے مادہ و پرایا جنس غیر پر کامل فتح حاصل کی ہے فاتح کہتے ہیں جس کے لئے سنسکرت میں لفظ "جن" مخصوص ہے اور جو طریق عمل یا مسلک اِن فاتح (جن) ہستیوں کا رہا وہ طریق نصرت یا جین دھرم کہلاتا ہے۔ یہ وہ قدرتی اور فطرتی اصول کا مجموعہ ہے جسکی صحت سے کوئی ذیشعور اور باتمیز انسان انکار نہیں کر سکتا۔ چونکہ اصول قدرتی کا کبھی آغاز نہیں ہوا۔ نہ انجام ہوگا۔ اِس لیئے جین دھرم کو بھی ازلی و ابدی کہنا مبالغہ نہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ناظرین و ناظمین بلا کسی خیال ذاتیات کے مضمون نفس الامر کو بغور ملاحظہ فرما کر خاص نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرینگے۔ عمل کرنے یا نہ کرنے کے وہ مجاز ہیں۔

احقر العباد ہیچمدان درخشان

بلند شہری

کس طرح ممکن ہے۔ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن محض وہم ہے۔ روح خیالاً قولاً اور فعلاً جب کوئی حرکت وعمل کرتی ہے تو اس سے نہایت لطیف ذرات مادی کو جنبش ہوتی ہے جو اسکے گرد وپیش رہتے ہیں اور متحرک ہونے کی حالت میں روح کے اندر بھی ایک جذباتی کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے وہ ان ذرات مادی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس کارروائی کو آمد عمل کہتے ہیں۔ اور جب ذرات مادی روح کی طرف کھنچکر روح سے وابستہ ہوجاتے ہیں تو اس کارروائی کو بند عمل کہتے ہیں۔ برخلاف اسکے جب روح کے اندر جذبات فاسدہ اور افعال ناقص کی جانب سے تارکانہ تحریک ہوتی ہے تو آمد عمل کا سلسلہ معدوم ہوجاتا ہے جسے سد عمل کہتے ہیں۔ اس حالت میں متحرک ہونے سے روح میں ایک اخلاصی کشش پیدا ہوجاتی ہے۔ جس سے وہ جذباتی اور انفعالی ذرات جو پیشتر روح نے اپنا اشتراک کر لیا تھا اس سے دور ہوجاتے ہیں اور اس کارروائی کو رد عمل کہتے ہیں۔ جب روح آلائش افعال سے قطعی پاک وخالص ہوجاتی ہے تو اسکو درجۂ نجات حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ تناسخ سے ربانی پا جاتی ہے۔ پس روح۔ غیر روح۔ آمد عمل۔ بند عمل۔ سد عمل۔ رد عمل۔ اور نجات یہ ارکان سبعہ کہلاتے ہیں۔ انکی اصلیت وحقیقت کو صحیح طور پر جان لینا یقین کر لینا۔ اور حصول نجات میں کوشش کرنا یعنی صادق العقیدت۔ صادق البصیرت۔ اور صادق الطریقت۔ ان جواہر ثلاثہ کی یکجائیت ہی حصول نجات کا ذریعہ ہے۔

اس میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ذرات فعلی کا جاذبہ روح کو کثیف بناتا ہے اور اسے روحانیت کی معراج سے گرا دیتا ہے برخلاف اسکے انکاثالعہ روح کو لطیف کرتا ہے اور جسقدر روح لطیف ہوتی جاتی ہے اسیقدر وہ اپنے معراج کے نزدیک آتی جاتی ہے بالآخر جب روح ذرات فعلی کے اشتراک سے قطعی پاک ہوجاتی ہے تو مکمل طور

کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ روح ازل سے دائم تناسخ میں ماخوذ ہے اور اس مادی ہستی میں مرگ و زیست کے آلام ہمیشہ سے سہتی رہتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا روح فطرتاً متناسخ ہے یا کسی جنس غیر کے اشتراک سے اسکی یہ حالت واقع ہوئی ہے۔ اگر روح کو فطرتاً متناسخ مان لیں گے تو چونکہ کوئی امر خلافِ فطرت وقوع میں نہیں آسکتا۔ اس لئے روح کے لئے نجات پانے کا سوال قطعی بیکار ہو جائیگا۔ اور جن مذاہب میں روحانیت کا معراج نجات ابدی قرار دیا گیا ہے وہ فلاحِ آخرت کے لئے بے اثر ثابت ہونگے۔ یہی نہیں بلکہ اعمال حسنہ بصورت زکوٰۃ و صلوٰۃ۔ عبادت و ریاضت عبث مانے جائیں گے۔ اس لئے یہی ماننا صحیح ہوگا کہ روح فطرتاً متناسخ نہیں ہے۔ بلکہ جنس غیر سے وابستہ ہو کر اپنی اصلیت سے دور دست ہو گئی ہے اور اس جنس غیر سے رستگاری ہی اسکی نجات ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ علاوہ روح کے جو پانچ عناصر بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کس کا اثر زائل ہو جانے پر روح خالص بالذات ہو سکتی ہے۔ وقت ایک ایسا عنصری جس کا اثر روح پر ہر حالت میں رہیگا۔ کیونکہ روح کی کوئی حالت ایسی نہیں ہو یا نہ ہو متداول [illegible] کے ضرور کہ نہیں روح کی کوئی حالت ایسی ہے کہ روح کبھی ایسی حالت میں رہے [illegible] نیت ضروری ہے۔ کشش ہائے [illegible] کا وجود [illegible] ہوتے [illegible] ان چاروں عناصر کے اثر سے روح کا نجات پانا [illegible] یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ روح سے مادہ کا اشتمال ہے جو اسکے تناسخ کا باعث ہے۔ روح اور مادہ کے باہمی تعلق کا مکمل ازالہ ہی روح کی نجات کا سبب ہو سکتا ہے۔

چونکہ روح لطیف تر شے ہے اس سے کثیف قوم کے مادہ کا اشتراک پے بہ پے

لیکن میرے خیال میں جین دہرم کو محض قدیم ترین ثابت کرنا اسکے بہترین۔ اور برترین ہونے کی شہادت نہیں ہے۔ ہاں اگر قابل مصنف اس مقدس مذہب کو فطرتی اور قدرتی مسلک بھی جیساکہ حقیقتاً وہ ہے ساتھ ساتھ ثابت کردیتے تو بیشک ازلی ہونے کا اطلاق ہوسکتا تھا۔ یہ مانا کہ یہ مسئلہ بہت باریک ہے اور فی زمانا ایسے ادق مسائل کو مبحث میں ڈالنا ممکن ہے چند خاص ہستیوں کو لطف کا باعث ہوسکے۔ لیکن عوام الناس کے لئے وہ دلچسپی کا مضمون نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے قابل مصنف نے اسی نقطہ نگاہ سے یہ فروگذاشت کی ہو۔ تو بھی میں سمجھتا ہوں کہ جین دہرم کی ازلیت کی بحث اٹھاکر ایک جزو اعظم کو ترک کردینا اس مفید عام مضمون کو خواہ مخواہ اگشت نمائی اور خرخشیری کا نشانہ بنانا ہے۔

جین دہرم کیا ہے محض عناصر قدرتی اور ارکان فطرتی کا واضح طور پر ایک بیان ہے جسکو ہر عقل سلیم تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ یعنی یہ کہ عالم ہستی۔ روح۔ مادہ۔ وقت۔ خلا اور استخراجی واستقرائی دو قسم کی کوششہائے سے معمور ہے۔ سوائے اسکے اور کوئی چیز اسکے اندر نہیں ہے۔ انہیں عناصر ستہ کا وجود اور انکی باہمی تحلیل مرکب سے ظہور عالم اور زیرگی دنیا کا باعث ہے۔

جس طرح پر ان عناصر کا کبھی آغاز نہیں ہوا۔ نہ کبھی انجام ہوگا اسی طرح ان کی ذاتی طاقتوں کا اور انکے اوصاف حقیقی کے لحاظ سے ان میں تحلیل و ترکیب کا سلسلہ بھی نہ کبھی شروع ہوا نہ ختم ہوسکے گا۔ اسی کو اصول قدرت اور بنائے فطرت کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا سادہ اور بےغبار بیان ہے جس پر کسی قسم کا حاشیہ نہیں چڑھایا جاسکتا۔ پس جب روح کے وجود کا آغاز نہیں تو اسکے ساتھ حیات و موت کے سلسلہ کا آغاز

تقریظ

اِس عالمِ فانی میں جسقدر مذاہب اس وقت بقیدِ حیات ہیں۔ بجز کسی خاص کے وہ تمام روح اور روحانیت کے قائل ہیں۔ اور نجات دائمی کو بھی روحانیت کا معراج بتلاتے ہیں۔ لیکن اس پاک اصول پر بلا کسی ہیر پھیر کے کوئی مذہب قائم نہیں ہے۔ اِنکے بانیان نے تو نہیں مگر اِن مبلغان نے ضرور کچھ تعصب اور خود غرضی سے کام لیا اور اس اصول کی اصلی ہیئت کو کچھ سے کچھ کر دکھایا۔ اِس وجہ سے اِن مسائل میں کہ روحانیت کیا ہے۔ نجات کسے کہتے ہیں۔ روح کو نجات حاصل ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اور نجات کس طرح ہو سکتی ہے۔ جملہ مذاہب میں اسقدر اختلاف واقع ہوا ہے۔ کہ معمولی فہم و دماغ کے دنیادار انسانوں کو یہ تشخیص کرنا سخت مشکل ہو گیا ہے کہ معراج روحانی حاصل کرنے کا قدیم ترین طریق کونسا ہے۔ جسکو مقبول عام اور تجربہ کار ہستیوں نے اولاً اہل عالم کے سامنے پیش کیا۔

قابل مصنف نے اِس چھوٹے سے رسالے میں ناقابلِ رد کتابی حوالجات اور علماء کے اقوال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جین دھرم اور اُسکے اصول تمام موجودہ مذاہب کے مقابلہ میں قدیم ترین ہیں۔ وہ اپنی کوششوں میں پر محن مطالعہ کے بعد ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور اس کامیابی پر میں اُنکو مبارکباد دیتا ہوں۔ اور اس عقدہ پیچاں کے حل کرنے میں جو دیدہ ریزی اُنہوں نے کی ہے اُسپر آفریں کہتا ہوں۔

"ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۶۳

نہ کھنڈن سے ہیر مذاہب منڈن قدعا اپنا فقط ثابت کیا ہے ہمنے ویس لا ابتدا اپنا

جین دھرم ازلی ہے

مرتبہ
لالہ دیوان چند جین منیجر پنجاب اینڈ کشمیر بنک لمیٹڈ برانچ جہلم

مؤلف "گوہر بے بہا" "سچے موتیوں کی لڑی"

شری ہیر زبان سمت ۲۴۵۵ مطابق سنہ ۱۹۲۸ء

جین مترمنڈل دہلی نے شائع کیا

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا

تعداد ۲۰۰۰ قیمت ۲/

حاصل مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر ذی روح خوش رہنا چاہتا ہے۔ خوشی اہنسا وہرم کے اصول پر ہی کاربند ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ دینی و دنیاوی ترقی کا انحصار اسی اصول پر ہے۔ خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہو کر دنیا میں کوئی شخص عیش و آرام حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ گوشت خوری جسمانی و دماغی و روحانی طاقت کا ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ نہایتاً ممنوع اور طبّاً مضر صحت ہے۔ اسی عادتِ بد کا شکار ہو کر انسان جانداروں کی قربانی پر مجبور ہوا ہے۔ خون منہ لگا کر برا ہوتا ہے۔ زبان کے ذائقہ نے حضرت انسان کو حق و ناحق مضر و مفید کی تمیز کرنے میں اندھا بنا دیا ہے۔ گوشت خوری یا عمل ایذا رسانی سیاہ قلبی کا باعث ہے۔ خلاف اسکے اہنسا وہرم دل و دماغ کو مضبوط بناتا ہے۔ طاقتِ روحانی کو بڑھاتا ہے مستقل مزاجی پیدا کرتا ہے۔ انسان کو باحوصلہ اور باہمت بناتا ہے دنیا میں جسقدر بڑے بڑے فلاسفر ہوئے ہیں وہ سب اہنسا وہرم کے ہی عامل تھے۔ مثلاً سقراط۔ بقراط۔ ارسطو۔ افلاطون۔ جالینوس۔ نیوٹن۔ ڈارون۔ بھگوان مہاویر۔ مہاتما بدھ۔ سوامی دیانند وغیرہ۔ یہ سب لوگ سبزی خور ہی تھے یہ کیا بزدل اور کمزور تھے؟ ایذا رساں یا دل آزار تھے؟ غرضکہ عدم ایذا رسانی یا اہنسا وہرم بزدلی کا موجب نہیں بلکہ ایسا کہنا سخت غلطی اور کوراپانی کی دلیل ہے۔ جانداروں کو مارنا بزدلی اور اس سے اجتناب یعنی خواہشاتِ نفسانی کو مارنا شیر دلی ہے چنانچہ حضرت ذوق نے فرمایا ہے

بڑے موذی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
پلنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بنجاتا
کسی بکبس کو لے بیدادگر مارا تو کیا مارا

اوم۔ شانتی۔

شب لال جین

بداخلاقی کی علامتیں ہیں۔

اہنسا دہرم کے ہر دلعزیز اصول کو بزدلانہ اصول بتا کر اس قسم کی ناپاک تحریک سے جن بڑی شخصیتوں کے دماغ کا رجحان عوام کے پاکیزہ جذبہ کو غلیظ و متعفن بنانے اور گروہ انسانی کو اخلاقی درجہ سے گرا کر خونریزی کیطرف مائل کرنے کا ہے انکی ہستی گندم نما جو فروش سے زیادہ وقیع نہیں۔ ایسی ہستیاں مسلمہ طور پر ملک اور قوم کے دامن پر داغ ہیں سیاسی۔ اخلاقی۔ روحانی و تمدنی زندگی کے لئے زہریلی وبا ہیں۔ میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ہر چہار اطراف سے آنیوالی زبردست آندھیوں سے مجھے بچانے اور میرے وجود کو اسوقت تک قائم رکھنے کا واحد ذریعہ اہنسا پر مودہرمہ کا مذہبی اعتقاد اور اسپر زمانہ کی رفتار کے مطابق کاربند عمل ہی تھا ورنہ یہ خاک بسر آپ کا وطن مالوف کبھی کا صفحہ ہستی سے نابود ہو گیا ہوتا۔ دنیا کی مختلف قوموں نے یہاں آکر اسے اپنایا اور اہنسا پر مودہرمہ کے بنیادی فلسفہ کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اس موجودہ گئی گذری حالت میں بھی دوسرے ملکوں کی نظروں میں اگر اسوقت بھی اس ملک کی کوئی عزت ہے تو وہ محض میرے اسی اصول کا ساحرانہ اثر ہے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ہے پچھلے سالوں میں مہاتما گاندھی نے بھی ہر دلعزیزی کا درجہ اور دنیا کی عظیم الشان شخصیت ہونے کا فتویٰ غیر ممالک سے محض مخالفین کے ساتھ عدم تعاون کے اصول میں عدم ایذا رسانی کے جذبہ کی شمولیت کی جب سے ہی حاصل کیا ہے اسی عدم ایذا رسانی کے اصول پر چند روزہ عمل نے اہل ہندوستان کو آزادی کی امید دلائی تھی جس پر باہمی نفاق خود غرضی اور ہنسا کی فروعات نے پانی پھیر دیا۔ اور مہاتما جی کو دل برداشتہ بنا دیا۔

اور اُسکے معاوضہ میں اُسنے اپنی جائز خدمت لے یعنی جس طرح انسان کو اور خلقت کی ماندوبود مفید و نافع ہو انسان کا وجود بھی دیگر مخلوق کیلئے مساوی طور پر سود مند و راحت بخش ہونا چاہیئے۔

دیکھو! دودھ دینے والے مویشی انسان کو دودھ گھی۔ مکھن دیتے ہیں جو اُسکی خاص غذا ہے اور اُسکی تندرستی کو قائم رکھنے اور قوار جسمانی کو مضبوط بنانے کے لئے نعمت عظمی ہے بیل بھینسے۔ اُونٹ۔ ہاتھی۔ گھوڑے گدہے اُسکی کھیتی۔ کیاری۔ سواری۔ باربرداری کے کام آتے ہیں اُسکو ہر طرح کا آرام پہنچاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی اپنی کھال اور ہڈی وغیرہ اُسکے آیندہ استعمال کے لیئے چھوڑ جاتے ہیں جو اُسکی روزانہ زندگی کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ کتا و بلی و دیگر قسم کے جاندار اُسکے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ خود تکلیف اُٹھاتے ہیں لیکن اِس اشرف المخلوقات ہستی کو تکلیف سے بچاتے ہیں غرضکہ لاچار مخلوق اپنے اظہارِ وفاداری اور انسان کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتی۔ لیکن حضرت انسان اشرف المخلوقات ہونیکا دعویدار اپنی شرافت کیا ثبوت دیتا ہے اور اپنے زیردست جانداروں کا کیا حق الخدمت ادا کرتا ہے؟ یہ روزانہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔

اُنکو مارتا ہے۔ کاٹتا ہے خصی کرتا ہے۔ بھوکا پیاسا رکھتا ہے۔ آرے چھیدتا ہے۔ چھیدتا ہے۔ قید کرتا ہے۔ پرندوں کے پر نوچتا ہے۔ کھال اُڑاتا ہے۔ ٹکڑے کرتا ہے۔ جلاتا ہے۔ بھونتا ہے۔ اُبالتا ہے پکاتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ اپنے اُوپر سے صدقہ کرکے پھینک دیتا ہے۔ یہ ہے حضرتِ انسان اشرف المخلوقات کا عمل۔ اگر اسکو ایک خونخوار موذی درندہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کاش اُسکے ساتھ ایسا عمل ہو تو مردمخواری کا شور مچاکر آسمان سر پر اُٹھالے۔ غرضکہ اس قسم کے کارنامے انسان کی جوانمردی۔ حوصلہ مندی۔ اور بہادری کے مظہر نہیں بلکہ سیاہ قلبی خودغرضی اور

ارتکاب کسی مذہب وملت کی رو سے جائز وقابل تحسین نہیں۔ قاتل۔ جابر وظالم جوانمرد نہیں چور ڈاکو دریاکاروں کو بہادری کا خطاب نہیں۔ قصاب۔ چڑیمار۔ وماہی گیر وغیرہ دلیر و باہمت نہیں۔ چونکہ ایذارسانی ضمیر کو ناپاک بناتی ہے حوصلہ کو پست اور طاقتِ روحانی کو زائل کرتی ہے اِس لئے حوصلہ مندی کی علامت نہیں۔ بلکہ وہ فرقہ جو عملِ ایذارسانی کو بطور پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے عوام کی نظروں میں ذلیل اور کمینہ خیال کیا جاتا ہے

انسان وہر ایک عملِ ایذارسانی کی غرض وغایت ہر جاندار کے ساتھ برادرانہ سلوک اور اُلفتِ محبت کا برتاؤ کرنا ہے۔ دنیا میں ہر جاندار زندہ رہنا چاہتا ہے۔ زندہ رہنا۔ اور آزادانہ زندگی بسر کرنا ہر جاندار کا پیدائشی حق ہے کسی کے حق میں مداخلت کرنا فرضِ انسانی نہیں۔ جو بات خود اپنے لئے گوارا نہیں اُسے دوسروں کیلئے بھی جائز رکھنا جائز نہیں "انچہ برخود نہ پسندی بردیگراں مپسند"

اسی وجہ سے تو انگریزوں کی غلامی سے ہندوستانی آزاد ہونا چاہتے ہیں اور سوراج کو اپنا پیدائشی حق بتلاتے ہیں لیکن یہ حق محض ذات انسان کے لئے مخصوص نہیں بلکہ انصافاً اُصولاً وظاہر ہر جاندار کا ہے اور ہونا چاہیئے کسی عاقل کا قول ہے

THE RELIGION OF LIFE IS TO DO GOOD

انسان کو اشرف المخلوقات ہونیکا دعویٰ بھی ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ بلحاظ علم و دانش اُسکو دیگر قسم کے کمتر جانداروں پر قدرت اور فہری حاصل ہے اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اُنکے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرے اُنکو مارے۔ کاٹے۔ پکاوے اور کھا جاوے۔ اور اُنکی نسل کو برباد کرے۔ جو انسان اشرف المخلوقات اور امین خلقت ہونے کا دعویدار ہے اُس کا فرض ہے کہ ہر ذی روح کی پرورش کرے اُس سے ہمدردی کرے۔ اُنکو کسی قسم کی تکلیف نہ دیوے

خلاف فعل کرنے سے دل لرزتا ہے۔ گھبرا کر بیٹھ جاتا ہے ہمت ٹوٹ جاتی ہے آگے بڑھنے سے قدم رک جاتا ہے۔ آئندہ فاعل کے لئے سبقت کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ بادلوں کے مقابل میں آجانے سے سورج کی روشنی رُک جاتی ہے۔ سونے میں تانبے کی آمیزش اُسکی قیمت کو کم کر دیتی ہے۔ آندھی کا جھونکا چراغ کو بجھا دیتا ہے۔ دودھ میں پانی کی ملاوٹ اُسکے اثر کو خفیف بنا دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح حرکت ناشائستہ کا عمل توسنِ دل کی لگام کو از خود کھینچ لیتا ہے اور اُسے کمزور بنا دیتا ہے۔ کمزوری نقص ہے۔ خاصیت جبلی نقص سے مبرا ہے۔ کمزوری دل کی خاصیت نہیں بلکہ صفتِ مکسوبہ ہے۔ عمل عدم ایذا رسانی گناہ نہیں اسوجہ سے بزدلی کا موجب نہیں۔ بلکہ اسکے برعکس اسکی قوتِ ارادی کا سبب ہے ہر شخص کے مذہبی اعتقاد کے مطابق خدا رحیم ہے کریم ہے اور مہربان ہے لیکن اگر رحم کرم اور مہربانی بزدلی ہے تو ماننا ہوگا کہ خدا بزدل و کمزور ہے۔ لیکن خدا کی نسبت ایسا خیال کرنا کفر ہے۔ اگر رحم۔ کرم اور مہربانی کی عادت کو خدا کی تقلید میں انسان اختیار کرتا ہے تو بجائے محبوب خدا اور فرشتہ خصلت ہونیکے بزدل اور کمزور کہا جاتا ہے **بشرطیکہ** ! رحم دلی و اہنسا کو بزدلی کا باعث قرار دینا انسان کو حقیقت سے گمراہ کرنے کے لئے کس قدر غلط اور مکارانہ فتویٰ ہے۔

پس ایذا رسانی بہادری کی نشانی نہیں ہو سکتی۔ بلاوجہ کسی جاندار کی دل آزاری کرنا اُسکو مار کر نگل جانا اور اپنے پیٹ کو قبرستان بنا لینا کوئی مردانگی نہیں۔ دوسروں کا مال و اسباب لوٹنا۔ زن و فرزند کو ذبح کرنا۔ ظالمانہ و جابرانہ رویہ اختیار کر کے اس قسم کے عمل کو زندگی کا طریق بنانا محض حدِ اخلاق سے تجاوز کرنا ہی نہیں بلکہ قانوناً جرم اور قابل سزا ہے۔ قتلِ عمد۔ زدوکوب۔ دروغ گوئی۔ چوری۔ ڈاکہ زنی۔ زناکاری وغیرہ گناہ ہوں گے

اِس سے اُن خواصِ روحانی اور اسرارِ سربستہ کا انکشاف ہوجاتا ہے جو انسانی فہم و دانش کی حدود سے باہر اور اُسکے وہم و گمان سے پرے ہیں۔ اِس اصطلاحی دہرم کا مترادف لفظ عربی میں "مذہب" اور انگریزی میں "ریلیجن" (Religion) ہے۔ مختصراً دھرم یا مذہب تعلیم صداقت اور آئین حقیقت کا ہی نام ہے۔ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو۔ اِس کا پیغام ہے۔ رواداری کا طریق۔ سلامت روی کا رویہ اور خوش اخلاقی کا مسلک ہے۔ اِسی سے تو کہا ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر کرنا ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

طریقِ رواداری۔ اور مسلک خوش اخلاقی میں ایذا رسانی کا امکان نہیں۔ بدیں وجہ عملِ عدم ایذا رسانی ہی سچا دہرم یا مذہب ہے۔ دنیا کے مختلف مذاہب کا بنیادی اصول عملِ عدم ایذا رسانی یا اہنسا دہرم ہی ہے۔

"اہنسا پرمو دہرمہ" یعنی دہرم کا سب سے بڑا اور مقدم اصول ہے۔ ہندو دہرم نے بھی اسی اصول کو اپنی مذہبی عمارت کا ستون قائم کیا ہے۔ عیسائی مذہب کا بھی یہی کہنا ہے (Thou shall-not-Kill) شیخ سعدی نے بھی ایسا ہی کہا ہے ؎ میازار موری کہ دانہ کش ست کہ جاں دارد و جانِ شیریں خوش ست

تلسی داس جی نے بھی رامائن میں فرمایا ہے ؎

دیا دہرم کا مول ہے پاپ مول ابھمان تلسی دیا نہ چھوڑیے جبتک گھٹ میں پران

غرضکہ رحم یا عملِ عدم ایذا رسانی سب سے بڑا دہرم اور عملِ ایذا رسانی سلمہ طور پر سب سے بڑا پاپ ہے۔

بزدلی

بزدلی۔ دل کی کمزوری ہے۔ جو دل میں کسی گناہ کے ارتکاب سے پیدا ہوتی ہے ضمیر کے

زدوکوب کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

فرض منصبی کی ادائیگی میں بحالت مجبوری کسی فعل کا ارتکاب جو ضمیر کے مغائر نہ ہو گناہ نہیں ہے۔ ملک اور اہل ملک کی حفاظت کے لئے دشمن سے لڑنا بادشاہوں کے لئے ناجائز نہیں بلکہ رعایا کے حقوق کا تحفظ کرنے کی غرض سے شورہ پشت سرکشوں اور ظالموں کو سزا دینا انکا فرض منصبی ہے۔ تاریخی واقعات اس امر کے مؤید ہیں۔ کہ بعض راجاؤں نے جو ہندو دھرم کے معتقد تھے وقتاً فوقتاً جنگیں کی ہیں۔ قزاقوں اور جابروں کو سزائیں دی ہیں۔ ملک میں امن و امان قائم کیا ہے۔ نظام سلطنت کو اس خوبی اور قابلیت سے انجام دیا ہے اور مضبوط بنایا ہے کہ دیگر حکمرانوں نے اُنکی تقلید کی ہے۔ لیکن بلا وجہ جنگ کرنا۔ خون بہانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا اُنکے لئے بھی روا نہیں بلکہ کسی متنفس کے لئے جائز نہیں۔

دھرم کیا ہے؟

دھرم سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ ہر شے کی خاصیت جبلّی و روح کی صفات ذاتی کو کہتے ہیں۔ مثلاً آگ کا دھرم جلانا۔ سورج کا دھرم گرمی و روشنی دینا وغیرہ وغیرہ۔

روح جو اپنی صفات ذاتی سے ذرات فعلی کے ساتھ آغشتگی کے باعث گم گشتہ ہے۔ اُس کے اِس تعلق بیرونی سے پاک و صاف ہونے کے پاکیزہ عمل کو بھی اصطلاح میں دھرم کہتے ہیں۔ گویا کہ دنیا و مافیہا کی حقیقت کے راز کا انکشاف خدا اور اُس کے اوصاف حمیدہ کا ذکر حصول مسرت کا ذریعہ۔ رنج و الم کا فاکہ اور اُنکے مستقل طور پر دفعیہ کے ذرایع کو بھی عام فہم زبان میں دھرم کہتے ہیں۔

۲) سنگدلی (ارادی) جو کسی جذبہ فاسد کے زیر اثر کسی جاندار کی خیالاً قولاً وفعلاً دلازاری کیجاتی ہے۔ اس میں مٹی یا آٹے کا فرضی مرغا وغیرہ بنا کر کسی دیوتا پر بھینٹ چڑھانا۔ دشمن کی تصویر بنا کر اسکی بیعزتی کرنا بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس قسم کا عمل بھی اخلاق کا مخرب اور رحمدلی کے پاک جذبہ کو ٹھیس پہنچانے والا ہے۔

۳) وروہی (مخالفانہ) جان ومال کی حفاظت کے لئے بطور حفاظت خود اختیاری دشمن سے جنگ وجدال کرنا۔ خطرہ کے وقت کسی موذی درندہ کو مارنا وغیرہ

۴) آرنبھی (اتفاقیہ) جو دنیاوی کاروبار کے کرنے میں ہر اہل دنیا سے اکثر عمل میں آتی ہے۔ جیسے مکان بنانا۔ روٹی وغیرہ پکانا۔ جھاڑو وغیرہ لگانا۔

نمبر ۱ و نمبر ۲ یعنی جانی ارادی ہنسا گارہستاب ہر دنیادار کے لئے مذہبیاً ممنوع ہے اس میں دوسروں کی ایذا رسانی کے علاوہ خود کرنے والے کے ضمیر کا بھی خون ہوتا ہے اخلاق بگڑتا ہے۔ سنگدلی و بیرحمی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن نمبر ۳ و نمبر ۴ کسی اہل دنیا کے لئے ممنوع نہیں۔ اگرچہ انکو حتی الوسع اس سے بھی پرہیز رکھنا چاہیئے۔ مگر دنیادار کو اس قسم کی ہنسا سے بچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے

غرضکہ نفرت اور رغبت کے جذبات کو دل میں رکھکر کسی جاندار کو زدوکوب کرنا قید کرنا۔ اسکے کسی جزو بدن کو کاٹنا۔ چھیدنا۔ اسکو بھوکا پیاسا رکھ کر بقصد یعہ دینا گناہ ہے۔

جھوٹ بولنے۔ چوری کرنے۔ زنا بالجبر یا طمع نامباز کے ذریعے دوسروں کی دل آزاری کرنا بھی ایسا ہی گناہ ہے جیسا سطور بالا میں کورے قتل عمد یا بالارادہ

کے ہاتھ میں تھی جو مسلمہ طور پر اہنسا دھرم کے عامل نہ تھے۔ گوشت بھی کھاتے تھے۔ شکار بھی کھیلتے تھے اور ویدک دھرم کے کٹر مقلد تھے۔ لیکن تاہم ہزیمت نصیب ہوئے۔ انگریزی قوم نے میری سلطنت تلوار کے ذریعے ان مسلمان حکمرانوں سے چھینی جو عملاً خونخوار، مذہباً خونریز اور یقیناً ابنا دھرم کے مخالف تھے کیا اب بھی کوئی باحیا شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ میری غلامی کا سبب یہ اہنسا دھرم ہے۔

اہنسا دھرم بزدلی کا باعث نہیں

اہنسا دھرم بزدلی کا متضاد ہے۔ لفظ "اہنسا" "ہنسا" کا برعکس ہے۔ لفظ ہنسا کی تعریف اس طرح پر ہے۔

प्रमत्त योगात्प्राण व्यपरोपणं हिंसा.

یعنے خواہشات نفسانی اور جذبات شیطانی (غصہ۔ غرور۔ فریب۔ طمع) کے زیر اثر کسی جاندار کے حواس ظاہری و باطنی کو خیالاً۔ قولاً و فعلاً نقصان پہنچانا ہنسا۔ ایذا رسانی ہے۔ ملاحظہ کیجئے لفظ "ہنسا" "ایذا رسانی" "ری" "ات" خود کسقدر مکروہ اور نفرت انگیز ہیں۔ خود غرضی و بوالہوسی اس کا مصدر ہے۔ ہنسا کا ارتکاب فعل انسانی نہیں بلکہ شیطانی ہے۔ ہنسا حسب ذیل چار قسم کی ہوتی ہے۔

۱۔ اودھی (حرفتی) جو پیشہ یا بیوہار کے طریق پر کیجاتی ہے۔ جیسے قصاب۔ بڑیہا ماہی گیر وغیرہ۔ جو بلحاظ اپنے پیشہ کے دلازاری کا عمل کرتے ہیں۔

کہ اُس سیل حوادث کے مقابلہ سے اپنا منہ نہ پھیرا۔ وہ کم تھے۔ کمزور تھے۔ کم مایہ تھے۔ تاہم اہنسا و ہرم کا زبردست ہمارا حق و صداقت کی تمنا کا یارا انکو فتح و نصرت کی تھپکیاں دیتا تھا جنہوں نے بھگوت گیتا کے اصلی مفہوم پر کبھی سرسری نظر بھی ڈالی ہے وہ جانتے ہیں کہ باوجود اسکے کہ دولتِ شہنشاہی ارجن کے تیر کی نوک پر لٹک رہی تھی تاہم وہ اپنے خویش و اقارب کے خون کی قیمت پر اُسے حاصل کرنا گراں سمجھتا تھا۔ مہابھارت میں جسقدر خون بہا ہوا اُس کا نقشہ اُسکی نظروں میں پہلے سے چکر کاٹ رہا تھا۔ لیکن وہ دنیاوی جاہ و حشمت کو لہو کی دھار کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا تھا۔ کیا یہ اُسکی بزدلی تھی نہیں ارجن کو بزدل کہنا پاپ ہے۔ یہ اُسکی مستغنی المزاجی تھی جو اہنسا و ہرم کا فطرتی نتیجہ ہے۔ جن کو نگاہ نہیں اُنہیں بزدلی اور سیرچشمی میں فرق نظر نہیں آتا۔ دوسری ایک اور پاک ہستی جو اُس زمانہ میں روحانیت اور شجاعت کا مجسمہ تھی۔ سری کرشن کے قالب میں چراغ ہدایت بنکر سامنے آئی۔ اور اُس نے سیاسی نقطۂ نگاہ سے جنگ کرنا فرض انسانی قرار دیکر ارجن کو جنگ پر آمادہ کیا۔ کیا کوئی اہل عقل سری کرشن کی تعلیم پر اہنسا کا الزام لگا سکتا ہے۔ یہ کہنا گناہ میں داخل ہے کہ ارجن جیسا شیر نر اور سری کرشن جیسا عارف کامل۔ دونوں اہنسا و ہرم کے پیرو نہ تھے۔ یا اہنسا و ہرمی ہونے کی وجہ سے بزدل تھے۔ اِن اہنسا و ہرم دھاریوں نے کیا کیا وہی جو انھیں اپنے فرض کی ادائیگی میں زیبا و واجب تھا۔ یعنی اپنے جائز مطالبہ کے لیے جی توڑ سنگرام کیا۔ بشمار گروہ عظیم کو تلوار کے گھاٹ اُتارا اور بالآخر دنیا کو دکھا دیا کہ اہنسا و ہرم دھاری بہادر اپنے جائز حقوق کو پانے اور ہنسائی بزدل گروہ کے پنجۂ غضب سے کس طرح آزاد کیا کرتے ہیں۔

مسلمان حملہ آوروں کی آمد سے پہلے میری خان حکومت آن ہندو راجاؤں

اُصول پر عمل کرو تب لازمی دنیا میں امن چین قائم ہو۔ اور یہ خارزار بیابان جہاں قدم قدم پر آبلہائے آرزو کے توڑ دینے کو یاس و حسرت کے موشگاف کانٹے بچھے ہوئے ہیں ایک فرحت بخش گلستان بنجائے۔

اکثر ناعاقبت اندیش اور کوتاہ خیال اشخاص میرے فطرتی اہنساوہرم کو بزدلی سے منسوب کرکے میری غلامی کا باعث تشخیص کرتے ہیں لیکن یہ اُنکا ضعفِ عقیدت اور خیالِ خام ہے۔ غالباً اہنساوہرم کے عدیم النظیر اور معجز طراز فلسفہ سے اُن کی ناواقفیت اور مادہ پرست فلسفیوں کے ساتھ عرصہ دراز تک اُنکی صحبت ہی اُنکی قوت فہم و ادراک کے مکدر ہونے کا سبب ہے۔

اہنساوہرم کو میری غلامی کا ذمہ دار ٹھیرانا اور اُسپر بزدلی کا الزام لگانا گویا مرد کو عورت۔ دن کو رات اور آفتاب عالمتاب کو ذرۂ خاک بتانا ہے۔ جس مہابھارت نے ابتدائے عہد سے علم و ہنر کا خاتمہ کردیا۔ ہمیشہ کے لئے میری مردانگی اور بہادری کا نام و نشان مٹادیا اُس کا سبب اہنساوہرم نہ تھا۔ بلکہ کوروں کی اہنساوہرم سے برگشتگی اسکی اصلی وجہ تھی۔ جنھوں نے بے پاکھگی سمجھکر غریب پانڈوں کے ساتھ بے ایمانی کرنا چاہی۔ اُنکے جائز حق کو ناجائز طریقوں سے غصب کرنے کا اعادہ کیا اُنکے واجب مطالبہ کو نازو تجبر سے ٹھکرایا۔ اور اُنکی لب کشائی پر زعم و تکبر سے اعلانِ جنگ کردیا۔ کوروں کے اِن جذبات ناشائستہ کو جو مہابھارت کا اصلی سبب تھے بنسا کہتے ہیں۔ اگر کوروں کو اہنساوہرم کے اُصول کا اتباع پسند ہوتا تو بیکس پانڈوں کی دل آزاری کا نارواہتیہ نکرتے۔ اپنے چچازاد بھائیوں کی حالت زار پر رحم کھاکر اُنکے جائز حقوق سے اُنکو مستفید کردیتے۔ لیکن واہ رے پانڈو مردان جری!

ڈالا۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں نے ناک میں دم کیا اور بالآخر سلطنت انگلشیہ کا یہاں سکہ جما دیا۔ اب اسی کے سایۂ عاطفت میں جیتا ہوں۔ اپنی اولاد کے کرتوت پر کف افسوس مل مل کر خون کے گھونٹ پیتا ہوں۔ میں کیا تھا کیا ہو گیا اور کیوں ہو گیا میری تیرہ بختی کے ان واقعات سے تاریخوں کے ورق سیاہ ہوئے پڑے ہیں۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور میری بربادی کے وجوہات معلوم کر سکتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں بھی گروہ انسانی کی فرقہ دارانہ کشمکش نے امن و اتحاد کے کرۂ باد کو جسقدر زہریلا بنا رکھا ہے اور زمین کے گوشہ گوشہ میں خود غرضی اور مطلب پرستی کا جو شِ جنوں ہر ملک و ملت کے دماغ کو پریشان کن ہو گیا ہے وہ کسی اہل ہوش سے پوشیدہ نہیں۔ ایک طرف دنیا کی ملوکیت پرست اقوام نے طاقت کو حق مان کر اخلاق کو انکی زندگی کے دائرہ کو تنگ بنانے اور اسکی وسعت کو نابودی کے مرکز پر محدود کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ دوسری طرف زیردست طبقہ نے آزادی کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر زبردستوں کے ظلم و تعدی سے جلد سے جلد نجات پانے کا شور مچا رکھا ہے۔ یہی جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ چاروں طرف بدامنی اور بے چینی کا عالم طاری ہے۔ اطمینانِ قلب کسی کو حاصل نہیں۔ ہر ایک ملک کو مزید ملک گیری کی فکر۔ صاحب ثروت کو مزید حصول دولت کی ہوس اور اہل اقتدار کو مزید قدر و منزلت کی خواہش نے ابھار دیکر ایک کو دوسرے کی گلو تراشی پر آمادہ کر رکھا ہے۔ لیکن اے حضرتِ انسان! "کار بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان کو" خود تیرے خود غرضانہ رویہ نے یہ طوفان بے تمیزی اٹھایا ہے جس سے میرے سر پر غلامی کا آسیب چھایا ہے۔ کاش تجھے عقلِ سلیم عطا ہو۔ تو اپنے فرض منصبی کو سمجھے اور میرے اہنسا دھرم کے ہر دلعزیز

تمام نظام سلطنت کو تہ و بالا کر کے میری شان شاہی کو خاک میں ملا دیا اور ہمیشہ کے لئے مجھے تباہی کی گود میں بٹھا دیا۔ نسل آیندہ نے اس سے بھی زیادہ غضب یہ ڈھایا کہ سنے اپنے بزرگوں کے نامۂ اعمال پر مُہر جواز ثبت کرنے کے لیئے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا بھی خون بہانے کا فتویٰ لگایا۔ بقولیکہ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" شجاعت کا یہی ایک شعبہ باقی بھی رہگیا تھا جس پر بھارت کے نقصان کی تلافی اور آیندہ کی بہبودی کا انحصار تھا۔ یگیہ میں زندہ جانوروں کی بلی دیگئی اور خون اور گوشت جیسے پاک پدارتھوں سے اگنی دیوتا کی پوجا کی گئی۔ خوب! نواب کے دھوکے میں عذاب کمایا اور میرے ماتھے کلنگ کا ٹیکا لگایا۔ بے زبان جانداروں کے خونِ ناحق سے زمین لرزی۔ آسمان گونجا۔ مہاتما بدھ اور بھگوان مہاویر نے اس ناگفتہ بہ حالت زار پر رحم کھایا۔ ان بیگناہوں کی قربانی کے انسداد کا بیڑا اٹھایا۔ اور اہنسا پرمودھرم کے جھنڈے کو سر بلند لہرایا۔ خلقت کے آزار کو مٹایا۔ پرامن رویہ کا سبق سکھایا جس سے یہ ابھی دم میں دم آیا۔ میری سرزمین پھر پہلے سے لعل بہا اگلنے لگی۔ اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک فرحت بخش و جانفزا ہوا چلنے لگی۔ راجواج اور پرجا چین ہونے لگا۔ مہاراجہ اشوک۔ اور چندر گپت کے عہد حکومت اسکے شاہد ہیں۔ یہ امن و امان کا زمانہ تقریباً پندرہ سو برس تک گذرا۔ اس کے بعد پھر مصیبت کے بادل سر پر منڈلانے لگے اور بادِ سموم کے جھوکے آنے لگے۔ پرتھی راج اور جے چند کی کاوش قلبی نے جنگ و جدل کی سلسلہ جنبانی کی۔ مسلمان حملہ آور وں کو پُرجوش دعوتیں دی گئیں۔ انکے ذریعہ مال و دولت کی غارتگری کرائیں اور خون کی ندیاں بہائیں غرضکہ جن کو آغوشِ محبت میں پالا۔ انہوں نے ہی میری گردن میں طوقِ غلامی

اوم

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

میری کہانی اور میری ہی زبانی۔ کہتا ہوں تو دل لرزتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے لیکن چُپ بھی نہیں رہا جاتا۔ میرا خاموش رہنا بھی میرے لئے وبالِ جان اور مزید مصیبت کا پیش خیمہ ہے "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کے گرداب تفکر میں غوطہ کھاتا۔ اور مُردوں کی جان کو روتا ہوں۔ مجبوراً اپنی سرگذشت زبانِ قلم پر لاتا ہوں اور سطح کاغذ پر سیاہ آنسو بہاتا ہوں۔

سنیئے! ایک زمانہ تھا کہ تاج الملوک میرا نام تھا۔ اب مجھے غریب ہندوستان کہتے ہیں۔ پہلے میں ہفت اقلیم کا بادشاہ تھا لیکن اب محض غلام ہوں۔ زمانہ شہنشاہیت میں میری شوکت و عظمت کا طوطی بولتا تھا۔ دولت و ثروت کا نقارہ بجتا تھا۔ صنعت و حرفت کا بول بالا اور علمیت و فضیلت کا چہار دانگ عالم میں اُجالا تھا۔ علم روحانیت میری جان۔ اور میری سرزمین جواہرات خود شناسی کی کان تھی۔ میں دنیا بھر کا مایۂ ناز۔ اور اسبابِ عالم کا کارساز تھا۔ دُور دراز سے لوگ میری زیارت کو آتے تھے۔ اور محض میری قدمبوسی سے اپنی ہستی کو مبارک سمجھتے تھے۔ مگر تا بکے "ہر کمالے را زوالے" فلک ناہنجار کو میرا یہ عروج پسند نہ آیا۔ ہوا نے رُخ پھیرا۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ فوراً کمبخت پھوٹ نے یہاں قدم آجمایا۔ زر۔ زمین۔ وزن کی ہوس باطل نے دل و دماغ میں ٹھکانا پایا۔ بس پھر کیا تھا۔ آپس میں خوب مہا بھارت مچا۔

کوروں۔ پانڈوں کی باہمی جنگ عظیم نے نام لیوا اور پانی دیوا باقی نہ چھوڑا۔

اعلان

سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی جین مترمنڈل دہلی کیجانب سے چار عنوانوں پر مضمون نگار صاحبان کو طبع آزمائی کی دعوت دی گئی تھی۔ منجملہ اُنکے ایک عنوان "اہنسا دہرم پر بزدلی کا الزام" تھا۔ ہمکو اس امر کا اعلان کرنے میں بیحد مسرت ہوتی ہے کہ اس سرخی پر ملک ہندیا غیر ممالک کے کسی اہل قلم کو اہنسا دہرم پر بزدلی کا الزام بجا ثابت کر دینے کی ہمت نہیں ہوئی یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنی شہرت حاصل کرنے کا آرزومند ہو کر "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے مصداق پر تذکرۃً کچھ کہہ جائے یا لکھ مارے لیکن ایسی ظاہر اغلط بات کو عوام میں صولاً یا دلائل ثابت کرنا ہر شخص کے لئے کارے دارد کا مضمون تھا۔ چنانچہ کوئی ایک مضمون بھی ہمارے پاس ایسا نہیں آیا جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے کہ ساری دنیا میں کوئی ایک متنفس بھی ایسا بقید حیات ہے جو عالم بقا رسانی (اہنسا) کے روحانی جوہر کو بزدلی کے ناپاک الزام سے روگردان کرنے کی خفیف کوشش بھی کر سکتا ہو۔ برخلاف اسکے ہمکو اس عنوان پر متعدد مضامین ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں مختلف طریقوں سے اصول اقوال و دلائل کے حوالے سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ عدم ایذا رسانی کے پاک اصول پر بزدلی کا الزام لگانا ایک تعصبانہ اور مکروہ حملہ ہے۔ اس عنوان پر جو مضامین ہمکو وصول ہوئے انکی جانچ ٹریکٹ کمیٹی کے ممبران نے منصفانہ اور نقادانہ نظر سے کر کے جین قوم کے مشہور جادو رقم اور مستند اہل قلم بابو شب لعل صاحب جین مختار عدالت بلند شہر کا مضمون اوائگی مطالب۔ طرز بیان اور نیز شستگی زبان کے لحاظ سے بہترین قرار دیا اور شرائط اعلان کے مطابق مضمون نگار صاحب کو سند اعزازی (ان تیرہ) پیش کیا جانا تجویز کیا۔ ہم اس کامیابی پر بابو صاحب موصوف کو دلی مبارکباد دیتے ہیں اور انکے منتخب اور قابل قدر مضمون کو بجنسہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ امراؤ سنگھ جین۔ سکرٹری مترمنڈل دہلی۔

جین مسترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۵۶

اہنسا دھرم پر بزدلی کا الزام

از قلم جادو رقم جناب بابو شب لال صاحب جین مختار عدالت
کلکٹری بلند شہر

جسکو

جین مترمنڈل دہلی دریبہ کلاں نے شائع کیا

ویر نروان سمت ۲۴۵۵

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا

قیمت ۱؎

فلاکت ریکبی - رنج و تعب ہے
شکایت بر زبان شکوہ بہ لب ہے

ہماری آج کیوں طاقت سلب ہے
ہمارا قلب کیوں سکہ قلب ہے

نیم آچار بگڑے آج سارے
ہوئے ہیں مغربی فیشن ہمارے

پرائے ڈھونڈتے ہیں ہم سہارے
پڑے ہیں شاستر کو نوٹیں بچارے

مگر وہ ہیں جہاں میں سدھ پیارے
سدا جو شاستر مریادائیں دھارے

ترگن نے نقشۂ عالم جمایا
ترگن کی ہے یہاں لایب مایا

ترگن سارے چراچر میں سمایا
ترگن نے بھاؤ نیک و بد بنایا

ترگن کی ہے بڑی ہی دیر گھچایا
اہنسا دھرم بھی بچنے نہ پایا

اگر بھے سے اسے کوئی رنجائے
سو کشت موذیوں کو گر بنائے

کریں جو ظلم اُنکو بھی بچائے
نہ دیکر ڈنڈ من اُن کا بڑھائے

تموگن کی اوسکتا وہ دکھائے
اہنسا تامسی اُس کی کہائے

اہنسا کو نبھانا آرزو سے
حصول آبرو کی جستجو سے

بناؤ شو اس کوری گفتگو سے
جتا کر کردگی اپنی غلو سے

کہائے راجسی ہی رنگ و بو سے
نہیں ہے گر یقیں پوچھو گرو سے

وچن سے کرم سے من سے سرہ
اہنسا پالنا یہ وِڑھ دھرا کر

بچیں ظلم و ستم سے سب چراچر
چلیں اُپکار کی رلیں فوارہ

مٹے دُکھ سکھ ملے سب کو برابر
اہنسا ساتوکی ہے یہ بھرا بھر

اگر ہو جائے یہ آدیش اپنا
اگر ہو جائے سچا دیش اپنا

اگر چھٹ جائے جنا لیش اپنا
اہنسا ہی اگر ہو کیش اپنا

تو مل مٹ جائے سارا کلیش اپنا
جہاں میں نام پائے دیش اپنا

تمت

وہی ہیں تو درشی جنکو سچا گیان ہوتا ہے وہ جیون مکت ہیں حاصل جنہیں نروان ہوتا ہے

مہاپرش اس جہاں میں ایسے ہی مہابیر سوامی تھے
جو ہر دوی روح کی رکھشا کے سچے دل سے حامی تھے

لڑکپن ہی سے سوامی پر تھا غلبہ یوگ کا طاری فضیلت دہرم کی پائی رہے پورن برہمچاری
سر و سامانِ دنیائے طبیعت کو تھی بیزاری کیا ترک تعلق و یکتائی کر کے تیاری

سمادھی کا لیا آنند تپ کرنے لگے بن میں
کیا نج روپ کا دیدار خود ایکانت سیون میں

لب اعجاز سے سبکو دیا مژدہ اہنسا کا بجایا محفلِ ہستی میں ڈنکا جیو رکشا کا
کیا پرچار ہر سو دہرم کا اور ستیہ وتی یا کا دیا پیغام انسانوں کو ذی روحوں کی سیوا کا

کلیشوں کو مٹا کر شانتی کی لہر پھیلا دی
مٹا دی برق دنیا سے سراسر طرز بیدادی

از جناب بابو جوگل کشور صاحب بمل - دہلوی -

کبھی تھا وقت جب بھارت ہمارا جہاں میں تھا عجب نادر نظارا
درخشاں تھا سعادت کا ستارا رواں تھی دہرم کی شفاف دھارا
نہیں تھا یہ کسیکو تاب و یارا ملائے آنکھ تک ہم سے بچارا
دشا بدلی ہوئی ہے آج ساری گھٹا ہیں رنج و غم کی آج طاری
گنوا کر لکشمی ہم ہیں بھکاری جہاں میں خوار ہے مٹی ہماری
خفا ہے آج ہم سے رب باری کہ گم کردہ اثر ہے آہ و زاری
ذرا سوچو کہ اس کا کیا سبب ہے کہ ہم پر آج یہ غیظ و غضب ہے

پلٹ دیتے ہیں جو پاپوں بھرا جیون نئے سر سے
کنارے پر لگا دیتے ہیں جو سنسار ساگر سے

مبارک ہیں جنھیں ہر پرم یکساں دوست دشمن ہے
کبھی ایذا نہیں دیتے بچن سے کرم سے من سے

ہمیشہ پریم کی دھارا بہتی رہتی ہیں تن سے
تڑپ مٹتے ہیں گر چوٹی بھی چھو جاتی ہے دن سے

مبارک ہیں جو دل میں دوسروں کا درد رکھتے ہیں
جو آنسو آنکھ میں اور لب پہ آہِ سرد رکھتے ہیں

مبارک ہیں جو پہنچاتے ہیں سب کو فیض روحانی
جو ظلمت کو مٹا دیتے ہیں مثل شمع نورانی

جو تیاگی ہیں جنھیں یکساں ہے تن پوشی و عریانی
برابر ہیں نظر میں جنکی آلام و تن آسانی

نہ وہ دلشاد رہتے ہیں نہ وہ غمگین رہتے ہیں
ہمیشہ دھیان میں پرم روپ کے لو لین رہتے ہیں

وہ کایا میں جو ہر ارحق و باطل سمجھتے ہیں
انہی کے مسائل عقدہ مشکل سمجھتے ہیں

جو ستر معرفت اور راز آب گل سمجھتے ہیں
سرائے دہر کو جو خواب کی منزل سمجھتے ہیں

بڑا گہرا ہے اُنکا فلسفہ جو سیادی ہیں
سمجھتے ہیں کہ کیا چیز میں ہر حادث کیا مادی ہیں

مبارک امن کا دنیا کو جو پیغام دیتے ہیں
نوید عیش و عشرت ہر خاص و عام دیتے ہیں

جو مژدہ کامیابی کا پئے ناکام دیتے ہیں
شراب معرفت کے بے طلب جو جام دیتے ہیں

بتا دیتے ہیں اصلی گیان کا آدرش کیا شے ہے
اُترتا ہی نہیں جس کا نشہ وہ کونسی مے ہے

مبارک ہیں جنھیں پرلوک کا بھی دھیان ہوتا ہے
سراپا جن کا جیون دھرم پر قربان ہوتا ہے

بچہ بچہ آج بھارت ورش کا مسرور ہے
رنج و غم کا نام تک دل سے کوسوں دور ہے

پھول برسائے نہ بام چرخ سے کیوں آج بھی
شاہِ جنت کے لئے بھگتی کا یہ دستور ہے

وقت یہ اُس مہرسوامی کی ولادت کا ہے جو
نامور دنیا میں ہر آفاق میں مشہور ہے

جسکا بچپن خوابوں سے بھی تھا مہر و شفقت کا لوک
ڈنک کھا کر بھی بچا تا جو تنِ زنبور ہے

مردہ روحوں میں بھی پیدا کرے آثارِ زیست
کس قیامت کی صدا ہے یا کہ بانگ صور ہے

تارکِ دنیا ہوا حشمت کو ٹھوکر مار کر
کیا ہوس دولت کی استغنا سے دل معمور ہے

بے نوایان جہاں پر دیکھ کر اُس کا کرم
اب زبانِ حال سے ہر بے زبان مشکور ہے

اُسکے فیضِ عام سے جھول کرا ے دل کچھ سیکھ
کیوں بڑوں کے کام پر بیکار تو مغرور ہے

کام والی کیلئے نشکام ہو کر کام کر
کامیابی کام میں انسان کے مستور ہے

جہل کی تاریکیاں بھی گر نہ تجھ سے مٹ سکیں
ہے تباسل کام کا اختر ترا یہ نور ہے

از جناب افتخار الشعراء مہاراج بہادر برق۔ بی۔ اے۔ دہلوی

مبارک ہو مبارک جنمتی مہاویر سوامی کی
جہاں میں آج تک شہرت ہے جسکے نام نامی کی

زباں پر سبکی مہما ہے اہنسا کے پیامی کی
رعایت کی تعفف کی صدق کی شیریں کلامی کی

وہ جیون مکت ہیں زندہ جاوید مرنے پر
ہے قایم جن کا یش پچیس صدیوں کے گذرنے پر

جہاں یوگی ہیں وہ جو ستیہ کا پرچار کرتے ہیں
نفس کو جیت کر جو جگت کا اوپکار کرتے ہیں

مبارک ہیں وہ جو شکام پرا پکار کرتے ہیں
جو بنکر ناخدا اوروں کا بیڑا پار کرتے ہیں

ظلمتِ دیں کے لئے بدرالدجی پیدا ہوا — صورتِ آدم گویا نورِ خدا پیدا ہوا
جو کہ اوصافِ نکو سے سربسر معمور ہے
مژدہ تولید اسی کا آج نزدیک و دور ہے

ضوفشاں روشن چراغ خانۂ امید ہے — ہے شب قدر آج کی شب روز روز عید ہے
مرجع ہر گوش اس کا مژدۂ تولید ہے — اسکے رخ کا ہر نظر کو اشتیاق دید ہے
خانۂ دل اسکی یادِ خیر سے معمور ہے
ہر زباں پر اسکی ذاتِ پاک کا مذکور ہے

ہوم کے آتشکدوں میں آبیاری کے لئے — زندہ قربانی پہ شغل آہ و زاری کے لئے
مذہبی تبلیغ کی عاجت براری کے لئے — اور اہنا کی بنا پر دینداری کے لئے
جنے آقا جسم خاکی میں کیا منظور ہے
آج اسکے نور سے معمور کنڈلپور ہے

ہے محیط قلب جان احسانِ عالی بیرکا — ہر نظر میں ہے جمال ذاتِ سامی بیرکا
یاد آئیگا درخشان نام نامی بیرکا — قابلِ نسیاں نہیں اہم گرامی بیرکا
بندگی پر اسکی ہر جن و بشر مجبور ہے
دین میں محسن پرستی کا یہی دستور ہے

از جناب بابو چندولال صاحب۔ بی۔ اے۔ آختر۔ دہلوی

چپہ چپہ کیوں زمیں کا جلوہ گاہِ طور ہے — آج کسکے نور سے معمور کنڈل پور ہے
پتہ پتہ باغ عالم کا نشہ میں چور ہے — سرو بیخود ہے کہیں سوسن کہیں مخمور ہے

از جناب بابو بھولا ناتھ صاحب جین درخشاں بلند شہری

آج کس بہجت سے عرشِ عنبریں مسرور ہے
بادۂ فرحت سے کیوں بادِ صبا مخمور ہے
طبقۂ انوار کس کے حسن کا مشکور ہے
آج کیوں ہر ذرۂ خاکِ زمیں پُر نور ہے
کس کے ظہورِ پاک سے روشن چراغِ طور ہے
آج کس کے نور سے معمور کنڈلپور ہے

کیا تنِ خاکی میں طالع بدر کامل ہو گیا
کیوں شگفتہ آج اس کا غنچۂ دل ہو گیا
مدرۂ کیوں جانبِ تسکین مائل ہو گیا
کس کی ماں بننے کا سارا فخر حاصل ہو گیا
کس لئے جامِ مسرت میں ترشلا چور ہے
کیا امید اس کی بر آئی کس لئے مسرور ہے

قلعۂ شاہی پہ جیل قدسیاں آیا ہے کیوں؟
پھول برسایا ہوا شاہِ جناں آیا ہے کیوں؟
گیت گاتا مجمعِ کروبیاں آیا ہے کیوں؟
آج کیا باعث زمیں پر آسماں آیا ہے کیوں؟
آج کیوں ایوان سر تا سر تھرا پا نور ہے
استماں بوسی کو حاضر کس لئے تنبور ہے

جم رہی ہیں جا بجا بزمِ طرب کس واسطے؟
ہر گلی کوچہ کی سج دھج ہے عجب کس واسطے؟
شادیانے بج رہے ہیں کیا سبب کس واسطے؟
کو بکو بٹنے کا ہے شور و شغب کس واسطے؟
اس لئے شاید دلوں کی تیرگی کافور ہے
شہر سارا جلوہ گاہ و شاہد مستور ہے

کشتیِ بحرِ جہاں کا ناخدا پیدا ہوا
گمرہاں راہِ حق کا رہنما پیدا ہوا

ایضاً

چرخ سے جلووں کی بارش ہے برستا نور ہے
وہ تجلی ہے کہ دامانِ زمیں معمور ہے
آج قدرت کو بھی زیبائش نئی منظور ہے
ذرّہ ذرہ خاک کا گویا چراغِ طور ہے
نام جس کا زمینوں کو مرہم کافور ہے
آج اُسکے نور سے معمور کنڈل پور ہے

آج وہ دن ہے ہوا مہاویر سوامی کا جنم
جسکے ہیں اوصاف اعلیٰ لوحِ ہستی پر رقم
کیقلم جس نے مٹا دی دہر سے رسمِ ستم
کر دیا جس نے بلند آکر اہنسا کا علم
رحم بنکر آگیا قربانیوں کے دور میں
پریم کا تھا رنگ اُسکی ہر ادا ہر طور میں

امن کا پیغامبر تھا وہ زمانے کے لئے
خاک اُفتادوں کو آیا تھا اُٹھانے کے لئے
غمزدوں کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے
کرم کے بندھن سے جیووں کو چھڑانے کے لئے
راہبر بنکر دکھائی موکش کی منزل ہمیں
مِل گیا قسمت سے کیسا مرشدِ کامل ہمیں

فلسفے کی جان ہے اہنسا جو اُپدیش ہے
قدر اسکی جانتا ہے جو عقیدت کیش ہے
ہوسِ لاجیووں کی رکھشا بس یہی اودیش ہے
ورنہ منزل تو فنا کی ہر گھڑی درپیش ہے
متر منڈل کا ہے یہ پیغام دنیا کے لئے
جمع نیک اعمال کی دولت ہو عقبیٰ کیلئے

تتلیس سے ہنسا کی جس کا نیشہ دار ہے
نام خونریزی ہے جسکا رنگ رُخ کافور ہے

تن حواس اور دل پہ قابو یافتہ منصور ہے
"تیاگ" کی لذت سے بے بہرہ سر مغرور ہے

جین مت اپنی جگہ اک شربت انگور ہے
وہ چکھے اسکو جو سب لذات سے مہجور ہے

جین مت شیوہ مردانگی مقصود ہے
بہ غلط ہے خود بسندی میں غرض محصور ہے

مرکز قوت ہے دل نا نفس طنبور ہے
اور ارادت زخمہ ہائے علم کی مشکور ہے

علم تکیا کی نظر سے متر کی غیبت دور ہے
مرد و زن ساحر مسیحی ہیں گدا فغفور ہے

جناب لالہ شیر سنگھ صاحب جین۔ نازؔ۔ دہلوی

آج کسکے دم سے روشن شہر کنڈل پور ہے
ذرہ ذرہ اس زمیں کا رشک شمع طور ہے

چل رہی ہے وہ ہوا میں کیسی نشاط افزا ہوا
مے کے بدلے ساغروں عیش سے معمور ہے

کون ہے رشک مہ و خورشید مہمان نظر
خیمہ زن ہر سو فضا میں آج موج نور ہے

طالبان دید ہیں سرشار شوق دید میں
بادۂ رنگ محبت سے ہر اک مخمور ہے

نور افگن پر تو قدسی ہے کسکا یہاں
داغ دل بھی آج تو رشک چراغ طور ہے

مژدہ عشرت فزا لائی صبا کس طور سے
رنج و غم سب کے دلوں سے آج کوسوں دور ہے

ترشلا دیوی مہارانی کا فیض عام ہے
آج اسکے نور سے معمور کنڈل پور ہے

نازؔ دنیا کو سبق جینے اہنسا کا دیا
دامن نظارہ جسکے نور سے معمور ہے

مشاعرہ

طرح

آج کیسے نور سے معمور کنڈل پور ہے

جناب پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ دہلوی

جلوہ سامان پیکرِ عالم میں حسنِ عور ہے — اک تجلّی پردہ ہائے راز میں مستور ہے
قلبِ انساں جلوہ ہائی حسن سے معمور ہے — عنصری خاکی میں متجلی سراپا نور ہے
پردہ دارِ حسن کو جلوہ نیا منظور ہے
انکشافِ راز بست و چار پر مجبور ہے

مطلعِ خورشید ضو رخاکِ کنڈل پور ہے — خانہ سادھار تھ میں روشن چراغِ طور ہے
ترشلا دیوی یہاں دیدار سے مسرور ہے — سحر چشم تیر تھنکر سے جہاں مسحور ہے
اک مہاویر زماں وہ صاحبِ مقدور ہے
جسکی قوت سے دلِ پل پل رواں رنجور ہے

وصف میں جسکے قلم قاصر زباں معذور ہے — اسکی پیدائش کا اُلستوتین دن مامور ہے
ہند میں اس جشن کا چرچا قریب و دور ہے — جمع ہو کر سب مناتے ہیں یہی دستور ہے
جسکے نرواں کا صحیفوں میں جہاں مذکور ہے
تیرتھ تعلیم اہنسا کا بیاں مسطور ہے

منی تھا۔ جب وہ لوگ جابرانہ طریقہ سے غنیم بنکر اسے کچلنے کے لئے آئے ہندا کا راج ہوگیا۔ جب ہماری غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں گی ہندوستان پہلی حالت میں آجائے گا دیا دھرم کا جھنڈا لہرائیگا۔ اُس وقت اہنسا ہوگی۔ ادھرم کو دھرم ماننا بھی اہنسا ہے ادھرم کا مٹانا او دھرم کا پرچار کرنا اہنسا ہے چاہے قصاب ہی جیو گھات کرنا پڑے۔ رامائن اور مہابھارت کے واقعات اسکے گواہ ہیں۔ نفس پروری کے لئے کسی کا جی دکھانا بھی پاپ ہے۔ اول انسانوں میں محبت ہونا چاہیئے۔ جسکو انسانوں سے محبت نہیں حیوانوں پر کیا مہربانی کرے گا۔ جس طرح ثابت ہیرے کے مقابلہ میں پہل دار ہیرا زیادہ ورانی اور قیمتی ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوستانی دھرم میں بھی مختلف سدھانتوں سے ہل گئے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ زیادہ باوقعت اور قابل قدر ہوگیا ہے۔ اب بھی ہندوستانی فلسفوں کو دوسرے ملک والے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ انکے سمجھنے میں زندگیاں ختم کر دیتے ہیں۔ ہندوستان چاہے بالکل غارت ہوجائے ایک وجدانی فلسفہ جسکی بنیاد اہنسا پر رکھی گئی ہے۔ اور جسکی چوٹی مسرت دائمی کی فضا میں ہی ہے فنا نہیں ہوسکتا۔

بعد ازاں راجہ جوہیر پرشاد صاحب نے جناب صدر کی خاص اجازت سے ولی کے مرد اور عورتوں کے فیشن اور یہ پلیٹ دیکھتے ہوئے زمانہ کی رفتار پر آجانے کی نصیحت کی اور بتایا کہ سنگار رس کے بغیر نہیں ہیں۔ اب ہیرس پیدا کرنے کی ضرورت ہے اسکے بعد پروفیسر ہومی صاحب نے بھجن اور باکیادی گائی اور سب کے کھڑے ہوکر ہیرا شنگ پڑھا پھر جیکاروں کے ساتھ ایک بجے اِت کو جلسہ برخاست ہوا

ہنسا ہوتی ہے۔ دین کے کاموں میں ہنسا ہوتی ہے۔ اہنسا کی قدر کسی کی نگاہ میں نہیں ہے۔ یہ وہ باریک مسئلہ ہے جسکے اندر سارے یم نیم برت۔ دھرم اور سادھن مخفی نہیں بلکہ نمایاں ہیں مجھے اس پلیٹ فارم پر اگر کوئی خوشی ہوئی ہے تو یہ ہے کہ مترمنڈل نے تمام مذہبوں کو ایک جگہ بلا لیا۔ یہ محبت باہمی اہنسا ہے۔ جب دلوں میں محبت اور تعظیم کا خیال ہوتا ہے تو کسی حکومت کی ضرورت نہیں ہوتی مندروں اور مسجدوں میں کوئی نہیں تھوکتا۔ کیوں؟ کیا وہاں کوئی تعزیرات ہند رکھی ہے؟ یا سزا دینے کو کوئی مجسٹریٹ بیٹھا ہے؟ صرف اُس جگہ کی محبت اور عظمت دلوں کے اندر ہے جو خود ہم کو بیجا حرکتوں سے روک دیتی ہے۔ بس اہنسا دھرم ہی ہمکو یہ سکھلاتا ہے کہ باہم محبت اسقدر ہو جائے کہ ہمکو بیجا ئیت سے روکنے کے لئے پولیس فورس کی ضرورت نہ پڑے۔ یہ آزادخیالی ہی اہنسا کا سچا سروپ ہے۔ مہاویر سوامی نے جب جنم لیا تھا یگیوں میں پشو وِدھ ہوتا تھا۔ اُنہوں نے اُسکو بند کیا اہنسا کا سکہ جمایا۔ اُسکے پیروآج نرمیدہ میں امداد کرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ کیا انہوں نے اہنسا دھرم کو شطرنج کا مہرہ تصور کیا ہے کہ شاہ وزیر۔ گھوڑا۔ پیادہ کہکر کھیل لیئے اور جی خوش کرلیا۔ نہیں اب حقیقت کو نصب العین بنانا ہوگا۔ صداقت سے عمل کرنا ہوگا۔ تب ہی اہنسا دھرم کا پالن ہو سکے گا۔

اِسکے بعد دیاساگر پنڈت بابو رام جی کی عالمانہ تقریر اہنسا دھرم پر ہوئی آپنے فرمایا کہ واقعی جبتک ہماری نظر دوسروں کے رحم پر ہے ہم کسی پر رحم نہیں کر سکتے۔ نہ دیا دھرمی بن سکتے ہیں۔ اہنسا کا آسن سب سے اعلیٰ ہے۔ اِس کا سبق لینے کے لیئے دیگر ممالک کے بادشاہ شاگردانہ حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ اُس وقت راج اہنسا

ہے اسکے اختیارات بھی محدود ہیں۔ یہ جگہ اُس گورنمنٹ کی حکومت میں ہے جو نرمیدہ کی تیاریاں کر رہی ہے۔ یہاں آکر میری بھی طاقت محدود ہے۔ اہنسا دھرم غیر محدود ہے وہ آزادی کا سبق دیتا ہے۔ بندھنوں سے چھوٹنے کی ہدایت کرتا ہے۔ جینیوں نے اہنسا دھرم اختیار کیا ہے۔ انھوں نے رواجات کی قید کو توڑا۔ سماج کی بندشوں کو توڑا سیاسی حدود کو توڑا۔ دلی جذبات کے مدوجزر کو توڑا۔ کرم اور آتما کے تعلق کو توڑا ہمیشہ کے لئے آزاد ہوئے مسرت جاودانی پائی۔ کہتے ہیں کہ پنچم کال میں مکتی نہیں اس کال کا حساب گھڑی، گھنٹوں، دن اور سالوں میں نہیں۔ بلکہ کیفیات موجودہ پر ہے۔ جب ملک آزاد نہیں ہوتا۔ نہ ملک والوں میں آزاد ہونے کی طاقت ہوتی ہے۔ بیرونی بندشیں ملک اور ملک والوں کو جکڑے ہوئے ہوتی ہیں۔ اسکو پنچم کال کہتے ہیں۔ اس زمانے میں دھرم کی پراپتی نہیں ہوسکتی۔ قول اور فعل میں صداقت نہیں آسکتی۔ مکر و فریب جھوٹ رحلت عملی، اور بوالہوسی آتما کے خواص بنجاتے ہیں۔ ایسی آتماؤں کو مکتی کا سادھن ممکن نہیں۔ بلا تصدق دلی بلا عقیدہ محض رسم کے طور پر دھرم کو پاتے ہیں۔ یہ دکھاوٹ ہے اصلی دھرم نہیں۔ اس نمائشی دھرم سے مکتی نہیں ہوسکتی۔ اہنسا کی فلاسفی کو محض سمجھ لینا نجات کا باعث نہیں۔ جبتک اس پر بے خوفی کے ساتھ عمل نہ کیا جائے۔ مہاویر سوامی یعنے بیر بھگوان نے خود عامل ہوکر اہنسا کا پرچار کیا۔ پہلے خود آزاد ہوئے تب اوروں کو آزاد کردیا انکے ہزارے شارے سے اہنسا کا چار دانگ عالم میں جھنڈا لہرا گیا۔ اب روز جلسے ہوتے ہیں۔ اہنسا کے اُپدیش دیئے جاتے ہیں لیکن اثر نہیں ہوتا۔ برابر ہنسا ہوتی ہے۔ راج کیطرف سے ہنسا ہوتی ہے پرجا بھی ہنسا کرتی ہے۔ دنیا کے کاموں میں

رہتی ہے۔ راجہ کی ترقی اور خیریت کی دعا مانگتی ہے۔ اگر راجہ پرجا کا جی دکھاتا ہے تو وہ ہنسا کرتا ہے۔ اس میں محبت نہیں رہتی۔ پرجا راجہ کے ناش کی دعا کرتی ہے۔ راج نشٹ ہو جاتا ہے۔ ظلم اور زبردستی کرنے سے حکومت نہیں ہوتی۔ پرجا کے خوش کرنے ہی سے راجہ بھی خوش رہتا ہے۔ اہنسا دھرم کے اندر جین۔ بودھ اور ہندو راجہ ترتھنکر اور چکرورتی تک کروڑوں برس بھارت میں شاسن کرتے رہے۔ انکا راج اہنسا کی وجہ سے نشٹ نہیں ہوا۔ لیکن جب راجہ پرجا میں کاوش ہوگئی۔ ایک دوسرے کا بدخواہ ہوگیا۔ راگ دویش کی بھاؤناؤں سے ہنسا کا خیہ مقدم کیا گیا۔ ایک دوسرے کا جی دکھانے لگے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری شہنشاہی غارت ہوگئی۔ بھارت راج کا ناش اہنسا سے نہیں ہوا۔ بلکہ ہنسا سے ہوا۔ اہنسا دھرم تو آتما کا جوہر ہے۔ جوہر ایک کو حاصل کرنا چاہیئے۔

اسکے بعد مسٹر اندرسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر ہندو کالج نے اہنسا پر لکچر دیا۔ آپنے فرمایا کہ تعصب اور رغبت و نفرت کے جذبات سے دوسروں کی دل آزاری کرنا ہنسا ہے۔ جو دل و جسم و زبان سے کی جاتی ہے۔ ہر ذی روح کو زندہ رہنے کا ہماری مرح حق حاصل ہے اسکے حق اور اسکی ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے۔ اسکو امن و آسایش اور آزادی و بے خوفی کی آب و ہوا میں رہنے دینا ہمارا انسانی فرض ہے اور فرض کی ادائیگی اہنسا ہے۔

بعد ازاں مہاتما بھگوان دین جی نے نہایت آزادانہ اور بے باکانہ اپنا دیا کھیان دیا۔ اور سیاسی نقطہ نگاہ سے ثابت کیا کہ اصلی اہنسا دھرم کیا ہے اور اس زمانہ میں کس طرح اسکو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ آپنے فرمایا کہ یہ جلسہ مترمنڈل کا محدود ہے اسکے ذرائع و مقاصد بھی محدود ہیں۔ ایک ملازم سرکار کی صدارت میں یہ جلسہ ہونا

بعد ازاں پروفیسر اوپندر ناتھ ڈاکٹر کا اہنسا دھرم پر واکھیان ہوا۔ انہوں نے بھاگوت اور دیگر ہندو شاستروں سے ثابت کیا کہ راگ دویش میں پڑ کر جس کا چت اشدھ ہو جاتا ہے وہ یم نیم کا پالن نہیں کر سکتا۔ اور اس وجہ سے یوگی بھی نہیں ہو سکتا جذبات نفسانی سے پرہیز کرنا اہنسا ہے۔ اہنسا ہی سے یوگ سادھن ہو سکتا ہے اور یوگ سادھن سے ہی مکتی کی پراپتی ہوتی ہے۔ اسی طرح پر اہنسا اور مکتی میں کارن اور کارج یعنی سبب اور نتیجہ کا تعلق ہے۔

مانس بھکشن "گوشت خواری" ہنسا ہے۔ مانس کے معنے ہیں "وہ کھائے گا" یعنے جسے میں کھاتا ہوں وہ مجھے کھائیگا۔ اور جو کسی کا دل دکھاتا ہے اُس کا دل بھی دکھایا جائیگا جس کا شکار کیا جاتا ہے وہ شکار کرنے والے کا شکار کریگا۔ یا یوں کہئے کہ کوئی کسی کا شکار نہیں کر سکتا۔ خود اپنا شکار کرتا ہے۔ کوئی دوسرے کا مانس نہیں کھاتا خود اپنے آپ کو کھاتا ہے۔ نیتی شاستر میں لکھا ہے کہ زمین کو دیکھکر چلنا چاہیئے تاکہ پرماد (بے احتیاطی) سے کوئی پران گھات نہ ہو جائے۔

منوسنگھتا میں بھی اہنسا کو مہا پرم دھرم مانا ہے۔ اگر کسی سے ہنسا ہو جائے تو اسکو چھ مرتبہ پرشچت لینا چاہیئے۔ ہندوؤں کے کسی شاستر میں ہنسا کی آگیا نہیں ہے نہ گوشت کھانے کی اجازت ہے۔ پرماد سے ہنسا نہ ہونا چاہیئے۔ کرت کارت انودنا سے بھی ہنسا نہ ہونی چاہیئے۔ یہی سدھانت جین دھرم کا ہے۔ اہنسا دھرم جینیوں ہی کا نہیں بلکہ آریہ جاتی کا سدھانت ہے۔ سب کو حتی المقدور اس کا پالن کرنا چاہیئے۔ اہنسا سے بزدلی نہیں آتی۔ راج نشٹ نہیں ہوتا۔ اس سے پریم اور سنیہ پیدا ہوتا ہے۔ راجہ پرجا میں جب سنیہ ہوتا ہے تو پرجا راج پر پران نچھاور کرنے کو خوشی سے تیار

رات کو کارروائی جلسہ

زیر صدارت لالہ رلا رام صاحب جج خفیفہ دہلی ۸ بجے شروع ہوئی۔ بھجن منگلاچرن کے بعد برہمچاری پرم ساگر جی نے ایک ہندی نظم پڑھی جو ضمیمہ میں درج ہے۔ پھر بابو بھائی دیال صاحب بی۔ اے۔ بادلی کا جین دھرم کی صداقت روحانی طاقتوں کے انکشاف اور ابنشاد دھرم پر بزدلی کے الزام کی تردید پر نہایت پُرجوش اور بااثر لیکچر ہوا۔ اسکے بعد لالہ نیمی چند نے حسب ذیل نظم مبارکبادی گائی۔

کیا مبارک آج کا دن ہے زمانے کیلئے
یہ سوامی کی جینتی منانے کے لئے

متر منڈل نے کیا جلسہ کا یہ سب انتظام
بیر کے اُپکار ہم سب پر جتانے کیلئے

بھائیوں کو دعوتی بھیجے تھے خط نزدیک و دور
وقت تھا یہ جذبِ اُلفت آزمانے کیلئے

شکر ہے ہر سمت سے آئے یہاں کچھ لوگ کے
دید اور دادید کی حسرت مٹانے کیلئے

یہ سجاوٹ خوب مجمع خوب باتیں بھی ہیں خوب
نقش دل پر بیر کے احسان کرانے کیلئے

بغض و کینہ کو مٹا دو تو جینتی کا ہے لطف
گوش ہوش و ہوش محسن کے فنانے کیلئے

کیا ابنشاد دھرم دھاری کیا پجاری بیر کے
تیر تھوں پر بیٹھے ہیں جو خول بہانے کیلئے

شانتی دایک چت کو بیر کی ہے پرتما
بنگئی کارن وہی جھگڑے اٹھانے کیلئے

یاد ہے اُس پاک ہستی کی تو دل بھی پاک ہو
گھر بھی اچھا چاہیئے مہماں کے آنے کیلئے

آتما کرموں سے چھٹ کر بنتی ہے پرماتما
بیر کا جیون ہے یہ سر وہان لانے کیلئے

کہتی ہے بھگتی درخشاں بیر کے سن سن کے گن
وقف کر دو سر اُسی کے آستانے کیلئے

خرید کتب متعلقہ پرچار	۲۲ سنہ ۱۲ ۱۲
فرنیچر	سنہ ۱۲
ٹائپ خرچ	۱۲
کرایہ تانگا وغیرہ	۱۲
خرچ متفرقات	۱۲
میسرز انکل	۱۲
پیپل بنک میں جمع ہیں	۱۲
	سنہ ۱۲ ۱۲
بقایا نزد خزانچی	۱۲ ۱۲
	سنہ ۱۲ ۱۲

حساب مذکورہ کو باتفصیل سنکر حاضرین جلسے کوئی اعتراض نہیں کیا چنانچہ باتفاق رائے پاس کیا گیا ؛

(۳۵) بی۔ جے۔ سیٹھیا۔ (بیکانیر)
(۳۶) پنڈت۔ بیچر داس۔ جیورام (احمد آباد)
(۳۷) پنڈت چین سکھ داس جی۔ نیائے تیرتھ۔ کچامن۔
(۳۸) بابو رتن لال جی۔ سکرٹری۔ آل انڈیا بھارت ورشیہ اوگمبر جین
۳۹ پرشید۔ بجنور۔
(۴۰) بابو دیوانچند جی۔ منیجر پنجاب اینڈ کشمیر بینک لمیٹڈ (جہلم)
(۴۱) لالہ منوہر لال جی۔ بیرائھی۔ (ریواڑی)
(۴۲) بابو اجودھیا پرشاد جی۔ آنند شملہ۔

چھٹہ مصدقہ اڈیٹر

بقایا سابقہ	۱۰۶ ماہے ۶۹۴	خرچ جلسہ ہیرجنتی	لما ۸ ہے
آمدنی متعلقہ جلسہ ہیرجنتی	سالانہ ۱۰	چھپائی روئداد جلسہ جنتی	۹۷ ہے
فروختگی رپورٹ جنتی	۳۰ ہے	ٹریکٹ کھاتہ خرچ	۱۹ ہے
آمدنی از شدھ کھاتہ	۱۱ ہے	خرچ خیر مقدم ڈاکٹر ہیلتھ	۱۱ ہے
آمدنی از دان شادی وغیرہ	۳۰۲ ہے	خرچ خیر مقدم ڈاکٹر شہرنگ	۱۲ ہے
آمدنی از فیس ممبری	۱۴ ۶۶۹ ہے	تنخواہ چپراسی	۶۴ ہے
آمدنی از کھاتہ امداد و فروختگی ٹریکٹ	۱۳۳۲ ہے	خرچ ڈاک	۱۲ ہے
		اسٹیشنری	۱۰ ہے
میسرز انکل	۱۰ ہے	چھپائی متفرقات	۲۵ ہے

(۱۶) لالہ کنول۔ ایم اے سیشن جج دھولپور۔
(۱۷) رائے بہادر ہیرالال جی کٹنی۔
(۱۸) شری گنیش شنکر جی۔ وویا رتی (ڈیٹر پرتاب کانپور)
(۱۹) شری دلارے۔ بھارگیو۔ (اڈیٹر سدھا۔ لکھنؤ)
(۲۰) پروفیسر۔ ت کمبتو۔ (ودیالنکار گروکل۔ کانگڑی)
(۲۱) پروفیسر بتانڈو مومن۔ نھو پدھیائے۔ ایم۔ اے (بنارس)
(۲۲) پنڈت بگلسور۔ نظار سہارنپور۔
(۲۳) پنڈت گنگا پرشاد جی شاستری۔ لکھنؤ۔
(۲۴) بابو اجت پرشاد۔ بی اے۔ ایل ایل۔ بی۔ وکیل لکھنؤ۔
(۲۵) پنڈت۔ جگمار جی۔ شاستری۔ سوائی مادھوپور۔
(۲۶) سیٹھ رال مندجی۔ سبھی۔ (بھالرا پاٹن)
(۲۷) پنڈت۔ نرائن جی چترویدی (الہ آباد)
(۲۸) پنڈت ماتا پرشاد۔ شاستری۔ (بیکانیر)
(۲۹) پنڈت کنور لال جی۔ نیائے تیرتھ (بلرام۔ ضلع ایٹہ)
(۳۰) بابو جوتی پرشاد جی۔ اڈیٹر بھین۔ دیب (دیوبند)
(۳۱) اداسین تیاگی۔ پنڈت پنالال جی گودہا (اندور)
(۳۲) بابو رکھب داس بھین۔ بی۔ اے۔ وکیل (میرٹھ)
(۳۳) بابو کشوری لال جی۔ کشور (فرید کوٹ)
(۳۴) سوبھدرا دیوی۔ بی۔ ٹی۔ ڈی جرمن جہلا۔

اسکے بعد اصحاب بیرونجات کے جو پیغام اور سندیش ہندوستان اور دیگر ممالک سے مہاویر سوامی کے جلسہ سالگرہ کی مبارکباد ی اور منڈل کے ساتھ ہمدردی کے آئے تھے وہ پڑھکر سنائے گئے۔

(دیگر ممالک کے)

(۱) مسٹر ہربرٹ وارن صاحب (لندن)

(۲) مسٹر ہیرن ہوون صاحب (لندن)

(۳) مسٹر جارج گیرسن سوارے (لندن)

(۴) صاحبزادہ آرڈر اوف گولڈن ایج (لندن)

(۵) ہینری لے۔ اٹیکنسن۔ جنرل سکرٹری یونیورسل ریلیجیس صلح کانفرنس لندن

(۶) ایم۔ مرٹنس۔ ہیمبرگ۔ (جرمنی) (۷) پی جوس۔ ایس۔ بون (جرمنی)

(ہندوستان سے)

(۸) ڈاکٹر ڈی۔ کے۔ لدود۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پونہ۔

(۹) شری۔ ایم۔ آر۔ جیاکر۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

(۱۰) شری نیل کنٹھ داس۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

(۱۱) شری ہربلاس۔ شاردا۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

(۱۲) شری۔ ایم۔ ایس۔ جوشی۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

(۱۳) شری منی لعل۔ ایچ۔ اوانی۔ راجکوٹ۔

(۱۴) مسٹر ہیم چندرائے۔ ایم۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔

(۱۵) بھٹا چاریہ۔ پرنسپل۔ وشو بھارتی۔ شانتی نکیتن۔

ہے تو دل کو تڑپا دیتی ہے۔ اِن کا رنج و قلق ابھی دل سے نہیں بھلایا جا سکا تھا کہ ایک اور قابلِ قدر ہستی یعنے رائے بہادر مشر جگمن رلعل صینی ہم کو داغ مفارقت دے گئے۔ اُنہوں نے نہ محض قلمی و مالی امداد سے ہی اِس نونہال منڈل کی تربیت و پرورش کی بلکہ اسکے اُوپر ہمیشہ اپنا سایۂ عاطفت رکھکر فرائض پدری بجا لائے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اے بہادر مرحوم کی بے وقت جُدائی نے اِس ہمکین بچہ کو داغِ یتیمی لگا دیا۔ اِس صدمۂ جانکاہ کی تازہ ٹھیس سے اسکے ہر زخمِ جگر نے ناسور کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جس کا اندمال اُسوقت تک قطعی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ جبتک کہ اس ضعیف کم سن بچے کو رائے بہادر مرحوم کی مانند کوئی سچا باپ نصیب نہ ہو جائے۔

آدائے شکریہ

جن اصحاب نے منڈل کو وقتاً فوقتاً قلمی۔ جسمانی۔ اور مالی امداد دیکر اسکی مقصد براری میں سہولتیں پیدا کی ہیں اُنکے ناموں اور کارناموں کا شمار کرنا سیود ہے۔ اُن سیر چشم ہستیوں کو اسکی تمنا نہیں۔ اور ہم یہ دیکھکر کہ اُنکے اسمار گرامی منڈل کے صفحۂ دل پر نقش کالحجر ہیں اُنکے نام کاغذ پر سیاہی سے لکھنا اُنکی مقدس شخصیتوں کی توہین سمجھتے ہیں۔ تاہم آدابی رسم کے خیال سے اِس جلسہ عام میں ہم اُنکا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں اُمید ہے کہ منڈل کی جن صاحبان نے کسی قسم کی کبھی کوئی مدد کی ہے۔ وہ ہمارے اس زبانی شکریہ کو ہمارے ضمیر کے سچے جذبات تصور کرکے قبول فرمائینگے

(۴)

اشاعت کا ذمہ دار دہلی کا مترمنڈل ہی ہے۔

علاوہ ازیں مترمنڈل کے کام کو اور اسکی طرز اشاعت کو دنیا کے لوگ کسقدر اونچی نگاہ سے دیکھتے ہیں اِس کا بیان کرنا گویا اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا ہے۔ اِس امر حقیقی سے واقفیت حاصل کرنے کے مشتاق منڈل کے دفتر میں سینکڑوں ہندوستانی۔ یوروپین اور امریکن علم دوست۔ فلسفہ دان۔ اور عقیدت مند اصحاب کی تحریری رائیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جو منڈل کی ہر دلعزیزی کی زندہ شہادتیں ہیں۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے برگزیدہ بزرگ اِس کسمپرسی کے عالم میں اِس بھاری ذمہ داریوں کے انجام دینے کی اپنے اِس ہر دل عزیز بچے کو ہمت و توفیق عطا کرینگے۔

اظہار غم کہنے کو تو یہ دنیا آنی جانی ہے۔ ہر شے کا وجود اُسکے عدم کا اشارہ ہے لیکن ہم جیسے دنیاداروں کا عمل بالکل کچھ اور ہے جن ہستیوں سے کسی انسان یا انجمن کی مطلب براری ہوتی ہے اُنکے جدا ہونے پر اکثر متعلقین کو اُنکی یاد ستایا کرتی ہے۔ پنڈت گوپال داس۔ بابو مرلیدھر پنڈت بنارسیداس۔ ماسٹر بہاری لال۔ رائے بہادر لکشمی چند۔ لالہ سیتل پرشاد پنڈت فتح چند۔ لالہ موتی لعل۔ غرضیکہ ایسی بہت سی ہستیاں صفحۂ عالم سے مٹ گئیں جنہوں نے منڈل کو قلمی و مالی امداد سے ہمیشہ مستفیض کیا اور اسکے کاموں سے بالخصوص دلچسپی رکھی۔ کارکنان کی حوصلہ افزائی کی۔ نیز اسکی کامیابی کی ہمیشہ دلی آرزو رکھی۔ اگر ان میں سے ابتک بھی کسی کی یاد آجاتی

بھی عنقریب ہو کہ شاید اس عظیم کام کو بھی منڈل اپنے سر پر کہے۔ لیکن یہ یاد رکھیئے کہ یہ سب کام ایسے نہیں ہیں کہ بننے کہدیا۔ آپنے واہ وا کردی۔ اور بس پورا ہوگیا۔ ان کاموں کے لئے گرانقدر سرمایہ کی اور جانکاش علماء کی سخت ضرورت ہے۔ امید ہے کہ قوم ان ضروری مسائل پر غور کرکے صحیح نتیجہ پر پہنچے گی اور اسکے مطابق عمل پیرا ہوگی۔

ثبوت ہر دلعزیزی

سالگذشتہ کی جنتی کے وقت ممبران منڈل کی تعداد ۲۵۰ تھی۔ لیکن اسوقت ۳۰۵ ہے۔ جس میں ڈاکٹر۔ وکیل۔ اڈیٹر۔ مضمون نگار۔ پروفیسر۔ ملا۔ ان۔ تاجرن۔ ساہوکاران۔ بابو۔ پنڈت وغیرہ وغیرہ یہ معزز طبقہ کے لوگ شامل ہیں منڈل کے پسندیدہ عام ہونے کی یہ زندہ دلیل ہے۔

امریکہ میں عنقریب ایک عالمگیر مذہبی کانفرنس ہونے والی ہے اور اس میں ہر زندہ مذہب کے دو نمایندوں کو شریک ہونے کا حق دیا جاویگا۔ چنانچہ اس کانفرنس کی ابتدائی کارکن کمیٹی نے جین مذہب کو بھی قابل شمار زندہ مذہب قرار دیا ہے۔ اور اسکے دو نمایندے کانفرنس کے لئے منتخب کرکے بھیجنے کی منڈل سے استدعا کی ہے۔ یہ تو ابھی بالیقین نہیں کہا جاسکتا کہ اس بھاری بوجھ کو منڈل اٹھا سکے گا یا نہیں۔ تاہم یہ واقعہ اس امر کا کافی ثبوت ہو کہ منڈل کے ٹریکٹوں نے امریکہ میں پہنچکر یہ منادی کردی ہے کہ ہندوستانی مذاہب میں جین دھرم بھی ابھی بقید حیات ہے چاہے اسکے ماننے والے کیسے ہی کم تعداد میں ہوں۔ نیز امریکہ والوں کو یہ بھی یقین ہوگیا ہے کہ تمام ہند کے جینیوں کی طرف سے مذہبی

ٹریکٹ کی صورت میں پیش کرے جس سے جین دھرم کی پوزیشن صاف ہو جائے کیونکہ کسی پاک اور بے لوث مذہبی فلسفہ کو اس قسم کے زہریلے مادوں سے بچا کر ہی اُسکے پرچار میں کامیابی ہو سکتی ہے۔

اُصولاً جس رستہ کو عام گذرگاہ بنانا مقصود ہوتا ہے پہلے اُسکو کانٹے کنکروں سے صاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیا منڈل کو اُمید کرنی چاہیئے کہ قوم کے برگزیدہ اہل قلم مرتند فلسفہ دان اور فیاض طبع متمول لوگ اِس کام میں منڈل کے ساتھ دلی ہمدردی رکھیں گے۔ اور سال آئندہ میں اِس خیال کو کامیابی کے معراج پر پہنچا دینگے

مسئلہ تعلیم

ایک طرف تو منڈل کئی سال سے اس امر کی جی توڑ کوشش کر رہا ہے کہ یونیورسٹی دہلی میں جین سماج کو نمائندگی کا حق عطا ہو جائے اور جین دھرم کے اصول اسباق خواندگی میں شامل کر دیئے جائیں۔ دوسری طرف منڈل کو یہ فکر دامنگیر ہے کہ اگر خوش قسمتی سے اِس سماج کو یہ عروج حاصل ہو گیا تو اِن تجاویز کو عملی صورت میں لانے کا مصالحہ کس طرح فراہم کیا جائے گا۔ جین سدھانت کے متعلق کیا اسباق ایسے ہونگے جنھیں ہم عام درسگاہوں میں دے سکیں۔ اور جین سکولوں کے لئے تاریخ و جغرافیہ کی آسان کتابیں کس طرح مرتب کرا کر انکو بہم پہنچائیں۔

اے بزرگان قوم! یہ تجاویز اگرچہ بچوں کے واسطے ہیں لیکن بالکل بچوں کا کھیل نہ سمجھئے۔ انکا کامیاب ہو جانا ایک خاص اہمیت رکھے گا۔ گذشتہ مہابھاشیہ جے دھول جیسے قدیم ترین گرنتھوں کی اشاعت کا سوال سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے مہاسبھا کو منتقل کر دیا گیا اور وہاں وہ غالباً ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا گیا وہ وقت

بھی ہے تو اس بُری طرح سے کہ اُنکا لکھنا اور زیادہ قابلِ اعتراض ہو گیا ہے اور جین طبقہ میں بے چینی کا باعث بن گیا ہے۔ اِس سے تو انکا کچھ نہ لکھنا شاید بہتر ہوتا خیر ہمارے لئے بہتر تو یہ تھا کہ ان روز کے قصوں سے نجات پانے کے لئے اپنی ایک مکمل تاریخ مرتب کر دیتے۔ تاکہ دیگر مورخوں کو بھی کوئی دقت نقل کرنے میں نہ ہوتی اور جین قوم میں بھی بے چینی کے آثار نمایاں نہ ہوا کرتے۔ مہاسبھا نے اسکی ضرورت محسوس کر کے یہ سوال اُٹھایا تھا۔ مگر نہ معلوم کیا ہوا۔ غالباً یہ مسئلہ داخل دفتر کر دیا گیا۔ مترمنڈل نے اس سوال کو صرف اسقدر اپنے ہاتھ میں لیا ہے کہ مبتک اصلاح پوری نہ ہو جائے جین دہرم کے متعلق قابلِ اعتراض تحریرات کی درستی کرانے کی کوشش کیجائے۔ چنانچہ منڈل نے لالہ لاجپت رائے اور ڈاکٹر اسیری پرشاد صاحبان کو انکی تواریخ ہند میں جین دہرم کے متعلق قابلِ اعتراض فقرات کے درست کرانے کی استدعا کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بلا کسی حجت کے نہایت معقول پسندی کے ساتھ اپنی تاریخ میں دستیاں کر دی ہیں اور لالہ صاحب نے طبع ثانی میں انکے درست کر دینے کا پختہ وعدہ کر لیا ہے۔ جسے "قولِ مرداں جاں دارد" کے اصول پر لالہ صاحب ضرور پورا کر دینگے۔ ایسی اُمید ہے۔ بہرحال ہم ان دونوں صاحبان کی عنایات کے مشکور ہیں۔ اور تاریخوں میں جو فقرات قابلِ اعتراض ہیں اُنکے صحیح کرنے اور درست کرانے کا کام بابو مائی دیال صاحب بی۔ اے کے سپرد کیا گیا ہے۔

سوامی شنکر اچاریہ اور مہرشی دیانند سرستی نے جو جین دہرم سے ناواقف ہونے کے باعث کچھ ناگوار الفاظ میں جھوٹے بہتان جین دہرم اور جین آچاریوں پر لگا کر علمی دنیا میں بیجا مذاق اُڑایا ہے۔ منڈل چاہتا ہے کہ اصلیت کو اہل نظر کے سامنے

میں ڈاکٹر ہلمتھ ون گلاسینپ سنسکرت پروفیسر برلن یونیورسٹی اور ڈاکٹر ڈبلیو شبرنگ پروفیسر ہمبرگ یونیورسٹی جو جین مذہب کے دلدادہ اور اصول و آداب مذہبی سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ مختلف اوقات میں دہلی تشریف لائے تو انکا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ انکو جین مندروں اور شاستر بھنڈاروں کے درشن کرائے گئے۔ جس سے وہ بیحد متاثر ہوئے۔ جلسہ عام میں انکا جین دھرم کی عظمت پر لیکچر کرایا گیا اور سامعین کے اجتماع کی خاص کوشش کی گئی۔ ان دونوں حضرات کی تقریریں نہایت قابلانہ اور معرکہ کی تھیں جن کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ ان حضرات کے آخری الفاظ یہ تھے کہ

"جین دھرم کے سامنے دنیا سر جھکائیگی"

امور معترضہ کی صحت

دنیا میں فنِ تاریخ نویسی جسقدر مشکل ہے شاید کوئی دوسرا مضمون ہو۔ لیکن نہ جانے لوگوں نے اسکو ایسا آسان سمجھا ہے کہ گویا کسی ملک کی تاریخ لکھنا دنیا اُسکے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ مورخ صاحبان واقعات تاریخی کو اسکی صحت کی جانچ کئے بغیر سابقہ تواریخ سے ردوبدل کے ساتھ نقل کر دیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کسی معاملہ میں جو غلطی ایک مرتبہ کسی مورخ سے ہوگئی ہے وہ اس نئی روشنی کے دور میں بھی ناقابل تردید معقولی و منقولی شہادت بہم پہنچانے پر بھی اُسکی درستی کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جین دھرم جین آچاریوں۔ اور جین راجاؤں کے متعلق بھی مکمل اور صحیح حالات آج تک کسی تاریخ میں نہیں دیئے گئے۔ اگر کسی صاحب نے کچھ لکھا

دس لکشن وہرم کی تفصیل دی گئی ہے۔ بھگوان مہاویر بزبان انگریزی ٹریکٹ نمبر ۴۷ خیالات لطیف منظوم یعنے سانا ایک پاٹھ کا اردو ترجمہ ٹریکٹ نمبر ۵۱ رپورٹ منڈل بزبان انگریزی۔ ٹریکٹ نمبر ۵۲۔ رپورٹ منڈل بزبان ہندی ٹریکٹ نمبر ۵۰ اور شائع ہوئے ہیں۔ جن سے جین اور اجین پبلک کے مطالبات ایک حد تک پورے ہوجانے کی امید کیجاتی ہے۔

سال رواں میں بھی اسی طرح چار عنوان (۱) بھگوان مہاویر اور انکی تعلیم۔ (۲) جین دہرم اور قومی تنظیم (۳) اہنسا دہرم پر بزدلی کا الزام (۴) حقیقت معبود اصلی دیئے گئے ہیں۔ اون پر بھی چند مضامین منڈل کو موصول ہوئے ہیں لیکن انکا باقاعدہ ابھی انتخاب نہیں ہوا ہے۔ بموجب قواعد ٹریکٹ کمیٹی اِنکو سال آیندہ میں شائع کیا جاویگا۔ اسکے علاوہ چند مفید اور پسندیدہ مضامین ٹریکٹ کی صورت میں قابل اہل قلم کے مرتبہ و مؤلفہ ہمارے پاس آئے ہوئے رکھے ہیں جنکو بوجہ قلت سرمایہ منڈل شائع کرنے سے قاصر رہا۔ اُمید ہے کہ ہمارے فیاض طبع سخاوت شعار فدایانِ مذہب مالی امداد دیکر ان مضامین کی اشاعت کے باعث بنیں گے۔ اور منڈل کو اپنا مرہون منت بنائیں گے۔

لیکچر دوسرا طریقہ مذہبی اُصول کی اشاعت کا منڈل نے یہ اختیار کیا ہے کہ بذریعہ خط و کتابت ہندوستان یورپ۔ امریکہ غرضکہ جہاں کہیں علماء فضلا کا میلان طبع جین دہرم کی طرف پایا جاتا ہے اُنکو مذہبی واقفیت کے لئے کافی مواد مہیا کیا جاتا ہے۔ اور جو کوئی فلسفہ دان کہیں سے تشریف لاتے ہیں اُنکا لیکچر کرانے کا خاص طور سے انتظام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سال زیر رپورٹ

زیادہ دلچسپ اور مکمل مضمون ہوگا۔ اُسکے مصنف کو ایک طلائی تمغہ دیا جائے گا۔
چنانچہ ان عنوانوں پر بہت سے مضامین منڈل کو دستیاب ہوئے۔ جن کے انتخاب
کے لئے منڈل کی کارکن کمیٹی نے صریح رزولیوشن کی رُو سے جین درشن دواکر
ودیاوارد ہی مسٹر چمپت رائے صاحب بیرسٹر کو مجوز قرار دیا۔ اور اُنکی منصفانہ تجویز کے
مطابق عنوان نمبر ۴ پر ہماری قوم کے قادر الکلام شاعر بابو بھولا ناتھ صاحب
درخشان کا مضمون موسومہ "حقیقت دنیا" منظوم بزبان اُردو بہترین منتخب
چار ٹریکٹوں میں ہی ہر لحاظ سے ایک خاص مضمون تصور کیا گیا۔ اور انکو طلائی تمغہ
حسب اعلان دیا گیا۔ عنوان نمبر ۲ پر بابو مائی دیال صاحب جینی۔ بی۔ اے۔ آنریری
کا ٹریکٹ بزبان ہندی۔ اور عنوان نمبر ۱ پر بابو شب لعل صاحب جینی مختار
عدالت بلند شہر کا مضمون بزبان اردو اور عنوان نمبر ۳ پر مہرشی شیوورت لال
صاحب ورمن کا جو راد ہا سوامی پنتھ کے پیرو ہیں مضمون انتخاب میں آیا۔ اِن پر
ہر سہ اصحاب کو مان پتر پیش کئے گئے۔ علاوہ ازیں مسٹر ہری ستیہ بھٹیا
چاریہ۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہائوڑہ کا ایک مضمون بزبان انگریزی جو اُنھوں نے
بھاوان پارشناتھ جی کی سوانحعمری کے متعلق تحریر کیا تھا خاص طور پر منتخب قرار دیکر
انکو بھی سند اعزازی دینے کا رزولیوشن پاس کیا گیا۔ ہم اپنے مذکورہ بالا معزز دو ممبروں
کو منڈل کی قلمی امداد کرنے پر تہ دل سے شکریہ اور نیز اُنکے تمغہ و سندات دیئے جانے
کی تجاویز پر صدق دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

یہ جملہ انعامی ٹریکٹ بالترتیب نمبر ۴۶۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۲ و ۵۳ پر شائع ہوئے
ہیں۔ ماسوا انکے "صبح صادق" ٹریکٹ نمبر ۴۵ جس میں روحانی صفات عشرہ یعنے

اسی ذات مقدس اور ہادی طریقت کی پاک اور بے لوث تعلیم نورانی کی ٹریکٹوں اور اُپدیشوں کی صورت میں اشاعت کر کے عالم ہستی کے گوشہ گوشہ سے کورا یمانی اور ظلمتِ کفران کو کافور کر دینے کا عادہ کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنی کوشش بلیغ سے اِس مقصد میں کماحقہ کامیابی بھی حاصل کر چکا ہے جسکی مفصل کیفیت روئداد ہائے جینی ٹریکٹ نمبر ۴۲ میں شائع ہو چکی ہے۔

اب مجھے صرف یہ عرض کرنا باقی ہے کہ سال زیر رپورٹ میں معمولی چھوٹے چھوٹے کارہائے منصبی کے علاوہ متر منڈل نے اور کیا کیا قابل ذکر اہم کام انجام دیئے ہیں۔

اشاعت ٹریکٹ

بھگوان مہاویر کی تعلیم وہدایات کی اشاعت یا جین دھرم کا پرچار بذریعۂ ٹریکٹ کیا جاتا ہے اِس نوعمر انجمن نے سالگذشتہ کی جنیتی تک ۴۴ ٹریکٹ شائع کئے تھے جنکی فہرست نمبر ۱ رپورٹ سابقہ میں بغرض آگاہی عوام دیجا چکی ہے۔ اِس سال اِس انجمن نے دس ٹریکٹ شائع کئے ہیں جنکی تفصیل سطور ذیل میں معلوم ہوگی۔

منڈل نے سالگذشتہ سے یہ خیال کہ ہماری قوم اور ملک کے جید اہل قلم اور پُرمغز مضمون نگار قابلِ انتخاب مضامین بغرض اشاعت منڈل کو عطا کر سکیں یہ طریقہ ایجاد کیا کہ اسنے چار عنوان (۱) بھگوان مہاویر اور انکی تعلیم (۲) جین دھرم ہی عالمگیر مذہب کی بنیاد ہو سکتا ہے (۳) جین دھرم کی قدامت اور (۴) دنیا ازلی وابدی ہے موضوع و مصنوع نہیں ہے۔ انتخاب کر کے اعلان کیا تھا کہ جو ٹریکٹ کسی عنوان پر بلحاظ زباں وادائے مطلب بہترین سمجھا جائے گا اسکے مصنف کو مستحق اعزازی پیش کیجائیگی۔ اور ان چاروں منتخب شدہ ٹریکٹوں میں بھی جو سب سے

"اہلِ منڈل کو یاد رکھیں گے اور منڈل سے اپنی دلچسپی برابر جاری"
"رکھیں گے"

رپورٹ

جناب صدر و معزز ارکان ملت!

آج اس پرفضا و مسرت انگیز جلسہ عام میں اپنے فرض منصبی کی یہ سالانہ رپورٹ پیش کرنے پر جس فرحتِ قلبی کا احساس مجھے ہو رہا ہے وہ حیطہ تحریر اور حدود تقریر سے باہر ہے۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ ملک بہنا کی فوتی پیدائش کی اس ۔ مُدا دنے کہ ہماری قوم کے اکثر بچے اوائل عمر میں ہی لقمۂ اجل ہو جاتے ہیں۔ یہ نو عمر بچی کی زندگی کو غیر متیقن بنا رکھا ہے۔ چنانچہ جین متر منڈل نام کے اس ضعیف القویٰ طفل کم سن کی زیست بھی ابتک نہایت غیر مطمئن حالت میں رہی۔ شکر ہے درانحالیکہ اس مذبذب حالت میں اسکی نشو و نما کی نگہداشت مجھ جیسے نااہل کے سپرد تھی۔ یہ قوم کا نونہال مسان اور مسانی کی ان تمام آفات ناگہانی سے جو عہد طفولیت میں اکثر بچوں کو سکھا سکھا کر جان بحق کر دیا کرتی ہیں اپنی عمر کے تیرہ سال خلاف امید کامیابی کے ساتھ پورے کر کے آج ایسے نیک فال اور مبارک موقعہ پر چودھویں سال میں داخل ہوتا ہے۔ جبکہ اسکے بہت سے بہی خواہان اور خدمت گذاران ہمارے آخری تیرتھنکر سری مہاویر سوامی کا پچیس سو چھبیسواں جنم سالگرہ منانے کے لئے سرگرمی و جوش دلی کے ساتھ اس کودکِ صغیر سن کی آماجگاہ میں تشریف فرما ہیں۔ غالباً اسکی اس نیک بختی کا ایک یہ بھی قدرتی سبب ہے کہ اہل ملت از راہ محسن پرستی و نیازمندی اپنے جس رہنمائے حقیقی بھگوان مہاویر کا یہ جنم ولادت منا رہے ہیں اُس نے بھی

۱۲ بجے دوپہر کو بھجن اور منگلاچرن کے بعد "جیو دیا پر چارنی سبھا" کا سالانہ جلسہ دیا وادھی جین ورشن دو اکابر بابو جمپت رائے صاحب بیرسٹر کی صدارت میں ہوا جسکی رپورٹ مفصل سبھا مذکور کی جانب سے شائع ہوگی۔

۳ بجے سے متر منڈل کا جلسہ ہونا تھا۔ اور رائے بہادر لالہ سلطان سنگھ صاحب رئیس دہلی جو اس تاریخ کے لئے صدر منتخب ہوئے تھے اُنکے باہر تشریف لیجانے کی وجہ سے بابو لارام صاحب جج خفیفہ دہلی کا اُنکے بجائے صدر جلسہ ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن کارِ عدالتی کی وجہ سے وقت معینہ پر وہ بھی تشریف نہ لاسکے اِس لئے باتفاق رائے حاضرین رائے بہادر لالہ پارس داس صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ شہر دہلی صدر جلسہ فی الوقت منتخب کئے گئے۔

اوّل سکرٹری منڈل نے حسب ذیل رپورٹ کارکردگی منڈل بابت سال حال پڑھکر سُنائی اسکے بعد جوائنٹ سکرٹری متر منڈل نے اپنا حساب پیش کیا جسکی جانچ اوڈٹر نے کرکے رپورٹ دی تھی کہ حساب باقاعدہ اور صحیح ہے جس پر حاضرین جلسہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا چنانچہ حساب باتفاق رائے پاس کیا گیا۔

اِسکے بعد سکرٹری کی تحریک پر حسب ذیل رزولیوشن پیش ہوکر باتفاق رائے پاس ہوا

"لالہ لارام صاحب جج عدالت خفیفہ ممبر جین متر منڈل کے دہلی سے تبدیل ہوجانے پر یہ منڈل کمیہ پرگٹ کرتا ہے۔ آپ متر منڈل سے بڑی دلچسپی رکھتے رہے ہیں۔ اور متر منڈل کو آپ پر بڑا بھروسہ رہا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ دہلی سے باہر تشریف لیجانے کے بعد بھی

جلسۂ عام میں کیا جاویگا اور انکے متعلق جن اخباروں کے ذریعے سے اطلاع عام دیجائیگی

(۱۱) اگر کسی ممبر کمیٹی کا کوئی مضمون آئیگا تو سکرٹری اسکی جانچ اسکے بجائے کسی دوسرے ممبر سے یا مشورۂ پریسیڈنٹ منڈل کسی غیر شخص سے کرالیگا۔

(۱۲) جن مترمنڈل کا فرض ہوگا کہ جن مضامین پر سندات اعزازی یا تمغہ جات عطا ہوں انکو اپنے سرمایہ سے تاریخ اعلان فیصلہ سے ایک سال کے اندر شائع کردے۔ دیگر مضامین کو حسب صوابدید ورکنگ کمیٹی و گنجایش سرمایہ منڈل شائع کیا جائے گا۔

(۱۳) کمیٹی کی ممبری یا عہدہ داری کے لئے منتخب ہونا اس وجہ سے ممنوع نہ ہوگا کہ کسی ممبر کا انتخاب منڈل کے کسی عہدے کے لئے بھی ہوچکا ہے۔

(۱۴) سکرٹری کمیٹی ایک رجسٹر میں ٹریکٹ کی آمد اور اسکی نسبت منظوری یا نامنظوری کی یادداشت تاریخوار رکھے گا اور منظور شدہ ٹریکٹ پر سرخی سے نمبر دیگا جسکے مطابق ٹریکٹوں کا انصباط کیا جائیگا۔ لیکن اگر کوئی ٹریکٹ مکرر طبع کرایا جائیگا تو اسپر جدید نمبر ٹریکٹ کا نہ دیا جاویگا۔

(۱۵) اگر کوئی صاحب کسی منتخب مضمون کو اپنی طرف سے شائع کرنا چاہیں تو بلالحاظ نمبر شائع کیا جاسکتا ہے اور اشاعت کا منہ تبدیل کیا جاسکتا ہے

(۱۶) اس کمیٹی کے ٹریکٹ خاص سائز پر شائع کئے جاوینگے تاکہ چند ٹریکٹوں کی ایک جلد ہوسکے۔

(۱۷) ان قواعد میں ترمیم تنسیخ جن مترمنڈل کے سالانہ جلسۂ عام میں جو بیرجینتی کے موقع پر ہوگا ہوسکتی ہے۔

متعلقہ ممبران کی منظوری حاصل کرکے کسی ٹریکٹ کے شائع کرنے یا نکرنے کی بابت ورکنگ کمیٹی سے رزولیوشن پاس کرانے کے لئے اپنی رپورٹ سکرٹری منڈل کے پاس بھیجدے گا۔

(۶) ورکنگ کمیٹی ہر سال ماہ اکتوبر میں چار عنوان ٹریکٹ لکھنے کے لئے مقرر کریگی جن پر مضمون نگار صاحبان کو اپنے مضامین آخر دسمبر تک منڈل یا اس کمیٹی کے سکرٹری کے پاس بھیجدینا ہونگے۔

(۷) اِن مخصوص عنوان کے علاوہ اور عنوان پر بھی کسی صاحب کا کوئی مضمون ٹریکٹ کی صورت میں ہر وقت شکریہ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے

(۸) سکرٹری کمیٹی کے دریافت پر ہر ممبر ٹریکٹ رسالہ کو جانچ کرکے اِس امر کی نسبت اپنی تصدیق تحریر کرے گا کہ مضمون ہذا دھرم پرچار کے لئے مفید ہے۔ اِس میں کوئی بات اُصول دین دھرم کے خلاف یا کسی قوم کی دلآزاری کا باعث نہیں ہے اور یہ کہ بلحاظ زبان نفس مضمون اور طرز ادائگی ٹریکٹ ھذا قابل اشاعت ہے۔

(۹) اِن مصدقہ مضامین میں سے بہترین اور اعلیٰ مضمون قرار دینے کا اختیار پریسیڈنٹ اور سکرٹری کمیٹی کو ہوگا۔ اور انکی مشترکہ شفارش کے مطابق ورکنگ کمیٹی ان مضمون نگاروں کو جن کے مضمون ہر لحاظ سے بہترین سمجھے جاوینگے سند اعزازی عطا کریگی۔ اور کسی مضمون پر کسی خاص لحاظ سے طلائی یا نقرئی تمغہ بھی دے سکتی ہے۔

(۱۰) درجہ اول۔ یا درجہ خاص میں آنے والے مضامین کا اعلان مہاویر جینتی کے موقعہ پر

ایم۔ اے۔ لالہ عطرسین۔ لالہ ست نرائن گوڑوالے (میونسپل کمشنر۔ امین)۔ لالہ منشی لال بجلی والے۔ لالہ آدیشور لعل۔ لالہ محکم لال۔ لالہ سرداری مل گوٹہ والے۔ لالہ جودھیا پرشاد گوئلیہ لالہ دولت رام۔ لالہ نمی چندر۔ لالہ چمپا لعل ممبران انتظامیہ کمیٹی کا انتخاب بذریعہ بیلٹ ہوا۔ اسکے بعد ٹریکٹ کمیٹی کے متعلق قواعد پاس ہوئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

قواعد ٹریکٹ کمیٹی

(۱) اس انجمن کا نام ٹریکٹ کمیٹی ہوگا۔ اور یہ مین متر منڈل دہلی کے ماتحت کام کریگی

(۲) یہ کمیٹی۔ انگریزی۔ اردو۔ اور ناگری صرف تین زبانوں کے ٹریکٹوں کی جانچ کرے گی۔ لیکن ان زبانوں کے ٹریکٹوں میں دیگر زبانوں کے اشعار۔ ضرب المثل اور فقرہ جات بطور حوالہ ہو سکتے ہیں۔

(۳) اس کمیٹی کے صرف سات ممبر ہونگے جن میں سے ایک سکرٹری منتخب ہوگا۔ بقیہ میں سے دو دو ممبر انگریزی۔ اردو۔ ناگری۔ زبانوں میں لکھے ہوئے ٹریکٹوں کی جانچ کے لئے مخصوص اور نامزد کر دیئے جائینگے ✤

(۴) اس کمیٹی کے ممبران کا انتخاب منڈل کے عہدہ داروں کے انتخاب کیوقت سالانہ جلسۂ عام میں کیا جاویگا۔ اور وہ بھی مثل دیگر عہدہ داروں کے منڈل کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر شمار ہونگے۔

(۵) ممبرانِ کمیٹی کی کوئی نشست نہ ہوگی۔ بلکہ سکرٹری ان ٹریکٹوں کے متعلق جواب براہِ راست یا معرفت سکرٹری منڈل موصول ہونگے بذریعہ ڈاک

بی اے (آنرز) باولی مسٹر ہری ستیہ بھٹاچاریہ (اجین) ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہاوڑہ۔ اور مہرشی شیوورت لال ورمن راد ہاسوامی کورو بنارس کو مان پتر پیش کئے گئے۔

اسکے بعد بزم مشاعرہ شروع ہوئی۔ ہندی و اردو کی پرزور نظمیں اور غزلیات۔ بھگوان مہاویر کے جنم التسو پر ہوئیں۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اول و دوم ٭

کارروائی روز سوم۔ ۲ر اپریل ۱۹۲۸ء

۲ر اپریل کو ۸ بجے صبح سے منڈپ کے کارکنان و کرکٹ کمیٹی کے عہدہ داران کا انتخاب حسب ذیل ہوا۔

لالہ مہاویر پرشاد ایڈووکیٹ دہلی پریسیڈنٹ (نیز جانچ کنندہ ٹریکٹ ہائے انگریزی) لالہ بھولا ناتھ۔ جین درخشان مختار۔ بلند شہر۔ سینیر وائس پریسیڈنٹ (نیز سکرٹری ٹریکٹ کمیٹی) لالہ مہاویر پرشاد بجی آنریری سیکرٹری پریسیڈنٹ بابو امراؤ سنگھ کوٹھ پنجاب نیشنل بنک دہلی سکرٹری۔ لالہ پنالال اگروال جوائنٹ سکرٹری۔ لالہ بشن چند ڈرافٹس مین دہلی اسسٹنٹ سکرٹری۔ لالہ شمبھو داس خزانچی۔ چودھری بلدیو سنگھ اسسٹنٹ خزانچی۔ لالہ بنارسی داس اور بابو جانکی پرشاد۔ بی۔ ایس۔ سی۔ اوڈیٹرز لالہ جینیدر کمار پہاڑی دھیرج۔ دہلی، پنڈت مہاویر پرشاد دہلی۔ (جانچ کنندگان مزید ہندی) بابو شمبھو دیال۔ ہیڈ کلرک ٹکسال کلکتہ دہلی و لالہ دلیپ سنگھ کاغذی دہلی (جانچ کنندگان ٹریکٹ اردو) پروفیسر گھاسی رام ایم ایس سی۔ لشکر گوالیار (جانچ کنندہ ٹریکٹ انگریزی) منتخب ہوئے۔ اور لالہ ترلوک چند لالہ منی لال۔ لالہ مہاویر پرشاد ٹھیکیدار۔ لالہ بر کھو مل۔ چودھری نیاورمل۔ بابو بھگوان داس

کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم لوگ معترضانہ نگاہ سے نہیں۔ بلکہ طالبعلمانہ حیثیت سے ہر مذہب کا روزانہ مطالعہ کیا کریں تو بہت سے سربستہ راز ہم پر کھل جائینگے اور صحیح و غلط کی تمیز ہو جائیگی۔ جبتک آتما کا وجود اور اسکے کرشمے ہمکو معلوم نہ ہونگے نجات کی اصلی ہیئت سمجھ میں نہیں آئیگی۔ نہ اسکے حصول کی طرف ہماری توجہ ہوگی۔

اسکے بعد صدارت کی طرف سے دو اہم رزولیوشن پیش ہو کر باتفاق رائے پاس ہوئے۔

ایک مختصراً یہ تھا کہ جبتک پالیتانہ راج سے نامناسب یاترا ٹیکس کے متعلق انصاف نہو جائے بدستور شترنجے یاترا بند رہیگی۔ کوئی بھائی وہاں جانے کا قصد نہ کریں۔ دوسرا یہ تھا کہ لارڈ ارون وسیرائے ہند سے استدعا کی جائے کہ وہ یاترا ٹیکس کو منسوخ کرکے پالیتانہ پہاڑی کی یاترا کھلوا دیں۔

رات کو بھجن اور منگلاچرن کے بعد مسٹر اکشے چندر بوس ایڈووکیٹ دہلی نے جین دھرم کی تعریفات اور خصوصیات پر نہایت موثر اور دلاویز تقریر کی۔ بعد ازاں مسٹر ہری ستیہ بھٹاچاریہ۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ ہاوڑہ نے اپنا انگریزی مضمون پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے جین سدھانت کا ہندو شاستروں سے مقابلہ کرتے ہوئے جین عقائد اور جین اصول کی عظمت بیان کی تھی۔ اسکے بعد پنڈت تلسی رام اویاپک بھوشن جین ہائی سکول کا منوہر واکھیان ہوا۔

پھر سالگذشتہ کی جنتی کے موقعہ پر جو منڈل نے خاص خاص نمونوں پر ٹریکٹ لکھائے تھے اور جنکی جانچ کا نتیجہ اخبارات میں شایع ہو چکا تھا اسکے مطابق بابو بھولا ناتھ جین درخشاں کو تمغہ طلائی دیا گیا۔ اور بابو شب لال جین مختار بلند شہر۔ بابو مامی دیال جین

روح محبوب خدا ہو جاتی ہے تو یہ اُسکی آخری منزل نجات ہے ۔

اسکے بعد پنڈت ہنسراج کی تقریر ہوئی ۔ اُنھوں نے فرمایا کہ کرموں کے بندھن سے آتما کا چھوٹ جانا مکتی ہے اور اُسکے حاصل کرنے کا سادھن نشردھ आसव کا سمبر سمبر اور بندھ बंध کی نرجرا निर्जरा ہے ۔ جب جگت بھرمن کا کارن بندھ ہی نہیں رہتا تو پھر جیو آتما مکتی سے لوٹکر شریر دھارن نہیں کر سکتا ۔

اُصول امتیادی سے اختلاف کرتے ہوئے مقرر نے فرمایا کہ اسکی چار قسمیں ہیں بادی با انتہا ۔ بادی لا انتہا ۔ لا ابتدا با انتہا ۔ لا ابتدا لا انتہا مثلاً کاغذ پر ایک حرف لکھا اور مٹا دیا تو اس لفظی حالت وجود بادی اور با انتہا تھی ۔ لیکن حالت عدم بادی اور لا انتہا ہے ۔ کیونکہ اس عدم کا پھر کبھی عدم نہ ہوگا ۔ تخم و شجر کا سلسلہ لا تعلق لا ابتدا اور لا انتہا ہے کیونکہ نہیں کہہ سکتے کب سے ہے اور کب تک رہیگا ۔ گویا تخم سے شجر اور شجر سے تخم پیدا ہونے کا سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا ۔ لیکن اگر تخم کو جلا کر خاک کر دیں تو پھر اُسکی طاقت شجر پیدا کرنے کی معدوم ہو جاویگی ۔ ایسی صورت میں جو بھی امتیادی کو لا ابتدا با انتہا کہتے ہیں ۔ پس مُتی سے محض اس غلط اُصول پر کہ حالت نجات با ابتدا ہے با انتہا بھی ہونی چاہیئے ۔ جیو کی واپسی بے اصول ہے ۔ سنسار میں آنے کا سبب کرم کا تعلق ہی جب آتما سے نہیں رہا تو بلا سبب نتیجہ فرض کر لینا قطعی بے اصول ہے نیز اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ وید اور شاستروں میں مکتی سے جیو کے لوٹ کر آنے کا کہیں وہاں نہیں ہے ۔ بلکہ وید ک ۔ سناتن ۔ اور جین ۔ اِن تینوں دھرموں کا اِس مسئلہ پر اتفاق ہے ۔ اگر فروعی اختلاف تھوڑا بہت ہو بھی تو بے تعصبی سے اسے دور کر لینا چاہیئے ۔ اِسکے بعد جناب صدر نے نہایت دلچسپ طریقہ سے تمام تقاریر کی واصلباقی

پنڈت آتمارام نے فرمایا کہ ہم روح کے وجود اور اسکے دور تناسخ ہی کو نہیں مانتے لہذا نجات کسکی اور کیسی؟ نیک عملی صرف دنیاوی آداب کا تقاضا ہے۔ اسکے بعد جزا و سزا کچھ نہیں۔ جیو مکتی سے مہتی میں آتا ہے مہتی سے مکتی میں چلا جائے گا۔ یہی اسکی مکتی ہے۔ اپائے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو مسائل بودھ و برہم کے ہیں وہی ست برہم کے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ بودھ تناسخ کو مانتے ہیں۔ ہم تناسخ کو بھی نہیں مانتے۔

مولنا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ ہمارا مذہب خدا پرستی میں واحد ہے۔ وہی ذات پاک واجب الوجود اور باقی ہے دیگر مخلوق فانی ہے۔ اسکی بقا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ ذات انسانی بھی خود اپنے وجود میں محتاج ہے اور تمام عوارض میں محتاج ہے روز حساب جب تمام روح اس رب العزت کے سامنے پیش ہونگی تو جن روحوں نے اس دار الامتحان (دنیا) میں آکر اپنی زندگی کو خوش کردار اور نیک خیالی سے کامیاب بنالیا ہے اُنسے ملاقات کرنے کو اللہ تعالیٰ خود ظاہر ہونگے۔ بس اللہ تعالیٰ کا راضی ہوکر بندے سے ملنا اور خوش ہوکر کسی روح کا استقبال کرنا حقیقی نجات ہے جو روح اپنے آپ کو ناپاک کرکے اپنے خالق کے سامنے جائیگی۔ خدا تعالیٰ اسکی طرف متوجہ نہ ہونگے۔ اسکو نجات کبھی نصیب نہ ہوگی جس روح کو نجات یا قربت خدا تعالیٰ کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے اسکی مسرت ابدالآباد تک رہیگی۔ وہ روح دنیا کے چکر میں گرفتار نہ ہوگی۔

حافظ روشنعلی قادیانی نے بھی اسلامی اصول کی تائید میں دوسرے طریق سے فرمایا کہ دنیاوی مصائب سے رہا ہونے کا نام فلاح ہے اور بعد فلاح کے جب کوئی

اسلام کے مولانا احمد سعید دہلوی - فرقہ احمدی کے حافظ روشنعلی قادیانی اور جین دھرم کے پنڈت ہنسراج شاستری تشریف فرما ہوئے تھے۔

اول صدر جلسہ نے مذہبی کانفرنس کے بیان کو اور نیز تمام مذاہب کی شرکت کو قابل تحسین رویہ ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم اسی طرح ایک دوسرے کے مذہبی اصول کو امتیازی نگاہ سے دیکھیں - کیونکہ اچھا نہ کہتے ہوئے یہ غور کریں کہ کس کس پہلو سے مذاہب میں یکسانیت ہے اور کس کس بات میں اختلاف ہے اور آیا کوئی ایسا اختلاف ہے جو باہمی مشورہ سے دور ہو سکتا ہے تو اس قسم کی کوشش ضرور کچھ نہ کچھ کامیاب ہو کر ہمارے مفید ثابت ہو سکتی ہیں - اسکے بعد عنوان زیر بحث پر نمایندگان مذکور الصدر کو بالترتیب تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔

اول پنڈت گنگا پرشاد شاستری نے ویدمنتروں اور شاستروں کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ سناتن دھرم نجات اور اسکے ذرائع حصول کو بجنسہ ویسا ہی مانتا ہے جیسا کہ جین دھرم مانتا ہے۔

پنڈت اِمچندر آریہ سماجی نے صرف ایک امر میں اختلاف کیا کہ نجات ابدالآباد تک نہیں بلکہ ایک خاص مدت مدید کے لئے ہوتی ہے اور اس اختلاف کا اصول یہ بیان کیا کہ جو چیز بالابتدا ہوتی ہے وہ بالانتہا بھی ضرور ہوتی ہے اور جو لاابتدا ہوتی ہے وہ لاانتہا بھی ضرور ہوتی ہے - روح کے لئے دور تناسخ لاابتدا ہے اس لئے اسکی نجات لاانتہا بھی رہیگی یا حصول نجات بالابتدا ہے اس لئے اسکی کسی عرصہ کے بعد انتہا بھی لازمی ہے۔

نوٹ - جین مت کی رو سے دور تناسخ لاابتدا ہے -

گویا کہ مکمل انسانوں کا سلسلہ ناتھ پنتھ مشہور ہوا جسکی ابتدا رشبھ دیو آدی ناتھ سے ہوئی۔ آخرمین وردھمان (بدھ) بھی اسی سلسلہ میں ہوئے اور اسی وجہ سے وہ ناتھ پتر کہلائے۔ اُنہوں نے روحانیت کا سبق جو دنیا کو دیا اسکی قدامت کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ ہندوؤں نے جینیوں کے دو تیرتھنکروں رشبھ دیو اور بدھ کے نام سے وردھمان کو وشنو کا اوتار مانا۔ ہندوؤں کے نقطۂ نگاہ سے جو بدھ وشنو کا اوتار تھے وہ گوتم بدھ نہ تھے بلکہ وردھمان بدھ تھے۔ بدھ کسی شخصیت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ صفت کا نام ہے۔ اِس سے پرماتما اور ہر مکمل انسان کو خطاب کرتے ہیں۔ خود گوتم کی نگاہ میں جن کا مرتبہ بہت زیادہ تھا اِس لئے یہ لفظ بدھ جو اکثر تیرتھنکروں اور جن بھگوان کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ گوتم نے بھی اپنے لئے پسند کیا۔

ہندو بیوقوف نہ تھے جو وردھمان بدھ کی مکمل ہستی کو نظر انداز کر کے گوتم بدھ کو وشنو کا اوتار مان بیٹھتے۔ ہندو دھرم شاستروں میں جن اور جین دھرم کا جابجا ذکر آیا ہے لیکن بدھ دھرم کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اِس سے بھی ظاہر ہے کہ جب ہندو اپنے شاستروں میں گوتم بدھ کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتے تھے تو اُسے وشنو کا اوتار کیونکر مان لیتے

نوٹ چونکہ مہرشی جی نے اپنے لیکچر کی تمہید میں معینہ وقت سے زیادہ عرصہ لگا دیا اِس لئے اتنی تقریر ملتوی کی گئی +

ڈھائی بجے مذہبی کانفرنس شروع ہوئی جس میں مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ نجات کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ اِس میں یہ نمائندے مت کے مسٹر احمد مسیح کسی وجہ سے نہیں آسکے۔ سناتن دھرم کے نمائندے پنڈت گنگا پرشاد شاستری۔ ویدک دھرم کے پنڈت راجیندر ست دھرم کے پنڈت آتمارام مذہب

تقریر کی اور کہا کہ جس وقت ویدک یگیوں کے ذریعے بھارت میں گھور ہنسا پرچار تھا۔ مہاویر سوامی کا جنم ہوا۔ یہ کام اس دیا کے اوتار اور شجاعت مجسم بیر کا ہی تھا کہ ہنسا کے سمندر میں اہنسا کی لہر پیدا کر دی۔ اہنسا کی عالمگیر مہر بے رحم اور خونخوار دلوں پر بھی ثبت ہو گئی۔ جن ویدوں میں پشو میدھ یگیوں کا ودھان (ہدایت) تھا انکے ماننے والے بھی اہنسا پرمو دھرم کا راگ گانے لگے۔ اس معصوم مشن نے اس تاریک زمانہ میں وہ عام مقبولیت حاصل کی کہ آج ہر مذہب میں اہنسا دھرم کی تھوڑی بہت جھلک دکھائی دیتی ہے۔

پھر مہرشی شیوبرت لال ورمن نے جو راد ہا سوامی نیمچند کے گرو ہیں اور جین دھرم کے ساتھ تھوڑے دنوں سے پریم رکھتے ہیں۔ جین دھرم کی خصوصیات اور قدیم ہونے کے باعث اسکی قدامت پر مفصل تقریر کی۔ سکندر اعظم کی ایک طویل حکایت بیان کر کے بتلایا کہ جس نے جذباتِ نفسانی پر قابو پالیا ہے اور حقیقی مسرت کو حاصل کر لیا ہے وہ جن ہے جسے سنسکرت زبان میں جن **जिन** کہتے ہیں۔ اسی فاتح کامل جن کے پیروؤں کا طریق جین دھرم کہلاتا ہے۔ یہ صوفیانہ قدیم مذہب ہے یونانیوں نے اس کا نام جیمنو صوفس رکھا تھا جس کا پتہ یونانی قدیم کتب میں اکثر ملتا ہے۔ دگمبر سادھوؤں کی کتھا میں بھی یونانی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ جب یونانی کتابوں کا ترجمہ سلطنت عباسیہ کے زمانے میں ہوا تو صوفس لفظ کا معرب صوفی کر دیا گیا جسکے معنے صاف کرنیوالے کے ہیں۔ چونکہ جین دھرم سے بہتر دل کی صفائی کا سبق اور کہیں نہیں ملتا اس لئے جینیوں کو صوفی کہنا بھی بیجا نہیں ہے۔

مکمل انسانی ہستی جو تیرتھنکر کہلاتی ہے **ناتھ** کے لفظ سے موسوم کیجاتی تھی

کہلا سکینگے۔ اِس لئے جینیوں کو تو سب سے زیادہ آستک (خدا پرست) کہنا چاہیئے خدا کا صانع عالم ہونا چاہے کسی دلیل سے ثابت نہ ہو سکے تاہم معقول پسند طبیعتیں بھی جو اُسے ایسا ماننے کی عادی ہو گئی ہیں۔ ایک دم اِس خیال کو بدل نہیں سکتیں۔ جبتک لوگوں کی دلی کمزوریاں رفع نہ ہونگی اُس وقت تک راہ راست کو اختیار کرنا مشکل امر ہے۔ اسکے بعد بھجن وغیرہ ہو کر جلسہ برخاست ہوا ؛

کارروائی روز دوئم یکم اپریل سنہ ۱۹۲۸ء

اِس روز صبح کو ۹ بجے تک بعل مندر عرف (اُردو کا مندر) میں مہاویر سوامی کی پوجا کی گئی۔ اور دن کے ۱۲ بجے سے زیر صدارت جین دیوشن دواکر وتیاور دیہی پنڈت چمپت رائے صاحب بیرسٹر کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔ بھجن گائن کے بعد پنڈت برجباسی لال جی نے منگلاچرن کرتے ہوئے دیو پوجا اور مورتی پوجا کا فرق بتلایا۔ اور کہا کہ ہم لوگ جن متبرک اور قابل تقلید ہستیوں کو اپنا اسٹ دیو مان کر پوجتے ہیں اُنکے آدرش (نمونہ) کو زہن نشین کرنے کے لئے اُنکی مورتی بنا کر سامنے رکھ لیتے ہیں۔ جس طرح نشانہ بازی کی مہارت کرنے کے لئے سیاہ نقطہ اول نگاہ کا نشانہ بنایا جاتا ہے ہماری مورتی پوجا گویا دیو پوجا کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ عام طور پر مورتی پوجا کے جو معنے لئے جاتے ہیں ہم لوگ خود اُس مورتی پوجا کے خلاف ہیں۔ ہمارا دھرم ہمکو ایسی مورتی پوجا نہیں سکھاتا۔ جیسی دوسرے لوگوں میں رائج ہے۔

اسکے بعد ہمارے پریم ساگر نے اپنی ہندی نظم پڑھکر سُنائی جو مندرجہ ذیل عنوانوں میں درج ہے۔ پھر لالہ چندر سن صاحب ناز فرید کوٹ نے اہنسا دھرم کی عظمت فلسفیانہ

ہیں۔ ہماری زبانوں پر انکے اسمار پاک منقش ہیں۔ اہنسا و ہرم کا سدھانت خود بھی آسان ہے دنیا داروں کو صرف ارادی ہنسا کے ترک کی ہدایت ہے۔ کاروباری ہنسا سے اگر نہیں بچ سکتے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے کا خیال ہر وقت مدنظر رہنا چاہیئے۔ یہ نہو کہ کیڑے مکوڑوں پر تو رحم کی نگاہ رہے لیکن انسانی حقوق کی پروا نہ کی جائے۔ اس سے زیادہ اور کیا لچک اس میں دیجا سکتی ہے۔ اگر یہ اصول انتیاً کر لیا جائے کہ ہستی سے نیستی اور نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہو سکتی تو خدا کے صنائع عالم اور خالق دنیا ہونے کا سوال ہی کبھی سامنے نہ آئے۔ کوئی سائنٹیفک لوجسٹ (علم فطرت کا ماہر) یا فلاسفر بڑے سے بڑے میں بڑ کے درخت کا وجود قیاس ہی نہیں کر سکتا۔ نہ ثابت کر سکتا ہے۔ لیکن تخم میں شجر کا وجود ہے ضرور۔ اگر نہ ہو تو پھر پیدا کہاں سے ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا ازلی و ابدی ہے۔ ایشور کو اسکے بنانے یا بگاڑنے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اپنے بیان کی تائید میں صفر نے ہندو دھرم شاستروں اور اپنشدوں کے حوالے دیکر کہا کہ ہم اس خیالی ایشور کو نہیں مانتے جو دنیا کا بنانے اور بگاڑنے والا کہا جاتا ہے لیکن جس مخصوص شخصیت نے جذبات نفسانی پر قابو پاکر اپنی روح کو پاکترین بنا لیا ہے۔

حصول نجات کا مستحق بنکر دوسرے لوگوں کو راہ سعادت کی رہنمائی کی ہے۔ وہی پرم برہم پرمیشور ہمارے تصور کا باعث ہے۔ ہمدردی کے بعد اور نجات حاصل کرنے سے قبل وہ سکل پرماتما (معبود مجسم) کہلاتا ہے۔ اور حصول نجات کے بعد بالکل پرماتما (معبود غیر مجسم) ہو جاتا ہے۔ ایسی مخصوص شخصیت ابتک بیشمار ہوئیں اور آئندہ بے تعداد ہونگی۔ وہ سبھی پرماتما پرم آتما ہمارے لئے معبود حقیقی ہیں۔ جب لوگ ایک ایشور کو مان کر ہی ناستک نہیں کہلاتے تو بیشمار ایشوروں کو ماننے والے کس طرح ناستک

نفع پہنچے گا۔ باوجود مسلمان ہونے کے میرا عقیدہ ہے کہ جین دھرم کے اندر ایسی بہت سی باریکیاں ہیں جو دنیا کو مساوی طور سے منفعت بخش ہیں۔

میں مختلف مذاہب کی کتابوں کا ۴۰ سال سے مطالعہ کر رہا ہوں لیکن میں نے ہندو دھرم کی سچی شان اور واقعی پہچان جو جین دھرم میں دیکھی مجھے اور کسی مذہب میں نظر نہیں آئی۔ اگرچہ اسپر عمل پیرا ہونے کے مدارج بھی دیئے ہیں۔ تاہم اسکی پابندی اہل اسلام کو سخت معلوم ہوتی ہے۔ غالباً اس وجہ سے کہ وہ اسکے صحیح معنے نہیں سمجھتے۔ دین اسلام بھی اہنسا کے اصول کا حامی ہے۔ لیکن اسکی پابندی پورے طور پر نہیں کی جاتی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کافی ہے۔ اگر ہندو اور خصوصاً جین جانور کی جان بچانے اور اہنسا کے اصول کو بھی کچھ ملایم کر دیں اور مسلمان اسکی پابندی کچھ زیادہ سختی سے کرنے لگیں تو یقین ہے کہ جین دھرم اور دین اسلام بہت قریب قریب ہو جائیں گے۔

اسکے بعد بابو جگت پرشاد صاحب صدر جلسہ نے ہر دو مقررین کی تقریروں کا خلاصہ سامعین کو سمجھایا۔ بعد پنڈت ہنسا راج جی شاستری نے جو پنڈت وید پاٹھی اور کٹھ شاستر کے جاننے والے ہندو دھرم کے ودوان ہیں اب جین دھرم پر مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں تقریر کرنا شروع کیا۔ اور فرمایا کہ جین دھرم کسی فرقہ یا دل کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دھرم روحانی دھرم ہے اور ہر روح کی ملکیت ہے۔ سمیک درشن گیان چاتر کا مجموعی طور سے حصول ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت محمد۔ مسیح مقدس۔ گرو نانک۔ مہاتما بدھ اور بھگوان مہاویر کی مخصوص شخصیتیں اپنی چاروچاور آچار کی یکجائیت اور یکسانیت سے ہی مشہور عالم ہوئیں۔ ہمارے قلوب ابتک ان مشاہیر عالم مورتیوں کے مندر بنے ہوئے

سوتیا میری فرقوں میں جو دلی کدورتیں بڑھتی جارہی ہیں اُنکے مٹا دینے کی جین سماج سے درخواست کی۔

اسکے بعد مسٹر ایم سعید صاحب کا "مذہب اسلام میں ہنسا" اِس عنوان پر ایک سحر آگین لکچر ہوا جس میں ہنسا اور اہنسا کی لفظی و معنوی تعریف کرکے تمثیلات سے یہ ذہن نشین کرایا کہ دنیا دار و تارک الدنیا کس کس قسم کی اہنسا کس حد تک عمل میں لاسکتے ہیں۔ آپنے بدلائل و فرمایا کہ جو لوگ بال بچوادار اور بردہ بزاہ کرتے ہیں وہ ہنسا کرتے ہیں اور جو دوسروں کے مذہب کی توہین کرتے ہیں وہ بھی ہنسا کرتے ہیں۔ بالآخر آپنے آیات و اقوال کے حوالے سے اعتراف کیا کہ اہنسا پر سچے معنوں میں عمل کرنے کی اسلام میں تاکید ہدایت ہے۔ آپنے فرمایا [illegible] اہنسا۔ یقین [illegible] ایسی عالمگیر جمعیت [illegible] ہے آپنے فرمایا کہ [illegible] اہنسا سے خاص [illegible] سے [illegible] مسلمان [illegible] آئی لیکن [illegible] اِس میں [illegible] اِس میں [illegible] کچھ زیادہ [illegible] بھی خدا کے خالق [illegible] چین منظور [illegible] کا خوب [illegible]

لیکچر ہال مہمانوں نیاگیوں سادھوؤں کارکنان منڈل کے لئے قالین کا فرش تھا اور خواب صوفہ کے لئے اس اسٹیج پر پرتکلف کرسی وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔

جیودیا پرچارنی سبھا آگرہ کا سالانہ جلسہ مذہبی کانفرنس اور مشاعرہ کا اہتمام بھی اس پنڈال کے اندر تھا جسکو پروگرام میں کافی اور مناسب وقت دیا گیا تھا۔

کارروائی روز اول۔ ۳۱ مارچ سنہ ۲۸ء

۱۲ بجے دن کے کارروائی جلسہ زیر صدارت جناب بابو جگت پرشاد صاحب۔ ایم اے۔ ایکاونٹنٹ جنرل بنگال شروع ہوئی بھجن و منگلاچرن کے بعد پنڈت پربھورام صاحب کھتری لاہور نے جین دھرم کی عظمت پر پراثر نقریر کی۔ اسکے بعد جناب ایچ ایم۔ سعید صاحب۔ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی کانگرس کی نزدیک پر عالمانہ لیکچر ہوا جس میں انہوں نے دلائل و تشفیات سے ظاہر کیا کہ دین حنیفی سے پیشتر ہی ہمارے لئے دنیاوی مصائب کا سبب ہوا و صدق وصفا کا وطیرہ ان تمام بلیات سے نجات دینے والا ہے۔ آپنے جین دھرم میں جو اہنسا پر زور دیا گیا ہے اسکی بہت تعریف کی اور بیان کیا کہ ہر دکھ کی ضروری بلا اہنسا دھرم پائے نہیں ہو سکتی۔ اسکے بعد بھجن ہوئے۔

۳ بجے جیودیا پرچارنی سبھا کا جلسہ شروع ہوا جسکے صدر تو یا وادھی جین درشن دواکر پنڈت چمپت رائے جی بیرسٹر منتخب ہوئے سکرٹری نے سبھا مذکور کے ان کاموں کی جو سال حال کے اندر انجام دیئے گئے مفصل رپورٹ پیش کی۔ رات کے سات بجے پھر منڈل کا جلسہ شروع ہوا بھجن و منگلاچرن کے بعد پنڈت برج باسی لال صاحب میرٹھ کا موثر و دلچسپ لکھیان ہوا جس میں انہوں نے فرمایا کہ سکھ شانتی کا باعث سمیک درشن سمیک گیان اور سمیک چارتر والا مجموعی دھرم ہے اس دھرم کا دلنشین کر دینے والا ایکانت واد کا مسئلہ ہے آخر میں انہوں نے تیرتھ چھیترون پر دگمبری اور

اوم

جین متر منڈل دہلی کے پچھویں سالانہ جلسہ اور بھگوان مہاویر کے جشن ولادت کی روئداد

(۱۹۲۸ء)

"جین متر منڈل" نے جو شہر دہلی میں ۱۹۰۵ء سے قائم ہے اور جس کا مقصد اعلیٰ جین دھرم کی اشاعت کرنا ہے اپنا سالانہ جلسہ اور بھگوان مہاویر کا جشن ساگرہ ۳۱ مارچ و یکم و ۲ اپریل ۱۹۲۸ء کو نہایت گرمجوشی کے ساتھ پریڈ کے میدان میں ایک عالی شان منڈپ کے اندر منایا۔ جو سبق آموز موٹو۔ رنگ برنگ کی کاغذی پھلواریوں اور بجلی کی روشنی سے خوب آراستہ کیا گیا تھا جس میں سامعین کے لئے دری و قالین کے فرش اور کرسیوں کا انتظام تھا۔ درمیان میں ایک سٹیج

جین متر منڈل کے مطبوعہ ٹریکٹ

(۱) [illegible] ۱
(۲) پت دیس یہ بقت جیوب ۰
(۳) کیا ایشور خالق ہے ہو مجھن کرتا کھنڈن ۰
(۴) گیان سوریج اودے حصہ دوم ۱۰
(۵) کلام پیکان۔ ۰
(۶) مجموعہ دلپذیر ۰
(۷) سلک صد جواہر ۱۰
(۸) گلزار تخیل یعنی کھیلتا میرا ستونر ۰
(۹) نایاب گوہر ۰
(۱۰) جین دھرم کی عظمت معہ جین دھرم والے کسکی پرستش کرتے ہیں؟ ۱۰
(۱۱) بھگوان مہاویر سوامی کے نبیتی کے جلسہ کی روئداد بابتہ ۱۹۲۶ء ۱۰
ایضاً معہ ہندی نظم قیمت ۱۰
(۱۲) صبح صادق ۱۰
(۱۳) حقیقت دنیا ۱۰
(۱۴) بھگوان مہاویر اور انکا وعظ ۱۰
(۱۵) خیالات لطیف ۰
(۱۶) جین دھرم ۴
(۱۷) مہاویر جینتی کی رپورٹ بابتہ ۱۹۲۶ء ۴
(۱۸) اہنسا دھرم پر بزدلی کا الزام ۰
(۱۹) حقیقت معبود۔ چھپ رہا ہے ۰
(۲۰) کتنی اور اس کا سادھن ۰
(۲۱) جادو کامل ۰

ہندی اور انگریزی ٹریکٹ

(۲۲) مہاپاسنا تتو۔ ہندی ۱۰
(۲۳) جین دھرم پروٹیکا ہندی ۳
(۲۴) جنید رمت درپن ہندی ۱۰
(۲۵) جین دھرم ہی ہیومنڈل کا سارو
جنک دھرم ہو سکتا ہے۔ ہندی ۰
(۲۶) لارڈ مہاویر۔ انگریزی ۴
(۲۷) لارڈ پارشناتھ انگریزی ۴
(۲۸) رپورٹ جین متر منڈل انگریزی ۴

ملنے کا پتہ:۔ جین متر منڈل۔ دریبہ کلاں دہلی

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۵

اوم

رپورٹ جلسیہ جینتی

مع

روئیداد کارروائی جین مترمنڈل

بابتہ ۱۹۲۷ء

مرتبہ سکرٹری منڈل

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی

تعداد ۱۰۰۰ قیمت ۲

ڈاکٹر گورو کی گراں قدر تحریروں کے حوصلہ شکن جوابات اور اُسکے لئے ایک سخت جدوجہد۔ جین لاء کا اجراء اسکی طباعت و اشاعت کے متعلق علمی تجاویز و کوششیں لیجس لیٹو اسمبلی میں جینیوں کی فلاح دہبود کی خاطر استفسارات و سوالات اور اخباری دنیا میں اسکی جدوجہد۔ منڈل کے سیاسی کارہائے نمایاں کی چند مثالیں ہیں۔ اور انفلوئنزا کی عالمگیر مصیبت کیوقت مریضوں کی آہ و زاریکے درمیان اسکی طبی خدمات۔ بمبئی پرنس آف ویلز کے موقعہ پر اسکے ممبروں کی ذاتی خدمات بے بدل ایک ہفتہ بچگان کی سکیم بنانے میں مدد۔ اعانت اسکی قومی خدمات کے کچھ نمونے ہیں۔ اور پبلک کے علمی و ادبی جلسوں میں شریک ہوکر اسنے حتی الوسع اپنے مقاصد کی تکمیل کی ہے۔ دو سال سے شہری بہادری جیتیتی کے منانے کا خاص انتظام و اہتمام کیا ہے اور اب بھی دو تین ہفتے کے کام ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ تو اس مترمنڈل کی جس کے متعلق ہندوستان کی رپورٹ مردم شماری کے باب اول صفحہ ۱۲۴ پر یہ الفاظ مرقوم ہیں "جین مترمنڈل دہلی میں ایک اعلیٰ و عظیم علمی و ادبی انجمن ہے" کارگذاریوں اور مصروفیتوں کا مختصر سا ذکر ہے مفصل حالات سے آگاہی مقصود ہو تو منڈل کے سکرٹری سے معلوم ہوسکتی ہے۔ بھارت کی تمام تجارت کے پانچویں حصہ کی مالک قابض و رہبر سال لاکھوں روپیہ دان دیدینے والی جین سماج کے جس زندہ منڈل کی کارگذاریوں کا یہ ذکر ہے اُسکے ساتھ جین سماج کیا سلوک واجب ہے؟ کیا سماج کا فرض (لیں نہیں) کہ وہ اس مترمنڈل کی جس نے اُسکے دہرم کو تمام دنیا میں پھیلانے اور اسکی عظمت کو چار چاند لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو۔ تن۔ من۔ دھن سے مدد و اعانت کرے کم از کم مالی پریشانیوں سے تو اسے بالکل بےفکر بنا دے۔ سماج کے اہل دول اور سخی صاحبان کا عین فرض ہونا چاہیے کیا وہ صاحبان اور سماج کے دیگر اشخاص اپنے اس فرض مقصی کی جانب توجہ مبذول فرمائینگے اور منڈل کے ممبر بنکر یا کسی دیگر ذریعہ سے امداد دیکر دہرم پر بچاؤ نا اور قومی ترقی کے کار ثواب میں حصہ لیں گے ؟

نوید کہ { مہابیر پرشاد۔ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ۔ پریسیڈنٹ۔ } { امراؤ سنگھ سکرٹری } جین مترمنڈل آفس ریویہ کلاں دہلی

نوٹ منڈل نے اسوقت تک مختلف بابوں میں پچاس ٹریکٹ شائع کئے ہیں ممبری کی عین ہے اور لائف ممبری کی رقم ۱۰۰

جین سماج کے فرسودہ قالب میں از سر نو زندگی ڈالنے والا

جین متر منڈل

جین دھرم کی فلسفیانہ حقیقتوں اور صداقتوں کو اسکے عالمگیر اصولوں اور اعتقادوں کی دنیا میں اشاعت و تبلیغ کرنے کے لئے پارچ ۱۹۱۵ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اب تک جو اس نے کارہائے نمایاں اور قومی خدمات انجام دی ہیں وہ اسکی مختلف رپورٹوں سے بخوبی واضح اور مترشح ہیں۔

ہر ایک وہ انسان جسکی نظر جین سماج کی گذشتہ اور موجودہ حالت، جین مذہب کی تبلیغ و اشاعت اور اسکی فلاح و بہبود کی مختلف تحاریک پر رہی ہے۔ منڈل ہذا کی اعلیٰ کارگذاریوں سے ہرگز ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی اس وقت اُن تمام جملہ اُمورات کا بیان کرنا ہی آسان اور مناسب ہے تاہم اسکی چند مساعی اور کوششوں کو حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

منڈل کا کام۔ ٹریکٹوں کی طباعت و اشاعت۔ قومی جلسوں اور سبھاؤں کے انعقاد، مباحثہ و مناظرہ کے اہتمام اور مختلف اخبارات و رسائل میں مضامین شائع کرا کر جین مذہب کی اشاعت و تبلیغ تک ہی محدود نہیں رہا۔ بلکہ مختلف اوقات پر منڈل نے معرکے کی سیاسی اور قومی خدمات بھی سرانجام دی ہیں۔ اسکے ٹریکٹ دور دراز ممالک امریکہ۔ ناروے۔ اٹلی۔ فرانس۔ روم۔ روس۔ ہالینڈ۔ انگلینڈ۔ جاوا۔ وغیرہ میں بھیجے گئے اور وہاں کے علماء کی طرف سے انکے متعلق تعریفی خطوط موصول ہوئے۔

صوبہ دہلی میں انت چودش کی پبلک تعطیل (اب اس روز تمام دفاتر و بنک وغیرہ بند رہتے ہیں) حکام صوبہ سے منظور کرانے کے لئے بیحد کوششیں اور آخر کار اس میں کامیابی اسکی تازہ سرگرمیوں اور جانفشانیوں کی بخوبی مظہر ہیں

(۶) دان۔ حتی المقدور مستحقین کی حاجت روائی کرنا۔ زکاۃ وخیرات کو ہی اپنے تمول کا حاصل سمجھنا۔ چنانچہ پہلی مشکل کو آسان کرنے کا طریقہ بغیر ندکورۂ بالا عمل کے اور کچھ نہیں ہے۔ آیندہ مبتلائے بلا نہ ہونے کا علاج حسب ذیل ہے۔

غصہ۔ غرور۔ فریب۔ طمع۔ یہ چار ناقص جذبات روح کے دشمن ہیں انکو مغلوب کرکے دل وجسم وزبان کے ذریعے سے سرزد ہونے والے افعال کی تقناطیسی کشش سے مادی ذرات کو روح کے ساتھ وابستگی کا موقعہ نہ دینا چاہیئے۔ اور پانچ قسم کے گناہ کبیرہ یعنی ایذا رسانی۔ نارستی۔ سرقہ۔ شہوت پرستی۔ اور بوالہوسی کے ارتکاب سے کافی حذر وپرہیز کرنا چاہیئے۔

راسخ الاعتقادی۔ اور راسخ العلمی کے ساتھ ساتھ اگر یہ عمل بھی جاری رہے تو اسکو راسخ العملی کہتے ہیں۔ ان تینوں کا یکجا ومشترک ہونا نجات ابدی کا صحیح۔ اور سیدھا راستہ ہے۔ اسی سے مادی ذرات فعلی کا تعلق روح سے دور ہوجاتا ہے۔ اور روح اپنی اصلی وجبلی صفات حاصل کرکے۔ عالم کل۔ ہمہ بیں۔ مسرت آشنا۔ اور قادر مطلق ہوجاتی ہے۔ بھگوان مہاویر نے جو ہدایات اہل عالم کو دی ہیں یہ ان کا مختصر بیان کیا گیا ہے مفصل ومشرح حال جین شاستروں سے معلوم کرنا چاہیئے۔

اوم

شانتی۔

اب ہماری خواہش کیا ہے۔ یہی کہ موجودہ مصیبت تو ٹل جائے۔ یعنی جو افعال ہم کر چکے ہیں۔ اُنکی سزا بھگتنی نہ پڑے۔ اور آیندہ مبتلائے بلا نہ ہوں۔ اعمال کردنی کی بلائے مکافات بغیر بھگتنے ٹل کیسے جائیگی۔ رشوت تو یہاں چلتی نہیں۔ خوشامد کا کچھ کام نہیں۔ سفارش بھی کوئی سنتا نہیں۔ پھر تو یہ کچھ ٹیڑھی کھیر معلوم ہوتی ہے۔ پس یا تو ریاضت کیجئے یا جو پڑے اُسے بھگتئے۔ بھگتنا مشکل ہے۔ مگر آسان ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ رنج و غم کا احساس نہ ہو۔ بقول غالب ؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں

لیکن حصول مقصد کے لئے ریاضت کرنا ہی بہترین چارہ کار ہے۔ ہر دنیادار کو چھ قسم کی نیک عملی روزمرہ کرنا واجب ہے۔

(۱) **دیو پوجا**۔ یعنی اگ ارمبت دیو کے (جنہوں نے تارک دنیا ہو کر بذریعہ ریاضت و نفس کشی شربت یکتری سے مصفا و مبرا ہو کر درجہ وحدانیت پایا ہے) اوصاف حمیدہ کی حمد و ثنا کرنا۔

(۲) **گرو پوجا**۔ اُن مرشدان کامل و استادان بے ریا کی جو راہ نجات کی ہدایت کرتے ہیں تعظیم و تکریم کرنا۔ اور اُنکی نصیحتوں پر کاربند ہونا۔

(۳) **سوادھیا**۔ ہمہ داں و ہمدم ہستیوں کے کلام مقدس کا مطالعہ کرنا اور اُنکی تعلیم سے اپنے خیالات کو پاکیزہ بنانا۔

(۴) **سیلنیم**۔ حواس خمسہ و دل پر قابو پانا۔ بلا سوچے سمجھے کسی کام کو نہ کرنا۔ بلکہ اُسکے نتیجہ پر غور کر کے نہایت احتیاط سے عمل پیرا ہونا۔

(۵) **تپ**۔ خواہشات نفسانی اور جذبات شیطانی کو مغلوب کر کے غور ریاضت ہونا۔

سمجھ لینا۔ مفید کو مضر۔ اور مضر کو مفید جاننا۔

(۳) انذہوسا۔ علم متوہم جس میں شک و شبہ اور غلطی کی بھی گنجایش ہوتا ہے ہم مثلاً رستہ چلنے میں یہ معلوم ہونا کہ کوئی چیز پیروں کو چبھتی ہے۔ یہ نہ معلوم ہونا کہ کیا ہے۔

روحانیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم کی ترقی بھی ہوتی ہے جس طرح سورج کے سامنے سے جتنی گھٹا ہٹتی جاتی ہے اُتنی ہی اُسکی روشنی بڑھتی جاتی ہے اِسی طرح روح سے جتنا جتنا تعلق مادی دور ہوتا جاتا ہے۔ اُس کا علم صادق انکشاف پذیر ہوتا جاتا ہے۔ اور جب مادہ کا تعلق روح سے قطعی چھوٹ جاتا ہے وہ عالم کل ہو جاتا ہے۔ اِس تعلق غیری کے دُور ہونے کے دو ہی ذریعہ ہیں۔ ایک ریاضت اور نفس کشی۔ دوسرا ثمرۂ اعمال کو صبر و استقلال سے سہنا ریاضت سے سد عمل اور ازالہ عمل دونوں ہوتے ہیں۔ لیکن ثمرۂ عمل سہنے سے صرف ازالۂ عمل ہی لازم آتا ہے۔

رانخ العملی جب یہ امر مسلّم ہے کہ ہم غیر مرئی روح ذرات نعلی کے ساتھ پیوستہ ہو کر زندان تناسخ میں بابجولاں ہیں تو ہمکو اپنے متعدد دار و جرم ہونے میں کوئی پس و پیش نکرنا چاہیئے۔ ایک یونانی حکیم EPICTITUS کا قول ہے کہ ۔

ACKNOWLEDGE THAT YOU ARE BAD IF YOU WISH TO BE GOOD.

یعنی اگر تم نیک بننا چاہتے ہو تو اپنے بد ہونے کا اعتراف کرلو

بائبل میں بھی یہی لکھا ہے کہ دنیا دار آدمی گنہگار ہے۔ عین دہرم کا بھی منشا یہی ہے کہ سنسار جیوا شدھ ہے۔ لہٰذا ہم خطاوار تو بالاتفاق رائے قرار پاتے ہیں۔ اِس کا اقرار کرنے میں چوری اور سینہ زوری کا مثل صادق آتی ہے۔

(۲) **علم امتیازی** (ثمرت گیان) حواس خمسہ اور دل کے ذریعہ سے جسقدر علم ہو اُسکی تفصیلات کی ماہیت قوتِ امتیازی سے معلوم کرنا۔ جیسے کسی کے گانے کی آواز سنکر یہ محسوس کرنا کہ کوئی گا رہا ہے۔ علمِ حواسی ہے۔ اور قوتِ امتیازی سے یہ معلوم کرنا کہ کون گا رہا ہے۔ کیا گا رہا ہے علمِ امتیازی ہے۔ یہ علم بغیر سابقہ تجربہ و معلومات کے حاصل نہیں ہوتا۔

(۳) **علمِ غیب** (اودہ گیان) بلا حواسِ خمسہ اور دل کی مدد کے محض قوتِ روحانی سے چیزوں کی ماہیت کو کسی حد تک جاننے کا نام ہے۔

(۴) **علم القلوب** (من پریہ) قوت روحانی سے جانداروں کے دلی خیالات کے معلوم کرلینے کو کہتے ہیں۔

(۵) **علمِ کل** (کیول) قوتِ روحانی سے ہر ذی روح و غیر ذی روح کی۔ ماضی۔ حال۔ مستقبل کی حالت۔ ماہیت۔ اور دیگر متعلقہ باتوں کی بے کم و کاست جان لینے کو کہتے ہیں۔

جس علم میں شک۔ غلطی۔ اور وہم نہیں ہوتا ہے وہی علمِ صادق ہے۔ علم القلوب اور علمِ کل تو صادق ہی ہوتے ہیں۔ لیکن باقی تین قسم کے علم کاذب بھی ہوسکتے ہیں۔ اُنکے اندر شک و غلطی اور وہم کا ہونا ممکن ہے۔ جو علم کے تین عیوب کہلاتے ہیں۔

(۱) **سنشی** یا علمِ مشکوک۔ جس میں شک و شبہہ ہو۔ مثلاً۔ آیا یہ سونا ہے یا پیتل چاندی ہے یا رانگ۔

(۲) **بپریہ**۔ یا برعکس۔ یا علمِ غلط۔ بلا شک و شبہہ سونے کو پیتل۔ اور پیتل کو سونا

جاہ و حشمت اسی کی بدولت ہے۔ یہ وہ دولت ہے جسکو چور نہیں چرا سکتا۔ زبردست نہیں چھین سکتا۔ اور دینے سے نہیں گھٹتی۔ خورشید منور کی طرح چوبیسوں گھنٹے چمکتی رہتی ہے۔ ظلمتِ روحانی کو فنا کرتی ہے۔ اسکو حاصل کر لینے کے بعد دنیا میں کوئی چیز حاصل کرنے کو باقی نہیں رہتی۔ اگر اسے حصولِ مقصد کی کنجی کہیں تو بیجا نہ ہوگا علم درحقیقت عزو عظمت کا پیش خیمہ اور عیش و عشرت کا بیمہ ہے۔ یہ وہ یارِ غمگسار ہے جو رنج و الم میں چشم پُرنم کی اشک شوئی کرتا ہے۔ درد کا درماں بنکر مرتے دم تک ہمدردی کا دم بھرتا ہے۔ ہمراز بن کر رازِ حقیقت کا انکشاف کر دیتا ہے۔ بیخودوں کو خودی میں لاکر خودداری و خودشناسی کے نشہ میں مست بنا دیتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ علم اظہارِ حقیقت کا سرچشمہ ہے۔ روح کی ذاتی صفت اور جملہ کرامات کی جہت ہے راسخ الاعتقادی کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ظہور ہوتا ہے۔ وہ وجہ اور یہ نتیجہ۔ یا وہ تخم اور یہ ثمر ہے۔ لیکن یہ علم وہ علم نہیں ہے جو فی زمانہ اسکولوں اور کالجوں میں ہمارے نونہال بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ غرضکہ یہ کوڑی پیسہ کمانے والا عیش و بہار دکھانے والا علم نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ علم حقیقی ہے جو اس دہر فانی کے بحر بے کنار میں روشنی کا مینار (لائٹ ہاؤس) بنکر روحانی بیڑہ کو ساحلِ مقصود کا رستہ دکھاتا ہے کفر و شرک کی ناہنجار چٹانوں سے جذبات نفسانی کی تلاطم خیز موجوں سے۔ اور دور تناسخ کی جانگداز گرداب سے بچاتا ہے اور بے خوف و خطر سطح نجات پر پہنچا کر مسرتِ کلی بخشدیتا ہے۔ یہ علم پانچ قسم کا ہے۔

(۱) **علم حواسی** (متی گیان) حواس خمسہ اور دل کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز کی ماہیت چھوکر۔ سونگھ کر چکھ کر۔ سنکر اور دیکھکر معلوم کرنا۔

سے دوسری حالت میں تبدیل کرتا ہے۔ خلاؔ (اکاش) وہ جوہر ہے جو روح اور غیر ذی روح کو سمانے کے لیئے جگہ دیتا ہے۔

یہ متذکرہ بالا اشیا رچھ دریہ یا جواہر ستہ کہلاتے ہیں۔ جوہر پادریہ وہ قائم بالذات چیز ہے جو اپنے وجود میں کسی علتِ فاعلی یا علت مادی کی محتاج نہو۔ ان جواہر ستہ میں صرف مادہ ہی متشکل ہے باقی پانچ غیر متشکل ہیں۔

جذباتِ نفسانی کے لطیف ذرات مادی کا روح کی جانب میلان کرنا آمد عمل اسمرو ہے۔ اور انکا اسکے ساتھ پیوستہ اور وابستہ ہونا بند عمل (دنباہ) کہلاتا ہے روح جب اپنی اصلیت میں مستغرق ہو کر آیندہ جذباتِ نفسانی کے زیر اثر نہیں رہتی اور ذرات فعلی کی آمد روح کی جانب رُکجاتی ہے تو اسکو سد عمل (سمبر) کہتے ہیں ذرات عمل کے موجودہ ذخیرہ کو یا مادہ کے بند سابقہ کو زائل کر دینا ازالہ عمل (نرجرا) ہے روح کا مادہ جدید کی کشش کو اپنی طرف آنے سے روک دینے اور سابقہ مادہ کے تعلق کو زائل کر دینے سے اسکے بلا شرکت غیرے خالص بنجانے کو نجات کہتے ہیں۔

ان اصول پنجگانہ کے وجود اور انکے باہمی تعلقات سے یقینی عقیدت کا نام راسخ الاعتقادی۔ اور انکی اصلیت اور باہمی تعلقات کی وجہ موجہ کو صحیح طور پر جان لینے کا نام راسخ العلمی۔ اور جن جن طریقوں پر عمل پیرا ہو کر روح مادہ کا قلع قمع کر کے دور تناسخ سے رہائی پاتی ہے اور سرور دائمی حاصل کر لیتی ہے اسکو راسخ العملی کہتے ہیں

راسخ العلمی علم کیا چیز ہے۔ اور صفحہ ہستی پر اسکی کیسی عظمت ہے۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اخلاقی، مادی روحانی۔ دینی و دنیاوی ترقی کا دارومدار اسی پر ہے۔ تمام شان و شوکت کروفر

بتلائے ہیں۔ روح (جیو) غیر ذی روح (اجیو) آمد عمل (آسرو) بند عمل (بندہ) سد عمل (سمبر) انالہ عمل (نرجرا) اور نجات (موکش)

ہم دنیا میں دو قسم کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ ایک ذی روح یعنے اشیا مدرک۔ یا جاندار۔ دوسری غیر ذی روح یعنے اشیا غیر مدرک یا بیجان۔ کچھ ایسی چیزیں ہیں جن میں روح اور مادہ کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ بعض وہ ہیں جن میں روح نہیں ہے صرف مادہ ہی مادہ ہے وہ اور اثر کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے روح اور مادہ کا تعلق ازلی اور لاابتدا زمانہ سے ہے۔ لیکن ابدی (نہ ختم ہونے والا) نہیں ہے۔ جبتک روح مادہ کے ساتھ مشترک ہے دام تناسخ میں پابزنجیر ہے۔ لیکن جب روح مادہ کی شرکت سے قطع تعلق کرکے آزاد ہو جاتی ہے تو پھر یہ کوئی کسی قسم کا قالب اختیار نہیں کرتی۔ لہذا روح کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک متناسخ یا دنیا دار جسکو محض آتما کہتے ہیں۔ دوسری نجات یافتہ یا آزاد جسے پرماتما کہتے ہیں۔

(۱) **روح**۔ وہ مدرک باہوش اور غیر متشکل جوہر ہے جو علم و نظر۔ طاقت و مسرت کا مجموعہ ہے۔

(۲) **غیر ذی روح**۔ وہ غیر مدرک بیہوش جوہر ہے جس میں یہ صفات اربعہ موجود نہ ہوں۔ اسکی پانچ قسمیں ہیں۔ مادہ۔ وہ متشکل ذرات ہیں جنکی تحلیل و ترکیب سے مختلف اجسام ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انکے خواص حواس خمسہ سے محسوس ہوتے ہیں۔ جوہر استحراجیہ (دھرم) وہ عنصر ہے جو روح اور غیر ذی روح کو حرکت کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ تیسرے جوہر استقراریہ (ادھرم) وہ عنصر ہے جو روح اور غیر ذی روح کو ساکن ہونے میں ممد ہوتا ہے۔ زمانہ (کال) وہ جوہر ہے جو روح اور مادہ کو ایک حالت

نام ونشان نہیں۔ چنانچہ اسی تعلق غیر جنسی سے رہائی پاکر مکمل طور پر آزادو مسرت انشما
ہوجاتا ہی اِسکی نجات ہے۔ اِس حصولِ نجات کا طریقہ جو بھگوان مہابیر نے اپنے
روحانی علم وتجربہ سے اہل عالم کو تبلایا ہے وہ سمیک درشن گیان چارترانی موکش
مارگہ" اس کا ترجمہ میری زبان میں یہ ہے کہ راسخ الاعتقادی۔ راسخ العلمی وراسخ
العملی۔ بالاشتراک نجات کا رستہ ہے۔ یہ تینوں جواہر سہ گانہ یعنے رتن تریہ کہلاتے
ہیں منفرداً طور پر اُنکا حصول زیادہ مفید مطلب نہیں ہے۔ بلکہ ایک وقت میں
تینوں کا حصول ہی منزل مقصود پر لیجا سکتا ہے۔ اگر کسی جنگل میں چاروں طرف
آگ لگ جاوے اور درمیان میں کوئی اندھا لنگڑا اور بیوقوف آدمی پھنس جاوے
تو نتیجہ کیا ہوگا یہی کہ وہ خود بھی اس آگ میں جلکر مرجائے۔ لیکن اگر وہ اس آگ سے
نکلکر بھاگنا چاہے تو اُسکو تین چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ یعنی آنکھ رستہ دیکھنے کو
علم اُس کا کہ کس رستہ سے بھاگ سکتا ہے۔ نیز پیر بھاگنے کے لیئے۔ ظاہر ہے کہ ان
میں سے ایک چیز کے بھی نہ ہونے سے اسکی مطلب براری نہیں ہوسکتی۔ پس دنیاوی
تناسخ کی تکالیف سے بھی بچنے کے لئے صحیح دانش وبینش اور عمل کی ضرورت ہے
جبتک روح کو اس دنیا سے رہائی پانے کا صحیح رستہ معلوم نہ ہوجائے اور راستہ
پر بالوثوق اعتقاد نہ ہو۔ نیز علم اور اعتقاد ہوجانے پر اُس پر عمل نہ کیا جائے رہائی پانا
مشکل ہی نہیں بلکہ قطعی ناممکن ہے۔ سالکان راہ نجات کے اختیار کردہ رستہ پر قدم
رکھنے سے پہلے اِس امر کا یقین کامل ہونا چاہیئے کہ واقعی وہی رستہ منزل مقصود
پر پہنچے گا ہے۔ بلا اِس سچے عقیدے کے تمام عملی کوششیں بیکار ہونگی۔ ہر دینی
اور دنیوی ترقی کا انحصار اعتقاد پر ہے۔ بھگوان مہابیر نے سات اصول قدرتی

پس ہر روح کی منزل مقصود نجات ہی ہے۔ اسکی تمام سعی و جستجو اسی کے حاصل کرنیکے لئے ہے اور ہونی چاہیئے۔ اب سوال ہوتا ہے کہ روح کو نجات کس سے پانا ہے؟ جواب صاف ہے کہ دنیاوی تکالیف سے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ روح کو دنیاوی تکالیف کیوں ہوتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غیر جنس کے تعلق سے۔ کیونکہ ہر چیز کی اصلی صفات غیر جنس کی آمیزش سے خراب ہو جاتی ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ روح کا تعلق غیر جنس سے کیونکر ہو جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اسکے نفرت اور رغبت کے خیالات جو اسکی جہالت پر مبنی ہیں روح کے اصلی اوصاف حمیدہ کو معطل و مکسور کرکے اُسے دور تناسخ کے شدائد میں ڈالدیتے ہیں۔ اِس سے اسکو گوناگوں دنیاوی تکالیف سہنا پڑتی ہیں۔ روح بالذات عالم کل ہے جہالت اسکی اصلی صفت نہیں ہے۔ لیکن دراثت فعلی کا غیر جنس مادہ اُس سے لاابتدا زمانہ سے لگا ہوا چلا آتا ہے جیسے کہ سونا کان میں دیگر ذرات سے ملا ہوا صاف نہیں نکلتا۔ جب اسکو تپا کر صاف کیا جاتا ہے اور غیر جنسی مادہ اُس سے دُور ہو جاتا ہے تب ہی وہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا ہے اسی طرح جو غیر جنسی مادہ اِس روح سے ہمیشہ سے لگا ہوا ہے وہ روح کے اصلی اوصاف کو چھپائے ہوئے ہے۔ اس کا علم ذاتی اِس وجہ سے زائل نہیں ہو گیا ہے بلکہ اِس درمیانی پردہ کے حائل ہو جانے سے ڈھک گیا ہے۔ اور اِس وجہ سے اِس میں جہالت کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔ اِسکے باعث روح میں نفرت و رغبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو اسکی اصلی صفات کے بالکل مغائر ہیں۔ اور ان جذبات غیری کا نتیجہ بھی اُسکو ویسا ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔ روح کی اصلی حقیقت مسرت کلی ہے لیکن تعلقاتِ غیر جنسی کیوجہ سے روح کو ان حالات میں رہنا پڑتا ہے جہاں مسرت کا

شاہی کو ٹھکرا۔ تعلقات دنیاوی کو خیرباد کہا اور مراقبہ و ریاضت کے لئے جنگل کی راہ لی خود میں محو و مستغرق ہو کر بارہ برس کی سخت ریاضت اور نفس کشی کے بعد بنہایت امن و اطمینان قلبی کے ساتھ سیل شدائد اور موجِ حوادث کا مقابلہ کیا۔ جذبات شیطانی (غصہ۔ غرور۔ فریب۔ طمع) پر فتح پائی۔ اور صفاتِ روحانی کو زائل کرنیوالے چاروں افعالِ مہلک کو فنا کر کے ہمہ دانی۔ ہمہ بینی۔ سرور کل و طاقتِ کل کا شرف حاصل کیا۔ زندہ جاوید کا درجہ پایا۔ اور نیز ہمہ دانی آفتاب عالمتاب کی طرح روئے زمین پر چمکی۔ کامل صدق و صفا کے ساتھ طاقتِ کل کا شیر ببر آدم ہاشمی ہیر بنکر میدان شریعت میں آیا۔ راہِ حقیقت سے گمراہ کرنیوالوں کے جم غفیر کو منتشر کیا۔ تیس برس تک ہندوستان کے مختلف مقامات میں جلوہ نما ہو کر بحر بیکرانِ عالم میں غرقاب ہوتی ہوئی ہستیوں کو ابھارا تشنہ کامانِ دنیا کو روحانیت کا آبِ حیات پلا کر تشفی و تسلین فرمایا۔ گم گشتگانِ حقیقت کو راہِ حقیقت پر لگایا۔ رہروانِ دین کو نغمۂ معرفت سنا کر زندۂ جاوید بنایا۔ باقیماندہ حیاتِ مہلک افعال کو ختم کر کے بے تعلقی کی شیشہ۔ سدھ۔ نرنجن نرنکار ہو کر عالم بالا کے بالائی حصہ (موکش) میں ہمیشہ کے لیے اپنی روح پاک نے سکونت اختیار کی جو پورن پرماتما ہو کر کرتہ کرت ہو چکی۔ اب وہ روح مقدس اس فانی خطہ سے کبھی واپس نہ ہوگی۔ وہ تناسخ سے دائمی طور پر ہی ہو گئی۔ پھر دنیا میں جنم نہ لیگی۔

وعظ

یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا میں ہر ذی روح مسرت و آسایش کا متمنی ہے۔ مسرت کامل آزادی کا نام ہے جس میں کسی قسم کا آزار نہ ہو۔ اسی کو نجات کہتے ہیں۔ بقول ایک ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

اُس دیو کو اِن بچوں کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنا منظور تھا۔ یا اُسے صرف اس مردِ جری کی ہمت مردانہ کا موازنہ کرنیکا خیال تھا۔ باوجود اسکے کہ اس عجیب الخلقت مہیب اژدر کو دیکھکر بچے سہمناک ہوکر گرنے اور کودکود کر بھاگنے لگے۔ وہ عالی ہمت بیر نہایت استقلال سے اپنے دونوں پاؤں اُس ملک الموت دیو اژدر کے پھن پر رکھکر اطمینان سے اُترا۔ اور کسی طرح کا کوئی خوف دل میں نہ لایا۔ بیر کی یہ غیر معمولی بیخوفی دیکھ کر اس دیو نے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوکر بیر کو آفریں باد کہا اور اُس کا نام مہابیر رکھا۔

اِسی طرح ایک دن ایک مست ہاتھی اپنے تھان سے چھوٹکر راہ گیروں کو خوفزدہ کرتا اور اپنی زد میں آجانیوالے بدقسمت متفسوں کو نقصان پہنچاتا بے قابو یا فتہ پھرتا ہوا شامت اعمال سے اسکی طرف بھی آنکلا ساتھی خائف ہوکر بھاگنے لگے۔ کچھ درختوں پر چڑھ گئے۔ کچھ اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ غرضکہ جس نے جدھر تحفظ جان کا رستہ دیکھا بھاگ گیا۔ مگر اس بہادر ہستی پر اُس کا کچھ ہول طاری نہ ہوا۔ بیر نے آگے بڑھکر اُسکی سونڈ پکڑی اور گردن پر سوار ہوکر اُسکو قابو میں کیا۔ اپنے ساتھیوں اور دیگر متفسوں کو مزید نقصان سے بچایا۔ ایسی اور بھی چند حکایتیں ہیں۔ جنسے اسکی قوت حوصلہ و استقلال کا اظہار ہوتا ہے۔ اور کیوں نہو ؎

پھرتا ہے سیل حوادث سے کہیں مردوں کا منہ شیر سیدھا تیر تاسنہ وقتِ رفتن آب میں

اِس طرح اُسنے لڑکپن اور شباب کے کارہائے نمایاں سے دنیا کو متحیر کیا۔ آخری دم تک مجرد۔ ہکر شہزادانہ لباس میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہوئے عمر کے تیس برس گزارے

ترکِ ریاضت

اِس ذات پاک نے تیس برس کی عمر میں بے ثباتی عالم سے دل برداشتہ ہوکر خلعتِ

نوزاد کو آغوش مادر میں سُلا دیا۔ اور خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے مسکن کو لوٹ گیا۔

عہد طفولیت

اِس طفل نوزاد کی نسبت اِس امر کا یقین کرنا شک و شبہہ سے بالکل خالی ہے کہ اس پیکر خاکی میں ایک مقدس و متبرک روح نے نزول کیا تھا۔ حمل میں وارد ہونے سے پیشتر کے علامات مجوبہ۔ بعد کے واقعات نادرہ اور نیز وقت ولادت غیر معمولی طور پر جشن ولادت منایا جانا ایک بین ثبوت اِس امر کی تائید میں ہے جسمانی روئیدگی کے ساتھ ساتھ پنہاں اوصاف حمیدہ کا انکشاف بھی شروع ہوا بدن کی ساخت و اعضاء رئیسہ کی مضبوطی و مناسبت خط و خال کی موزونیت۔ لب و لہجہ کا انداز۔ حرکات و سکنات کا سلیقہ۔ غرضکہ یہ جملہ خوبیاں اُسکی فضیلت مستقبلہ پر دلالت کرتی تھیں۔ ہمعصر بچوں کو اُسکے ساتھ لہو و لعب کا موقع اُنکی خوش نصیبی کا ہی باعث تھا اُسکے عہد طفلی و زمانہ شباب کے کارہائے نمایاں۔ آیندہ زندگی کے کشف و کمال اور کرشمہ و کرامات کے ادنیٰ نمونے تھے۔ اوائل عمری سے ہی لوازمات دنیاوی سے نفرت اور ایثار نفسی کی خصلت کسی تعلیم یا صحبت خاص کیوجہ سے نہ تھی۔ بلکہ صحیح طریقہ پر اُنکی پاکترین روح کا ذاتی خاصہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ شاہی باغ یا دیگر موقعوں پر ہمراہیاں کے ساتھ لہو و لعب یا سیر و گلگشت میں کسی حادثہ اتفاقیہ کے پیش آنے پر مردانہ وار اُس کا مقابلہ کرنا۔ اور ساتھیوں کو بھی بخوف و بخطر بنانا۔ اُنکی ہمت عالی اور مستقل مزاجی کا اقتضا تھا۔ چنانچہ ایک روز جب وہ ہمجولیوں کے ساتھ بڑ کے درخت پر چڑھکر اپنے بچپن کے کھیلوں میں مشغول تھا۔ ایک سنگم نام کا دیو اژدہا بنکر اُس درخت سے لپٹ گیا۔ خواہ اس سے

اپنے خواہہائے دیدہ کی تعبیر سنکر مہارانی ترشلا اپنے جامہ میں پھولی نہ سمائیں خوشی کی لہریں موجزن ہوکر دل کو تلیوں اُچھالنے لگیں۔ ہونٹوں پر تبسم۔ اور آنکھوں میں خمارِ مسرت چھاگیا۔ زبان سے اور کوئی بات نہ نکل سکی۔ کچھ حجاب کچھ فرط خوشی مانع مزید گفتگو ہوا۔ مسکراتی محلسرا کو واپس چلدیں۔ سچ ہے ایسے ہونہار فرزند کی امید ولادت کسکو باعثِ فخر و خوشی نہیں ہوتی۔

حمل کی بالیدگی کے ساتھ ساتھ مہارانی ترشلا کی فراست و ذکا بھی خود بہ خود رفعت پذیر ہونے لگی۔ انکے حفظ حمل اور خطوط کے لئے حوران جنت نے حاضر خدمت ہوکر شرف کنیزی حاصل کیا۔ شدہ شدہ بہ امن و عافیت حمل کے دن پورے ہوکر چیت شدی تروتدشی کا یوم سعید بھی آپہنچا۔ جبکہ مہارانی ترشلا کے برجِ حمل سے اِس مہر درخشاں کا طلوع ہوا۔ جس کے نور نورانی کو دیکھنے کے لئے ایک عرصہ سے دو عالم کی آنکھیں ٹکٹکی لگائے انتظار کر رہی تھیں۔

اِس نونہال بچہ کی ولادت پُر سعادت کے موقعہ پر بطورِ اظہارِ مسرت مہاراجہ سدھارتھ کے مشکوئے معلّٰی میں جن و ملائک نے آسمان سے گل افشانی کی اور جشن تولید منانے کے لئے شاہِ جناں (دیویندر) معہ حوالی و موالی اور ہفتگانہ افواج کے ایوانِ شاہی پر آیا۔ بچہ کو آغوشِ محبت میں لیا۔ ایراوت ہاتھی پر متمکن کیا۔ شاہانہ کروفر کے ساتھ کوہ میرو پر پہنچا۔ اور وہاں پانڈک بن میں لے جاکر پانڈک شلا پر۔ جواہرات کے مرصع تخت پر جلوہ افروز کیا۔ کشیر ساگر کے ایک ہزار آٹھ طلائی کلشوں سے غسل کرا کے زیورات قیمتی اور پوشاک زریں سے مزین کیا اور اسم گرامی "بیر" رکھکر رسم متمیہ ادا کی۔ پھر ایوانِ شاہی میں واپس آکر اس طفل

۳۔ آسمان سے رانی کے منہ کیطرف آتا ہوا شیر ببر۔
۴ لکشمی دیوی۔
۵ سندر کے پھولوں کی دو مالائیں۔
۶ ماہ منور
۷ مہر تاباں
۸ مچھلی کا جوڑا
۹۔ دو گھڑے پانی سے بھرے ہوئے
۱۰۔ تالاب۔
۱۱۔ بحر ذخار۔
۱۲۔ تخت مرصع۔
۱۳۔ ہوائی جہاز۔
۱۴۔ زمین پھوڑ کر نکلتا ہوا اژدر
۱۵۔ جواہرات کا ڈھیر
۱۶۔ آسمان پر شعلہ بے دخان

صبح دم مہارانی ترشلا خواب راحت سے اٹھکر مہاراجہ سدھارتھ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور انسے متحیر ہوکر اپنے خوابہائے نادرہ کا بیان کیا۔ مہاراجہ یہ شگون نیک سنکر نہایت خوش ہوئے۔ اور مہارانی کی خواہش پر اُنکی حسب ذیل تعبیر بیان کی۔

(۱) تمھارے بطن سے ترتھنکر بھگوان کا جنم ہوگا (۲) تمھارا فرزند علم روحانی کی اشاعت کریگا۔ (۳) مجسم طاقت کل ہوگا (۴) ملائک کو وہ سمیر پر لیجاکر اُس کا غسل ولادت کرینگے (۵) اُس کا جسم معطر اور خوشبودار ہوگا (۶) اُسکی ہستی ہر دلعزیز ہوگی (۷) وہ دنیا سے تاریکی جہالت کو دور کریگا (۸) وہ سرور کل ہوگا (۹) اُسکی زندگی دنیا کو مسرت بخش ہوگی (۱۰) وہ تشنہ لب ارواح عالم کو روحانیت کا آبحیات پلائیگا (۱۱) وہ ہمہ دان ہوگا (۱۲) وہ نجات ابدی پائیگا (۱۳) وہ فردوس بریں سے اُتر کر آئیگا (۱۴) وہ کاشف اسرار حقیقت ہوگا (۱۵) وہ معدن اوصاف حمیدہ ہوگا (۱۶) وہ اپنی روح کو کثافت اعمال سے مصفا و مجلا کرکے زنجیر تناسخ کو توڑیگا۔

ولادت

مہاراجہ چٹیک والئ ویسالی کی دخترنیک اختر باسم گرامی ترشلا دیوی عرف پریہ کارنی نے مہاراجہ سدھارتھ والئے کنڈلپور کے عقد زوجیت میں آکر اُن کے قصر شاہی کی زینت کو دوبالا کیا۔ اور چند دنوں بعد ہی بھگوان مہاویر کی روح مقدس بھی مختلف زندگیوں کو روبہ ترقی بسر کرتی ہوئی فردوس بریں سے نزول فرما کر اساڑھ بدی چھٹ کی شب کو مہارانی ترشلا کے حمل میں وارد ہوئی۔ اوپر چیت سدی تردوشی کو بروز سوموار حضرت عیسیٰ سے پانچ سو نانوے برس قبل روئے زمین پر ایسے نازک وقت میں ظہور فرمایا۔ جبکہ ہر چہار سو نا عاقبت اندیش لوگ مگن دنیا بن کر ہوا و حرص کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ گناہ کبیرہ اور رسومات قبیحہ کے مضبوط پنجوں میں جکڑے ہوئے جذبات شیطانی و خواہشات نفسانی کے شکار ہو رہے تھے۔ اور بے چارے بے زبان جانداروں کے خون ناحق سے بھارت ورش کی پوتر بھومی کو دھرم اور یگیہ کے نام پر گندہ اور غلیظ کیا جا رہا تھا۔ اُنکے حمل میں وارد ہونے کے کچھ عرصہ پیشتر سے شہر کنڈلپور خاص اور ممالک متعلقہ کی خوشحالی و متوں میں حیرت انگیز اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا اور حمل میں آنے والی شب کے آخری حصہ میں اُنکی مادر ماجدہ کو حسب ذیل سولہ خواب بطور نوید بہجت دکھلائی دیئے تھے۔

۱۔ ایک جسیم سفید چار دانتوں والا فیل مست۔

۲۔ ایک خوبصورت سفید گاؤ نر۔

کنک دھوج کے جسم میں آئی۔ جن منی کے اپدیش سے چین دھرم اختیار کیا۔ صحیح اصولوں پر عمل پیرا ہوکر بہشت کے آٹھویں طبقہ میں پہنچی۔ اور وہاں بھی ہمیشہ اپنے خیالات کو پاکیزہ رکھا۔ رغبت و نفرت کے خیالات کو پاس نہ آنے دیا۔

(۱۳) اس روح نے وہاں سے اتر کر اجین نگر میں بجر سین راجہ کے لڑکے ہری سین کا قالب اختیار کیا۔ تارک الدنیا ہوکر ریاضت کی۔ تادم آخر اسنح الاعتقاد اسنح العلم و اسنح العمل رہی۔ اور عمر کے آخر پر بہشتی تلمفات سے اوپر پریت وردھن بمان میں پہنچی۔

(۱۴) بمان سے واپس آکر وہ روح وہاں سے راجہ کے لڑکے پریہ منر کے قالب میں آئی۔ چکرورتی راجہ ہوکر جنیار بھگوان کی پوجا کی۔ تیرتھنکر بھگوان کے سمو سرن میں پہنچ کر ان کا وعظ سنا۔ تارک الدنیا ہوکر ریاضت کی۔ اور پھر بمان میں جسم نوری پایا۔

(۱۵) یہ پریمتری روح بمان سے گر سوتا نامی پاترا شہر میں نندورد ھن راجہ کے پہلے نندن کے قالب میں آئی جو کسی مرشد کامل سے اپنی زندگی بائے سابقہ کا حال سنکر دنیا سے دل برداشتہ ہوگیا۔ تارک الدنیا ہوکر سخت ریاضت کی۔ اور بعد وفات نندن شہزادہ کی روح پشپوتر بمان میں جا کر اعلیٰ درجہ پر فروز ہوئی۔

(۱۶) یہی روح پشپوتر بمان سے بھگوان مہاویر کے جیو انسانی میں نازل ہوئی جس نے پچھلے جنموں کو تیاگ کر اور وراگیہ تپسیا سے ہانی پائی۔ اور مرگ و زیست کے سلسلے سے آزاد ہوکر پرم پد یعنی اعلیٰ جیون جاوانی حاصل کیا +

(۷) دوزخی زندگی کے خاتمہ پر کچھ سابقہ نیک عملی کے صلہ میں پھر سانڈل برہمن کے گھر راجگرہی میں زندگی پائی۔ ریاضت کر کے بعد وفات قالب نوری اختیار کیا۔

(۸) جنت سے واپس آکر راج گرہی شہر میں بشوبھوتی راجہ کے گھر لڑکے کے قالب میں آئی جس کا نام بشونندی تھا۔ اپنے باپ کے تارک الدنیا ہونے پر تخت و تاج کے لئے اپنے چچا بسا کھا بھوتی سے جنگ کی۔ حالانکہ فتح بشونندی کی ہوئی۔ لیکن اس واقعہ سے چچا بھتیجہ دونوں اس دنیاوی حشمت کو بے ثبات اور گنہگاری کا سرچشمہ سمجھ کر تارک الدنیا ہو گئے۔ بشونندی عارفانہ زندگی بسر کرتا شہر متھرا میں پہنچا۔ وہاں ایک بیل کے دھکے سے گر کر مر گیا۔ اور بہشت کے طبقہ دہم میں پہنچا۔

(۹) بشونندی کی روح بہشت سے واپس آکر پورن پور شہر میں ترپشٹ نارائن کے جسم میں آئی جو تین کھنڈ کا راجہ ہوا۔ ساری عمر باوجود حشمت میں مخمور رہا ملک گیری کی ہوس میں خونریزیاں اور لوٹ مار کرتا رہا۔ آخر مر کر دوزخ میں گیا۔

(۱۰) حیات ناری کے خاتمہ پر روئے زمین پر آکر شہر کا قالب اختیار کیا۔ اتفاقاً امرت کیرتی اور مٹ بھوتی دو منی ادھر آنکلے۔ منیوں سے اس نے نہایت اطمینان سے دھرم اپدیش سنا۔ جس کا اثر اسکی طبیعت پر یہ ہوا کہ اس نے خونخواری اور ایذا رسانی چھوڑ دی۔ اپنے خیالات کو اسقدر پاک بنایا کہ آخر مر کر بہشت میں پہنچا ❊

(۱۱) حیات بہشتی کے بعد یہ روح ملک کچھ میں ہیم پور کے راجہ کاکا بھو کے لڑکے

جو مہاراج بھرت چکرورتی کا ایک فرزند نیک فرجام تھا۔ اُس نے اپنے جدِ امجد ہمارے اولیں ترتھنکر سری رشبھ دیو جی کے ساتھ تعلقاتِ دنیاوی اور لذات نفسانی کو ترک کیا۔ لیکن ریاضت کی سختیوں کو نہ سہ سکا۔ ریاضت کے اصل اُصولوں میں کچھ طبع زاد ترمیمات کیں اور کسی قدر سہولیتوں اور تن آسانیوں کے ساتھ ایثار نفسی کرتا رہا اور بہشت کے بالاطبقہ میں قالب خاتی پایا۔

(۳) بعد ازاں ماریچ کی روح نے کولی یگ شہر میں ایک برہمن کے گھر لڑکے کے جسم میں صدور کیا۔ ساری عمر ریاضت کی۔ لیکن لوگوں کو غلط اُصولوں کا وعظ دیا۔ اور خود بھی راہِ راست سے منحرف رہا۔ بعد اختتام زندگی بہشت بریں کے پنجم طبقہ میں قالب ملکوتی اختیار کیا۔

(۴) پھر یہی روح قالب بہشتی ترک کر کے شہر استہونا گر میں بھارد وج برہمن کے یہاں لڑکے کے جسم میں آئی جس کا نام پشپ متر تھا۔ ریاضت کی اور مرکر کالب نوری پایا۔

(۵) اس پشپ متر کی روح نے وہ سویت دکا شہر میں اگنی بھوت برہمن کے گھر لڑکے کے قالب میں آئی جس کا نام اگنی متر تھا۔ اور نیک اعمال کے باعث زندگی کے ختم ہونے پر بہشت میں پہنچی۔ اور اسی طرح بہشت سے آکر گوتم برہمن کے بھارد وج نامی لڑکے کا قالب اختیار کیا۔ اور وفات پاکر جنت نصیب ہوئی۔

(۶) اس بھارد وج کی روح نے حورانِ جنت و غلمانِ بہشتی کی جُدائی کا بے حد صدمہ محسوس کیا اور اُسکے باعث مختلف دنیاوی قالبوں میں مرگ و حیات پاکر۔ آخر دوزخ کی مصیبتیں ایک عرصہ تک سہیں۔

جہنمی، کوٹے کرتے ہوئے سرگردان پھر رہے ہیں۔ رشتہ اعمال سے بندھے ہوئے کٹھ پتلی کی طرح تقدیر کے اشاروں پر مختلف قسم کے ناچ ناچتے ہیں۔ اِس آواگی و شوریدہ سری سے رہائی پانے کا واحد علاج صرف رشتہ اعمال کو توڑ دینا ہے۔ یہ تار ٹوٹا کہ فوراً ناچنا بند

بھگوان مہابیر کی روح نے بھی مختلف زندگیاں مختلف قالبوں میں گذاریں۔ نیک و بد اعمال کی زنجیروں میں جکڑ کر ناگفتہ بہ صعوبتیں اُٹھائیں۔ کبھی تو جہنم میں پڑ کر سخت سے سخت تکلیفیں جھیلیں کبھی وسطی دنیا میں آکر گوناگوں پیکرِ خاکی اختیار کئے۔ اور گاہے بہشت بریں کے مختلف طبقوں میں طرح طرح کے ملکوتی قالب پائے۔ اُنکی روح کو کن کن حالتوں میں کیسے گذرنا پڑا۔ اور کس طرح ترقی کے رستہ پر پڑ کر نجات ابدی حاصل کی۔ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے اُنکی سابقہ زندگیوں کے چند مراتب درج کئے جاتے ہیں۔ اُمید کیجاتی ہے کہ اِس نظارہ کو گنجفہ کے جوکر کیطرح قطعی نظر انداز نکر دیا جاویگا۔ بلکہ اس سے سبقِ نیک لیکر اپنی روحانی ترقی کی کوشش کیجاویگی۔

(۱) زمانہ سلف میں ایک بھیل جس کا نام پورا روا تھا۔ جانداروں کی ایذا رسانی سے اپنی روزی کماتا تھا۔ خوش قسمتی سے اُسکو ساگر سین منی سے اُپدیش سننے کا موقعہ مل گیا۔ منی مہاراج کی ہدایتِ روحانی کے اثر سے اُس نے ایذا رسانی ترک کردی۔ اُسکی روح نے اِس سرائے فانی سے کوچ کرکے بہشتِ بریں کے اول طبقہ میں قالبِ نوری پایا۔

(۲) حیاتِ بہشتی کو ختم کرکے اُس روح نے ماریچ کے جسمِ انسانی میں نزول کیا۔

اور راہِ حقیقت کی جانب رہنمائی کرنے کے لئے قالبِ انسانی میں نزول فرمایا تھا۔
خود اپنی حاصل کردہ امانت روشن ضمیری سے ہر دو عالم کو روزِ روشن کی طرح منور کیا۔ اپنے خیالات پاکیزہ کی جاروب سے کثافت روحانی کو صاف کر کے درجۂ وحدانیت پایا اور اپنی ذاتِ سامی کو تقدس مآب بنایا تھا۔
شاہانہ عیش و عشرت کو عارضی و بے ثبات سمجھکر راحتِ ابدی پر نثار کیا۔ نفسِ امارہ جیسے موذی شیطان کو تحس نحس کیا۔ اور اپنے کشف و کمال روحانی سے قالبِ خاکی کو اکسیر بنا کر اہلِ دنیا کے سامنے بطور مثال پیش کیا تھا۔
شمعِ صداقت ہاتھ میں لیکر تاریکی جہالت کو بمعہ ہستی سے مٹایا۔ گروہ انسانی کے ظالمانہ اور خود غرضانہ رویہ کو اپنی "اہنسا پرمو دھرم" کی فلسفیانہ تعلیم سے زائل کیا۔ متلاشیانِ مسرورِ ابدی کو منزلِ مقصود پر بحفظ و امان پہنچنے کے لئے ان کے کذب و نا راستی کے ناہموار و پر خار رستہ کو صاف کیا اور خود ہادیٔ صادق بن کر انکی رہبری کی۔

زندگی ہائے سابقہ

جس طرح گوندے کے لڈو میں نرسل کے ٹکڑے پر اوندھا لٹک کر بطوطا اپنی پرواز بھول جاتا ہے اور ہزاروں مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی کائنات عالم کی دلاویزیوں میں محو اور بیخود ہو کر اپنی روحانی صفات کو بھولے ہوئے بے یاد و عمل کے نخچیر بنے ہوئے ہیں۔ اور اس بحرِ ذخار عالم میں انقلاب زمانہ کے گرداب میں اپنے ڈوبتے ہر چہار مدارج جسمانی، انسانی، حیوانی، ملکوتی

شوق تماشا بینی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر خورد برد کر دیا۔ کچھ جلا دیا۔ کچھ پانی کے ریلے میں بہا دیا۔ اور جو مال نقد نارائن سمجھا اُسے اپنے ساتھ لے گئے ہم یہ چوپٹ دیکھ کر رونے لگے۔ مگر اب ہوتا کیا تھا۔ مجبور صبر کیا۔ اِدھر اُدھر جو کچھ بھوال بچنا پڑا رہ گیا تھا اُسے بٹورا۔ خوش قسمتی سے اِن میں کچھ کاغذات پچھلی نوتر کے اکھوک جنبی چھترپتیوں کے متعلق ملے۔ مگر مکمل نہ تھے۔ اور اب پچیس سو برس پہلے کے سلسلہ وار تاریخی واقعات کا دستیاب ہونا مشکل ہی نہیں قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے۔

اِن کاغذات کے دیکھنے سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ویسالی کنڈلپور (کنڈگرام) اور دیگر علاقہ جات متعلقہ سے ارکان آپس میں میل جول سے رہتے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے اُنکے راج میں ہر قسم کا امن و امان تھا۔ رعایا خوش حال اور خوش گذران تھی قحط وبا اور دیگر آفاتِ ارضی و سماوی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

اِن میں مہاراجہ چیٹک والیٔ ویسالی اور مہاراجہ سدھارتھ والیٔ کنڈلپور تو ممتاز و سربرآوردہ تھے اور دیگر علاقہ جات گروہ نواح کے حکمران آپس میں رشتہ و ناتہ وبیاہ گنڈار تھے۔ ہمارے ہیرو مہاویر سوامی جن مہاراجہ سدھارتھ والیٔ کنڈلپور کے فرزند ارجمند اسی خاندان کے ایک چراغ تھے۔

مہاویر سوامی کی ہستی دنیا کی پاکیزہ ترین اور بلند ترین ہستیوں میں سے ایک تھی۔ جنہوں نے بنی نوع انسان کو ہی نہیں ہر ذی روح کو مختلف اقسام کے قالبوں میں متواتر حیات و ممات کی ناقابل برداشت تکالیف سے بچانے

اوم

مہابیر سوامی کی ہستی

دنیا کی تھیٹریکل اسٹیج پر عجیب عجیب شکلیں ہماری نظر سے گذریں اور اپنا اپنا کھیل دکھا کر چشم زدن میں غائب ہوگئیں۔ مگر ہم کو کچھ عبرت نہ ہوئی۔ اور ہوتی بھی کیوں! ہم بدھو بنے بیٹھے رہے بارہ کے دروازہ پر لمبی لمبی ڈاڑھی والے منہ پھاڑتے اور غراتے کارٹون دیکھے۔ اندر جاکر بیرونی دنیا کی نکنی چھپڑی دلفریب تصویروں نیلے پیلے رنگ برنگ کے چٹکیلے پردوں پر نظر پڑی۔ بجلی کی روشنی میں جو آنکھیں چندھیائیں تو سب سیٹی ٹپاخ بھول گئے۔ ہم کچھ تو بے خبر تھے ہی۔ اس نادر نظارہ نے بھول بھلیوں میں ڈالکر کچھ اور بھی بے ہوش بنا دیا۔ رات تو اس غلطان و پیچان میں گذری۔ صبح ہوتے ہی زمانے کی ہوا کے منہ پر طمانچے لگے۔ گردش افلاک کی ٹھوکروں سے آنکھیں کھلیں۔ پلک اٹھا کر دیکھا تو کچھ نہیں۔ بیساختہ یہی زبان سے نکلا "خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا" آنکھیں ملتے ہوئے گھر کو واپس آئے۔ میدان یہاں بھی صفا چٹ پایا۔ معلوم ہوا کہ تمام اثاث البیت مخالفین دین و ایمان اور دشمنانِ علم و ہنر نے غدارانِ ملک و قوم کی سازشوں سے ہماری غفلت شعاری۔ اور

اسقدر اشارہ دیکر میں پڑھنے والے کو اس چھوٹے سے پمفلٹ کے مطالعہ
کی سفارش کرتا ہوں۔ دیباچہ میں صرف اشارہ ہی دیا جا سکتا ہے۔ وضاحت
کا سامان مصنف کی تحریر میں ملے گا۔ کیونکہ

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

۳۱ر اگست سنہ ۱۹۲۷ء

شیوبرت لال

مقام راوھا سوامی دھام

ڈاکخانہ راوھا سوامی دھام (ضلع بنارس)

مختار عدالت کلکٹری بلند شہر نے اسی **تقدس مآب زندگی پر سرسری نظر** کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا۔ بھائی پنّالال صاحب بینی نے مجھ سے اسپر دیباچہ قلمبند کرنے کی درخواست کی۔ میری یہ مختصر تحریر اسی درخواست کا نتیجہ ہے

اس میں کیا ہے؟

(۱) روح اور مادہ کے تعلقات

(۲) روح کس طرح سے مادہ کے تعلق سے اُس کے اثرات کو اپنی جانب مائل کرتی ہے۔ اور حواس کس طرح اُس کے زیر اثر آجاتی ہے۔

(۳) روح اسکے اثرات کی پابند ہوکر اپنے آپ کو بندھ یعنی تعلق کی زنجیر میں جکڑ لیتی ہے۔

(۴) کونسی ترکیب ہے جس سے ان اثرات کے بہاؤ کی روک تھام ہوتی ہے اور جسے سموکتے ہیں۔

(۵) اس عمل کی متواتر مشق سے کس طرح روح کو ان سے قطعی طور پر صاف کر لیا جاتا ہے کہ پھر اُنکے نظر آنے کا خدشات کا گمان نہیں رہتا۔ اس کا اصطلاحی نام مرجرا ہوستا ہے۔ اور

(۶) صفائی ستھرائی۔ آتما کے لیے کے حضرت ہمیشہ کے لئے زائل اور دور ہوگئے۔ یہ موکش اوستھا ہے۔ جو جین مت کا معراج خیال ہے۔ اور اسکی تعلیم کا اصلی مقصد۔ اسی تعلیم کو حاصل کرنا انسان کو سچے معنے میں انسان بناتا ہے۔

یہ چھ باتیں جو جین مت کے فلسفہ کے بنیادی اصول ہیں۔ اور جنکی مختصر تشریح سمیک گیان۔ سمیک درشن۔ اور سمیک چاریتر ہے۔

اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے زندگی کے تمام مرحلوں سے گذر کر اُنکے علمی اور عملی اور معاشرتی پہلوؤں کو ذہن نشین کر کے ہمیشہ کے لئے اُنھیں ترک کر دیا۔ انسان کامل ہے۔ اور مادہ کی لغزشات و ملوثات سے نجات حاصل کر لی۔ یہ انسان کامل جین مذہب کی مراد کے موافق ایشور کہلاتے ہیں۔ یعنی جنہوں نے اعلیٰ معنی میں علمی و عملی طور پر مکمل ہو کر اپنے آپ کو مادہ کی بندشوں سے اِس طرح علحدہ کر لیا۔ جس طرح سرکنڈے سے تیر کو جدا کر لیا جاتا ہے۔ یہ قدسی صفات انسان۔ دنیا کے سچے ہادی۔ سچے پیشوا۔ اور سچے رہنما سمجھے گئے۔ یہ ہمیشہ نہیں پیدا ہوتے۔ صرف کبھی کبھی عالم ظہور میں آکر اپنی ہستی کا حیرت انگیز تماشہ دکھا جاتے ہیں۔ اور اُنکی مثال اُنکی تعلیم۔ اُنکی زیارت سے دنیا کو روحانی فائدہ حاصل ہوتا رہتا ہے

اُنکی زندگی سمتا کا جیون ہوتی ہے۔ اُن کا ذاتی علم سمتا کا گیان ہوتا ہے اِن کا ذاتی طرز عمل سمتا کا چارتر ہوتا ہے۔ یہ تین باتیں ہیں جنھیں سمیک گیان۔ سمیک درشن۔ اور سمیک چاتر کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔ اور یہ علمی اور عملی میراث ہے جو یہ آیندہ نسلوں کو عطا کر جاتے ہیں۔

ڈھائی ہزار برس گذرے اِس قسم کا ایک پاک وجود دنیا میں آیا تھا۔ اُس کا نام **بھگوان مہاویر سوامی** تھا۔ یہ اپنے آخری جنم میں کشتریوں کی شاہی نسل اکشواکو ونش میں پیدا ہوا تھا۔ اور تیس برس کی عمر میں سب سے قطع تعلق کر کے اُس نے نہ صرف نجات کے مسئلہ کو حل کیا۔ بلکہ بیشمار آدمیوں کو اپنے ساتھ نجات حاصل کرنے کا موقعہ بخشا۔ لالہ **شب لال** صاحب

تھا۔ پھر گلے کا ہار بنا۔ نہ جیو کا اُس سے چھٹکارا ہوتا ہے۔ اور نہ اُسے یکسانیت نصیب ہوتی ہے۔ آدمی مردہ کو لیجا کر چتا پر جلا آیا۔ اُس وقت اُسے تیاگ اور ویراگ کی سوجھ سوجھی۔ اور دنیا کی ناپائداری کا خیال دلوں کے اندر آیا لیکن جہاں وہ شمشان بھومی سے واپس آیا۔ پھر اُسی بیوہار کی بھول بھلیاں میں پھنس رہا۔ اور ساری عمر اسی میں صرف کردی ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم۔ نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

کثیر التعداد آدمیوں کی زندگی کی یہی حالت ہے۔ جیو رات اور دن اجیو کے محفہ میں گرفتار رہتا ہے اور اُسے اِس طرز تمدن سے جو تجربات اور مشاہدات کا استفادہ ہوتا ہے وہ مضبوط نہ ہونے کیوجہ سے اُسے ایک طرف نہیں ہونے دیتا۔ سانپ چھچھوندر کی کیفیت رہتی ہے۔ جنم جنمانتر اسی حالت میں گذر جاتے ہیں۔ اور ضدین کی مذبذب بندشی حالت سے نجات نصیب نہیں ہوتی۔

لیکن دنیا میں کبھی کبھی ایسی زبردست شخصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو روح اور مادہ کے تعلقات کو واضح صورت میں ذہن نشین کرکے اُنکے قید و بند کی زنجیر کی کڑیوں کو توڑ دیتی ہیں اور آزاد ہو رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی فرطِ ترحم سے دوسرے انسانوں کو اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے علم سے مستفید کرکے نہ صرف نجات کی منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ بلکہ رہبری بھی کر جاتے ہیں۔ اِن تقدس مآب شخصیتوں کو تیرتھنکر کا

روح کا اثر اپنے اندر جذب کرتی ہے۔ اور اُسے لیکر کچھ دیر اپنے اندر بٹھراتی ہے جس سے اُس کی زندگی کے کاروبار کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اِن تین حالتوں سے خالی کوئی نظر نہیں آتا۔

جیو کو روح کہتے ہیں۔ اور اجیو کو عام طور پر مادہ کا نام دیا جاتا ہے دوسرے اور واضح لفظوں میں یہ دنیا روح اور مادہ کے تعلقات کا تماشا گاہ ہے۔ جب تک یہ تعلقات ہیں۔ تب تک راحت۔ سکون اور قرار کا نام و نشان نہیں رہتا۔ کیونکہ یکسانیت نہیں آنے پاتی۔ ہر وقت ضدی کی ضدیت کا نظارہ آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ کبھی کسی کشش میں زیادتی ہوتی ہے اور کبھی کسی میں۔ کبھی کسی کا اثر حاوی ہوتا ہے۔ اور کبھی کسی کا۔ یہ سبب ہے کہ ترازو کے دونوں پلے باہمد گر مساوی نہیں ہونے پاتے اور نہ وہ ہو سکتے ہیں۔ جیو اجیو کے ساتھ ملا ہوا اُسکے اثرات کے شکنجہ میں کھنچا رہتا ہے۔ اور اُسکی حالت کچھ ایسی پیچ و تاب کی ہوتی ہے کہ صحیح معنی میں اُسے یہ علم نہیں ہوتا کہ میں کون ہوں اور یہ کون ہے۔ اسی کا نام ہندو شاستروں میں اگیان ہے۔ لیکن ابھی اوپر کی سطر میں کہا گیا ہے کہ علم و عمل دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں جس جملہ سے اِس پچھلے خیال کی ایک طرح پر تردید ہوتی ہے اصل میں علم اور عمل تو ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں ہے لیکن یہ عمل صرف جزوی اور عارضی علم ہوتا ہے جس کا نقش دل پر گہرا نہیں پڑتا۔ اور مذبذب حالت بنی رہتی ہے۔ زمانہ کے افسوسناک تجربہ سے کسی وقت دل اُچٹ گیا۔ اور اس سے نفرت ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حالت بھول گئی اور عادت کے قانون نے پھر زور کیا۔ اور وہی گورکھ دھندہ جسے تجربہ نے دُکھدائی ٹھہرایا

دیباچہ

علم اور عمل کی باہمی نسبت ہے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دونو وسیع المراد ہیں۔ عمل کے سلسلہ میں انسان کے اندر دو مختلف قوتیں کام کرتی ہیں۔ ایک قوت واحد۔ دوسری قوتِ خارجہ۔ کچھ وہ اپنے اندر داخل کرتا رہتا ہے۔ اور کچھ اپنے اندر سے خارج کرتا رہتا ہے۔ اس عملی شغل کا پتہ اس کے حرکاتِ تنفس سے لگتا ہے۔ جو اپنے عملی سلسلہ میں ثلاثی یعنے تین قسم کا ہے اپنی طرف کھینچنا۔ اپنے سے باہر نکالنا۔ اور اپنے میں روکنا۔ یوگ کی اصطلاح میں اس عملِ ثلاثہ کو ریچک پورک کمبھک کہتے ہیں۔ ریچک عملِ خارجی اور پورک عملِ جاذبہ ہے اور کمبھک عملِ سکون ہے۔ غور سے دیکھنے پر کوئی متنفس ان سے خالی نہیں نظر آتا۔ یہاں تک کہ یہی باتیں عام نباتات کے انفراد میں پائی جاتی ہیں۔ یہ عمل کب سے ہے اور کب تک رہے گا؟ اس کا پتہ کسیکو نہیں ملا۔ اور شاید اس کا پتہ بھی نہ لگے۔ کیونکہ یہ سلسلہ کچھ لاابتدا سا معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ حالت میں یہ عملِ ثلاثی ہر متنفس میں پایا جاتا ہے۔

جینی بزرگوں نے اس سنسار کو جیو اجیو سمووہ مانا ہے۔ یعنی یہ دنیا روح اور غیر روح کا مجموعہ ہے۔ روح اپنا اثر غیر روح پر ڈالتی ہے اور غیر

عرض حال

جین متر منڈل دہلی و ریہ کلاں کی طرف سے ہر معزز ناظم و ناظرہ کو شری مہاویر جینتی اپریل ۱۹۲۷ء کی مبارک تقریب پر ان چار عنوانوں میں سے کسی ایک پر جو کہ اعلان میں درج تھے مضمون لکھنے کے لئے دعوت دیگئی تھی۔ اور تہترین مضمون نگار کو **سند اعجازی** دان پیش کرنے کا وعدہ ہوا تھا۔

لہذا بعنوان "بھگوان مہاویر اور انکا عقیدہ" لالہ شنب لال جی جین مختار عدالت کلکٹری بلند شہر کا مضمون قابل ملاحظہ مجوزہ بابو دھی بابو جیپت رائے صاحب بیرسٹر نے بہترین قرار دیا۔ و منتظمہ جماعت کی ایگزیکٹو کمیٹی نے راقم موصوف کو **سند اعجازی** دینا منظور کیا۔

مضمون بلحاظ مفہوم، سلاست بیان، اور طرز تحریر بیشک قدر اور قابل قدر ہے ناظرین بائیکس اسکے مطالعہ سے خود اسکی خوبیوں کا اندازہ لگا لیں گے۔ جس پر مہرشی شیوورت لعل جی کا دیا چہ سونے پر سہاگہ کا کام کر رہا ہے۔ جس کے لئے متر منڈل مہرشی جی کا مین مشکور ہے۔

چنانچہ یہ وہی مضمون ٹریکٹ کی صورت میں متر منڈل ہذا کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے

سکرٹری جین متر منڈل

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۴۹

بندے جنورم

بھگوان مہاویر

اور

اُن کا وعظ

بوکرے پے اعلان جین مترمنڈل دہلی تقریب شری
مہاویر جینتی منعقدہ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء لالہ شب لعل جین
مختار عدالت کلکٹری بلند شہر نے
دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء رقم فرمایا

جین مترمنڈل ویر بھون دہلی نے شایع کیا

تعداد ۲۰۰۰ مطبع بی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا قیمت ار

نمبر	نام ٹریکٹ	مصنفہ	زبان	قیمت
۵۷	حقیقت معبود	دیرقوم لالہ بھلاناتھ صاحب درخشان بلند شہری	اردو نظم	۰ر
۵۸	حیات بیر	〃 〃 〃	〃	—ر
۵۹	سحر کاذب	〃 〃 〃	〃	۱ر
۶۰	دی ری یل نیچر اوف پرماتما۔	این۔ ایس۔ اگرکر بی۔ اے۔ فاضل کلاس)	انگریزی	۱۲ر
۶۱	پرماتما پرکاش کا اردو ترجمہ جلوہ کامل	لالہ بھلاناتھ جی صاحب درخشان مختار	اردو	۱۳ر
۶۲	لارڈ ارشٹا نیمی	مٹرہری ست بھشٹ چاریہ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل۔ بڑودہ	انگریزی	۶ر
۶۳	جین دھرم ازلی	لالہ دیوان چند صاحب جین منیجر پنجاب اینڈ بنک لمیٹڈ برانچ جہلم۔	اردو	۲ر
۶۴	آداب ریاضت	لالہ بھولاناتھ صاحب درخشان مختار بلند شہر	〃	مفت
۶۵	کمتی اور اس کا سادھن	برہمچاری شیتل پرشاد جی	ہندی	۱ر
۶۶	گیان سورج آدے دوسرا حصہ	محرر قوم بابو سورج بھان وکیل نکودر	〃	۳ر
۶۷	ویرجنتی اُتسو ویر سمت ۲۴۵۵ اور جین میتر منڈل (دہرہ) جہان پبلک لائبریری) سنہ ۲۸ء الغایت سنہ ۲۹ء	سکرٹری جین میتر منڈل دہلی	ہندی اور اردو مشاعرہ	۴ر
۶۸	فوائض انسانی	بابو شب لال صاحب جین مختار بلند شہر۔	اردو	۱۰ر
۶۹	جین ویدوں کا اتہاس اور ہمارا پتن	شریمان بابو اجودھیا پرشاد گوئلی داس دہلوی۔	ہندی	۴ر
۷۰	پنچ برت	لالہ بھولاناتھ صاحب درخشان مختار بلند شہر	〃	۱۰ر
۷۱	رتن ترے کنج	شریمان دریاوادھی بیرسٹر جیت رائے۔	〃	۱ر
۷۲	حسن نظرت یا بھگوان مہاویر اور انکی دیرآب جاودانا۔	جناب پنڈت جنیشور پرشاد صاحب فاضل مرحوم دہلوی	نظم اردو	مفت
۷۳	کمتی	پھاچند جین نیاتیرتھ نیاردھرم شاستری	ہندی	مفت
۷۴	مشاہرہ ویرجنتی سنہ ۳۰ء معہ رپورٹ سالانہ جین میتر منڈل دہلی	سکرٹری جین میتر منڈل دہلی۔	اردو نظم	مفت
۷۵	ویرجنتی اُتسو ویر سمت ۲۴۵۶ اور جین میتر منڈل کا حساب سنہ ۲۹ء الغایت سنہ ۱۹۳۰ء تک کا	〃	ونٹر ہندی	مفت
۷۶	جینی کون ہو سکتا ہے۔	پنڈت جگل کشور مختار سرساوہ	〃	〃
۷۷	حیات رشبھ	دیرقوم لالہ بھلاناتھ صاحب درخشان مختار بلند شہر	اردو	۱ر
۷۸	جین ویدوں کا اتہاس	بابو کاستا پرشاد صاحب ایم آر۔ اے۔ ایس۔	ہندی	۴ر

نمبر	نام ٹریکٹ	مصنفہ	زبان	قیمت
۴۱	جین دھرم کی عظمت مع جین دھرم والے کسکی پرتش کرتے ہیں	جناب بابو رکھب داس صاحب جینی۔ بی اے وکیل میرٹھ۔ مرحوم	اردو	۱ر
۴۲	جین دھرم پر دیشکا حصہ اول	بابو سورج بھان صاحب وکیل نکوڈر	ہندی	۳ر
۴۳	لارڈ مہاویر	مسٹر ہری ست بھٹاچاریہ ایم۔ اے۔ بی ایل	انگریزی	۳ر
۴۴	بھگوان مہاویر سوامی کی جینتی کے جلسے کی روئداد اور جین مترمنڈل کی گیارہ سالہ کارگذاری کی مختصر کیفیت ۳۰ مارچ ۱۹۱۵ء لغایت ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء	سکرٹری جین مترمنڈل دہلی	اردو وہندی	مرسلہ دوی اکرمنٹ
۴۵	صبح صادق یا انوار حقیقت	پنڈت جنیشور پرشاد صاحب مائل آنجہانی	اردو	۱۰ر
۴۶	حقیقت دنیا	دبیر قوم لالہ بھولا ناتھ صاحب جینی درخشاں	؍؍	۱ر
۴۷	لارڈ مہاویر	مسٹر کامتا پرشاد جینی ایم آر۔ اے۔ ایس۔	انگریزی	۴
۴۸	جین دھرمی بہو منڈل کا سالویہ جنک دھرم سدھانت ہونا ہی	بابو مائی دیال صاحب جین بی۔ اے آنرز۔	ہندی	۰ر
۴۹	بھگوان مہاویر اور انکا وعظ	بابو شب لال جین مختار بلند شہر	اردو	۱ر
۵۰	جین مترمنڈل دہلی کا ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۶ء تک کے کام کی کارگذاری	سکرٹری جین مترمنڈل	ہندی	مفت
۵۱	خیالات لطیف یعنی سامایک پاٹھ سنسکرت مصنفہ شری ہت گت جاچاریہ	دبیر قوم لالہ بھولا ناتھ صاحب درخشاں بلند شہری	بترجمہ اردو نظم	مفت
۵۲	جین دھرم	مہرشی شیو برت لال جی ورمن	اردو	۴ر
۵۳	رپورٹ جین مترمنڈل دہلی	سکرٹری جین مترمنڈل دہلی	انگریزی	۴ر
۵۴	لارڈ پارشناتھ	مسٹر ہری ستیہ بھنا چاریہ ایم۔ اے۔ بی ایل	؍؍	۴ر
۵۵	رپورٹ جینتی معہ روئداد کارروائی جین مترمنڈل باہت ۱۹۲۶ء	سکرٹری جین مترمنڈل دہلی	اردو ہندی	۲ر
۵۶	اہنسا دھرم پر بزدلی کا الزام	بابو شب لال صاحب جین مختار بلند شہر	اردو	۰ر

جین متر منڈل دہلی دھرم پورہ کے مطبوعہ ٹریکٹ

نمبر	ٹریکٹ	مصنف	زبان	قیمت
۲۱	برہمچریہ۔	بابو رکھب داس جی وکیل میرٹھ۔	"	۔/
۲۲	شاہراہ نجات	بابو چندو لال صاحب جین اختر	"	"
۲۳	موہ جال	بابو جتی پرشاد صاحب دیوبندی۔	"	۔/
۲۴	بھگوان مہاویر کے جیون کی جھلک	رائے بہادر سیٹھ جگمندر لال جینی لاہور اندور	"	۔/
۲۵	رتن کرنڈ شراوکاچار	پنڈت گردھر شرما نور تن کا وہ لنکار دیوشرما الجین	ہندی	۱/
۲۶	سپت وسن یا ہفت عیوب	بابو ہیمر چند جین۔ اکونٹنٹ انبالہ	اردو	۔/
۲۷	سماییک پاٹھ (میپور تھوٹ)	مترجمہ بابو اجت پرشاد صاحب ایم اے ایل ایل۔ بی۔ وکیل لکھنو	سنسکرت و انگریزی	۱/
۲۸	میری بھاؤنا	جھنو لال صاحب پیکان دہلوی	اردو نظم	۔/ منفت
۲۹	کیا ایشور خالق ہے؟	بابو جتی پرشاد صاحب اوبیر جین پروچیب دیوبند	"	۔/
۳۰	گیان جیوتی اوے حصہ دوم	بابو سورج بھان وکیل۔ نکوڑ ضلع سہارنپور	" نثر	۱/
۳۱	کلام پیکان	لالہ جھنو لال صاحب جوہری۔ پیکان	" نظم	منفت
۳۲	مجموعہ دلپذیر	بابو چندو لعل صاحب اختر۔ وکیل دہلی۔	"	۔/
۳۳	رہنما۔	بابو رکھب داس صاحب جین وکیل میرٹھ	"	۔/
۳۴	سلک جوہر یعنی جین ویر اگ نشک	لالہ بھولا ناتھ صاحب جین مختار و خشان بلند	"	۱۰/
۳۵	آرزوے خیر باد	"	"	۔/
۳۶	گلزار تخیل یعنی بھگتامر استوتر کا اردو ترجمہ	"	"	۔/
۳۷	صن کنیپشن	شریمان چمپت رائے بیرسٹر۔	انگریزی	۲/ مفت
۳۸	جنیدرت پرچن حصہ اول	شریمان برہمچاری شیتل پرشاد جی	ہندی	۱۰/
۳۹	نایاب گوہر۔	مہرشی شیو برت لال جی۔	اردو	۱۰/
۴۰	واٹ از جینزم	شریمان چمپت رائے جی بیرسٹر۔	انگریزی	مفت
۴۱	جین دھرم اور پرماتما	بابو رکھب داس جین مرحوم وکیل میرٹھ	اردو	۲/

پر جانے کی عام ممانعت کرنے کا سپرنٹنڈنٹ پولیس مجاز نہ تھا۔

اِس تجویز کی وجوہات وہی تھیں جو بمقدمہ سرکار بنام کشن لال انڈین لا رپورٹ الہ آباد جلد ۹ صفحہ ۳۱۱ میں دی گئی ہیں۔

امن قائم رکھنے کا منشا آدمیوں کو گھروں میں بند کرنے کا نہیں ہے۔ اِس خیال سے کہ قائمی امن کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہی احکام جین سادھوؤں سے بھی متعلق ہیں۔ وہ تنہا گذریں یا جلوس کی شکل میں۔ افسرانِ مجاز کا فرض ہے کہ ان کے اِس حق کو نہ روکیں بلکہ رائج رکھیں۔ جین سادھو تمام ہندوستان اور ویسی ریاستوں میں آزادی سے برابر گھومتے رہے ہیں۔ کہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہوئی۔ نہ اِس کے متعلق کسیکو کوئی شکایت ہوئی۔

افسرانِ مجاز کا یہ صریح فرض ہے کہ عمل مذہبی میں آنکی مداخلت نہ کریں۔ جیسا کہ وہ ابتک کرتے رہے ہیں۔ اور اِس وجہ سے بھی کہ زمانہ گذشتہ میں تمام دنیا کے لوگوں نے اِس مذہبی عمل کو روا رکھا ہے۔

(اوم۔ شانتی)

یہ تجویز ہوا کہ ترتیب دینے کے معنی امتناع کے نہیں ہیں۔
مجسٹریٹ ضلع کی رائے تھی کہ گانے بجانے کی ممانعت سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اس اختیار سے کی تھی جو اسے دفعہ ۳۱ پولیس ایکٹ کی رو سے حاصل تھا۔ کہ کسی تیوہار یا رسم کے موقعہ پر جو گانے بجانے عام راستوں میں کئے جاویں اُن کو کسی حد تک معین و مرتب کرے۔ میں (جج ہائی کورٹ) مجسٹریٹ ضلع کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ کہ لفظ "ترتیب" کا ہر قسم کے باجہ کی ممانعت پر اطلاق ہوتا ہے۔
ترتیب دینے کا اختیار اُسی معاملہ میں دیا جاتا ہے جس کا کوئی وجود قائم ہو کسی ایسے امر کو جس کا وجود ہی نہیں ہے ترتیب دینے کی ہدایت بالکل بے معنی ہے مثلاً آمدورفت کی ترتیب کے متعلق ہدایت سے حق آمدورفت کا وجود خود قیاس کیا جاوے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ پولیس افسران کسی شخص کو اُسکے گھر میں بند رکھنے یا اُسکی آمدورفت روک دینے کے مجاز ہیں۔
دفعہ ۳۱ پولیس ایکٹ کی رو سے پولیس کو عام راستوں، سڑکوں، گلیوں گذرگاہوں۔ گھاٹوں۔ فرودگاہوں۔ اور آمدورفت کے تمام دیگر مقامات پر امن قائم رکھنے کا اختیار ہے۔ بنارس میں اس اختیار کے بموجب ایک حکم جاری کیا گیا تھا کہ خاص فرقہ کے اشخاص جاترا والوں (ہندوؤں) کو جو اس مقدس شہر کی زیارت کیلئے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر جانے کی ممانعت ہے۔
اِس مقدمہ میں ہائیکورٹ الہ آباد کے قابل جج نے تجویز کیا کہ کسی مقام پر امن قائم رکھنے کے اختیارات کی قوت پر کسی خاص فرقہ کے لوگوں کو کسی خاص جگہ

(منظور حسین۔ بنام محمد زمان۔ الہ آباد لا جرنل جلد ۲۲ صفحہ ۱۷۹)

(پارتھ ساروی آئینگر۔ بنام جن کرشن آئینگر۔ انڈین لا رپورٹ مدراس جلد ۵ صفحہ ۳۰۹)

(شوہ رام چیٹی۔ بنام ملکہ معظمہ۔ انڈین لا رپورٹ مدراس جلد ۶ صفحہ ۲۰۳)

یہی اصول صاف الفاظ میں اس سے پیشتر بھی تسلیم کیا جا چکا ہے۔

آخر الذکر فیصلہ میں صفحہ ۲۰۹ پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جلوسوں کے متعلق یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ مذہبی ہیں اور مذہبی جذبات کا خیال کیا جانا ضروری ہے۔ تو ایک فرقہ کے جلوس کو دوسرے فرقہ کے معابد کے قریب سے نہ گذرنے دینا اسی قسم کی سختی ہے جیسی کہ جلوس کے نکلنے کے وقت عبادتگاہ میں عبادت بند کر دینا۔

(مقدمہ سدا گوپاچاریہ۔ بنام رامارائو (انڈین لا رپورٹ مدراس۔ جلد ۶ صفحہ ۳۷۶) میں بھی یہی رائے ظاہر کی گئی ہے۔

الہ آباد لا جرنل جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ پر ججان پریوی کونسل نے تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان میں ایسے جلوسوں کے جن میں مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں سڑک نکالنے کے حقوق کے متعلق ایک نظیر قائم کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہندوستان میں اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے اس بارہ میں ایکدوسرے کے خلاف ہیں سوال یہ ہے کہ آیا کسی مذہبی جلوس کو مناسب و ضروری تعظیم کے ساتھ شاہراہ عام سے نکلنے کا حق ہے؟ معزز ججان اس کا فیصلہ اثبات میں فرماتے ہیں۔ یعنی یہ کہ لوگوں کو مذہبی جلوس عام رستوں سے لیجانے کا حق ہے۔

مقدمہ رشنکر سنگھ۔ بنام سرکار قیصر ہند۔ الہ آباد لا جرنل رپورٹ ۲۹ء صفحات ۱۸۰ الغایت ۱۸۲۔ زیر دفعہ ۳۰۔ پولیس ایکٹ نمبر ۵ ۱۸۶۱ء

ہیں۔ اور نہ اپنی قیام گاہ پر کسی کا لایا ہوا کھانا قبول کر سکتے ہیں۔ وہ گھوڑا گاڑی وغیرہ کسی قسم کی سواری کا بھی استعمال نہیں کرتے۔ وہ دنیا دار جینیوں کے محلوں میں صبح کے وقت جاتے ہیں۔ اور کسی حق ترس جینی کے یہاں بھوجن کر لیتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ مناسب و معقول اعزاز و تعظیم کے ساتھ پیش کیا جائے۔

وہ کھانا وہیں کھا لیتے ہیں۔ کہیں دوسری جگہ نہیں لیجاتے۔ جینی سادھو کو ہر روز ایک مقام سے دوسرے مقام پر چلا جانا چاہیئے۔ کسی معمولی قصبہ میں پانچ روز سے زیادہ ٹھہرنا اسکے لئے مناسب نہیں۔ البتہ موسم برسات میں انکو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا منع ہے۔ گویا ان کو ایک جگہ پر ہی چار مہینہ برابر رہنا پڑتا ہے۔

ہر دنیا دار جینی اپنے گھر کسی سادھو کی تشریف آوری پر اپنی بہت بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔ اس لئے اسکی آمد کا منتظر رہتا ہے اگر وہ اس سے محروم رہ جاتا ہے تو ناقابل تلافی رنج محسوس کرتا ہے۔

اس بارہ میں قانونی نظائر بھی موجود ہیں۔ پریوی کونسل نے تجویز کیا ہے کہ ہر فرقے کے لوگ اپنے مذہبی جلوس کو عام رستوں سے لیجانے کے مستحق ہیں بشرطیکہ اس سے عوام الناس کو رستہ استعمال کرنے میں جان کا معمولی حق ہی دقت نہ ہو اور مجسٹریٹ کی ان ہدایات کی پابندی بھی ہو جائے جو اس نے رستہ کی رکاوٹ اور نقص امن واقع نہ ہونے کی غرض سے جاری کی ہوں۔ اور کسی مسجد یا مندر میں جو سر راہ واقع ہو عبادت کرنے والے اشخاص جلوس نکالنے والوں کو جبکہ وہ مندر یا مسجد کے قریب ہو کر گذریں محض اس بنا پر کہ اس وقت وہاں عبادت ہو رہی ہے انکی جاری عبادت کو بند کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

دہرمنہ درویشوں، کی تعظیم کرتے تھے Studies in Sanskrit Indians
Jainism, Part-ii Page 134.

جہاں تک اس بارہ میں قانونی مسائل کا تعلق ہے یہ کہنا ضروری ہے کہ اپنے زیرنگین رہنے والی اقوام کے مذاہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کرنا برطانیہ کی سلطنت نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے اور اسکو اپنے عہد پر قائم رہنا چاہیئے۔

۱۸۵۸ء کے شاہی اعلان [illegible] اس قاعدہ کی مخصوص اور واضح طور پر تصدیق کی ہے اور اتنے بعد بھی ہر ضروری موقع پر اسکی تائید کرتی رہی ہے۔

ہر قوم کسی دیگر قوم یا گورنمنٹ کی جانب سے کسی قسم کا تعرض کئے بغیر اپنے قانون کی حیثیت سے بھی اپنے مذہب کی پابندی کا یورا حق رکھتی ہے جین سادھوؤں کا ننگی رہنا تیار کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ قدیم صنائف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمل ہزاروں سال سے برابر چلا آتا ہے۔ یونانی سیاحوں نے جو عیسیٰ سے قبل ہندوستان آئے اس عمل کو یہاں جاری دیکھا۔ مسلمان فاتحوں نے بھی اس عمل کی تصدیق کی رہے جینی لوگ یہ عمل اپنی کتب مقدسہ کے احکام کے موجب اختیار کرتے چلے آئے ہیں کہ جس کا کوئی شمار و حساب نہیں ہے۔

جونہی یہ عمل قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے اسکو دور کرنے کی کوئی حکومت یا سلطنت بند نہیں کر سکتی۔ جین سادھوؤں کا یہ حق ہے کہ وہ تمام کپڑے ترک کر دیں اور جین دنیا داروں کو یہ استحقاق ہے کہ وہ اس امر پر اصرار کریں کہ ان کے سادھوؤں کو یہ عمل کرنے دیا جائے جس کے بغیر انکو اپنے عقیدہ کے مطابق نجات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جین سادھو کسی کا تجویز کیا ہوا کھانا کپڑا کی دعوت منظور نہیں کر سکتے

یونان والوں نے جینو سوفسٹ درویشوں کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے کہ "یہ لوگ برہنہ
اور زاد رہتے تھے تادیب جسمانی (پرہیز) سہتے تھے اور قابل تعظیم سمجھے جاتے تھے نیز آمد
کے مکانوں اور زنان خانوں میں جا سکتے تھے Mc Crindle Ancient
India Page 70-71 Arian Invasion چینی سیاح ہیون سانگ نے
یونیسی کی ساتویں صدی میں ہندوستان میں آیا تھا اپنی زمانہ میں برہنہ درویشوں کو
بھی نقاہ سے موسوم کرکے انکی نسبت بیان کیا ہے کہ یہ (برہنہ سادھو) اپنے جسم کو بالکل
عریاں رکھتے اور بالوں کو نوچ کر پھینک دیتے کبھی جوتے نہیں پہنتے کئے جاتے ہیں (
Le Julien, Vienne page 1 1 1
مسٹر ایلے نے مارکوپولو میں بیان کیا ہے کہ "یہ لوگ برہنہ رہتے ہیں اور انکی
وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ وہ دنیا کو بالکل ترک کر چکے ہیں اس لئے نہیں
دنیا کی کوئی شے سے پیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسکے علاوہ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں
کہ ہم لوگ خدا کے ساتھ گویا ہوتے ہیں اور اس وجہ سے قطعی عریانی ہمارے
لئے ناجائز نہیں ہے اور لوگوں کو اپنے ہاتھ اور ننگی پنڈلی سے کوئی حجاب
نہیں ہے تاہم جو لوگ جسمانی معصیت کا لحاظ کرتے ہیں وہ تین موقعوں سے شرمانے اور بات
ڈھانپتے ہیں (Yule's Marco Polo II 366)
ابو محمد بابلیسی نے جو شیشہ بادشاہ کا (سولہویں صدی عیسوی میں) ایک عہدہ دار
تھا اپنی تصنیف پدماوت کے باب صفحہ پر برہنہ درویشوں کی نسبت اس طرح ذکر کیا ہے
کہ کسی کو تجرد کا طریقہ اپنانا ہو اور کوئی برہنہ رہنا اچھا سمجھتا ہے۔
شہنشاہ اورنگ زیب اور سلطان علاؤالدین بھی معلوم ہوتا ہے کہ سادھوؤں

بہت سے مشہور بادشاہوں کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً چندر گپت موریہ۔ جو ایک نامور شہنشاہ ہوگیا ہے جس نے ناقابل شکست یونانی فوج کو بیسی سے قبل شکست فاش دی۔ اور جس نے سیلوکس نکاطر (یونانی سپہ سالار) کی دختر سے شادی کی۔ بالآخر اپنی وسیع سلطنت کو ترک کر دیا اور درویش ہو کر برہمن تن گھوستا پھرا (تاریخ ہند مصنفہ ستیم صاحب صفحہ ۱۵۴) تاریخی زمانہ میں اموگھ ورش بھی ایک عظیم الشان بادشاہ ہوا ہے جس نے اپنے دنیاوی تخت و تاج کو نجات دائمی کی آرزو پر نچھاور کر دیا۔

پچھلے زمانہ میں تمام ملک کے اندر برہنہ سادھو دیکھے جاتے تھے اور ہر طبقہ کے ہندوستانی انکی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ بودھ مذہب کی کتابوں میں ایسے درویشوں کے حوالے بیشمار بھرے ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

The sacred books of East, vols XIII 228 + XVII 116 and Dhammo Padattha Katha vol I Part II Pages 484+449

ان برہنہ فقیروں کو معزز خاندانوں کے زنان خانوں میں جانے کی عام اجازت تھی۔

سکندر اعظم نے اس قسم کے کچھ درویشوں کو اپنے ملک میں بلایا۔ اور ایک سادھو کو اپنے ہمراہ لیگیا جس کا نام کلیان تھا جو کہ یونانی کتابوں میں کیلینس کے نام سے مذکور ہے فلوجوڈیس (حکیم فلاطوس) بھی اسکو اسی نام سے پکارتا تھا۔ دیکھو Yonge's Philo judaeus, vol III Page 526. (دگمبر جینیوں (برہنہ سادھوؤں) کو یونان والے عیسیٰ سے قبل جمنوصوفسٹ نام سے پکارتے تھے۔ اور یہ بات قابل لحاظ ہے کہ آجکل بھی عریان تنی کے دلدادہ اہل جرمنی اپنی اس امتیازی حالت (برہنگی) کو ظاہر کرنے کے لئے اس اصطلاحی لفظ (جمنوصوفسٹ) کو ہی استعمال کرتے ہیں

ہندوستان کے اندر ہندوؤں میں برہمنہ سادھو (ننگا لوگ) آج بھی موجود ہیں۔ جو آزادی سے ادھر اُدھر گھومتے ہیں۔ بڑے بڑے میلوں کے موقعوں پر الہ آباد۔ ہردوار اور دیگر مقامات پر جاتے ہیں۔ جہاں انکے جلوس بلا کسی حجاب و اعتراض کے مناظر عام میں ہو کر نکلتے ہیں +

مسٹر لوئس جیکولیٹ صاحب درویشوں کے قدیمی عمل کی نسبت اپنی تصنیف occult Science in India میں صفحہ ۲ پر بیان کرتے ہیں کہ سنیاسی لوگ برہنہ رہتے تھے۔ یہ بات تمام ہندوستانی سادھوں کے متعلق کہی گئی تھی۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں کھلی گھومتا اور پورن کاشیپ دونوں اپنے بدن پر کوئی کپڑا نہیں رکھتے تھے اور برہنہ مادر زاد رہتے تھے۔

پنڈت مکھن لعل جین نے اپنی کتاب موسومہ "ویدپرانوں میں جین دھرم کا استتو" اور پنڈت کے بھج بلی شاستری نے اپنے رسالہ "دگمبر مدرا" میں بہت سے ثبوت جمع کئے ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برہنہ درویشی کا عمل کسقدر وسیع پیمانہ پر ہندو مذہب میں مقبول تھا۔ اِس امر کی تائید میں صرف بھرتری ہری کے ایک شلوک کا حوالہ دینا کافی ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ سادھوؤں میں صرف وہی قابل تعریف ہے۔ وہی قابل پرستش ہے۔ اور وہی اپنے شجر اعمال کو بیج بوین سے زائل کرتا ہے جس کو اپنے ہاتھوں کے علاوہ کھانا لینے کے لئے کسی برتن کی ضرورت نہیں اور وہی کھانا صبر و اطمینان سے کھا لیتا ہے جو اُسے پیش کیا جائے۔ جب وہ کھانا لینے کے لئے باہر جاتا ہے تو آسمان کو ہی پوشاک کے کام میں لاتا ہے۔ جس کا کوئی ہمدم و شریک حال نہیں۔ جو بیکار نہیں ہانکتا اور جو اپنے ہی اندر مسرت کی تلاش کرنے میں مطمئن رہتا ہے۔ یقیناً یہ سب نقشہ ایک جین سادھو کا ہے جو ایک عالم باعمل ہندو درویش نے اپنی زبان میں کھینچا ہے +

زمانہ سلف میں بادشاہ سلطنت کو چھوڑ کر برہنہ فقیری اختیار کر لیتے تھے۔ اِس سلسلہ میں

اسلامی کے ماہر کامل تھے حسب ذیل ابیات میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے درویشوں کی برہنگی کو انکی پاکیزگی کا بین نشان تسلیم کیا ہے ؎

گفت مست ای محتسب بگذار رو	از برہنہ کے توان بردن گرو
جامہ پوشاں را نظر بر گاؤ زست	جامہ عریاں را تجلی زیور است
باز عریانان بیک سو باز رو	یا چوں ایشاں فارغ از جامہ شو
در تنی ثانی کہ کل عریاں شوی	جامہ کم کن تا رہ اوسط روی

یہ حوالجات اس مثنوی کے اردو ترجمہ "الہام منظوم" کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۲ - اور ۳۸۴ سے لئے گئے ہیں - الہام منظوم میں ان ابیات کا اردو ترجمہ اس طرح پر کیا گیا ہے -

مست بولا محتسب! کر کام جا	ہم بگا کیا تنگ سے تو عہدہ برآ
ہے نظر ہو پوش کی	ہے تجلی زیور عریاں تنی
یا برہنوں سے ہو یکسو واقعی	یا ہو اُن کی طرح بے جامہ اتنی
ملتقا عریاں جو ہو سکتا نہیں	کپڑے کم کر جو ہے اوسط کے قرین

یہاں مشہور عالم ہے کہ ابو القاسم گنبادی نے لنگوٹی بھی ترک کر دی تھی - اور وہ مکمل برہنہ رہا Religious life and attitude in Islam, Page 205

مذہب اسلام کے عالم تبہ درویش جو ابدال کہلاتے تھے عام طور پر بالکل برہنہ رہتے تھے جیسا کہ مس لوسی ایم گارنٹ نے اپنی کتاب موسومہ ترکستانی راز و نیاز Mysticism and magic in Turkey P98 میں مسلمان درویشوں کی زندگی کے حالات تحریر کئے ہیں - اس کتاب سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو امیدوار ان فقیری ساری عمر مجرد رہنے کا عہد کر لیتے تھے اُن سے کچھ باشی درویشوں کے گروہ میں مکمل برہنہ رہنے کی مشق کرائی جاتی تھی -

نجد درویش کامل تھے۔ انکے پاس کوئی چیز نہ تھی اور برہنہ پا مرزا دیتے تھے۔

عیسائی مذہب کے چھ فرقے جن میں یونان کی نہایت خوبصورت پینٹ یہودی بھی شامل تھی تمام کپڑے اتار کر بیٹھ گئے تھے [illegible] LECKY [illegible] Hist. of the Rise of the Influence of Rationalism in Europe کے اس امر کی بڑی صراحت نہایت [illegible] اس طرح کی ہے کہ دنیا میں بہت بڑے گنہگار ہیں [illegible] تعلق ہیں یا جو جانتے ہوئے بھی اس کو اپنا لیا ہے [illegible] نام مفروضات بذات خود گناہ ہیں جس طرح سے ممکن ہو ان چیزوں کا ترک کرنا ہی گویا گناہ سے بچنا ہے۔ (Hore Necrucae Rationis Liber xiii 244) اس چھوٹے سے رسالہ میں نجات ابدی کے متعلق بڑی بحث بیان کرنا بہت مشکل ہے میں مختصراً اتنا کہہ سکتا ہے کہ [illegible] اعلیٰ ترین کمال کے [illegible] ہو سکتی۔ کیونکہ مترتم کے [illegible] نفاق [illegible] نہیں جیسا کہ [illegible] سے ظاہر ہے۔ تجربہ قدیم کے دیکھنے سے [illegible] کہ [illegible] روش صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ [illegible] اور [illegible] ہی پیشہ (روش) [illegible] پائے جاتے ہیں۔

[illegible] عیسائی [illegible] حل کی نسبت [illegible] صاحب [illegible] فرماتے ہیں کہ آنحضرت کے عہد سے قبل [illegible] کعبہ کی [illegible] کرتے تھے [illegible] کے انتظامی نسبت مشہور [illegible] کے مصنف مولانا جلال الدین صاحب رومی [illegible] جو فلسفہ

باہر آگئیں اور اپنے اپنے پیراہن زیب تن کر لیئے۔ اِس غیر معمولی عمل کی تشریح پُرانوں میں اِس طرح کی گئی ہے کہ نوجوان برہنہ آچاریہ کی نگاہ اُنکی خوبصورتی پر نہ تھی درانحالیکہ وہ اُنکے قریب سے اُنکی طرف دیکھتا ہوا گذرا تھا۔ برخلاف اسکے ویرینہ سال ویاس جی کا عہد پیری انکو حرانِ بہشتی کی اداؤں سے آنکھیں سیر کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔

عروجِ روحانی کو اخلاق کی غلط فہمیوں سے زائل کرنا اور روح کو مختلف زندگیوں کے اندر مسلسل موت و حیات کی تکالیف کا شکار بنانا کفرِ عظیم ہے۔ کیونکہ بہترین زندگی میں بھی ایک لمحہ کے لیے مسرت و راحتی کا حصول ممکن نہیں کہا جا سکتا۔

جین فرقہ کا کوئی درویش جو نہایت سختی و احتیاط سے پارسائی و عفت مآبی کے عہد کی پابندی کرتا ہو اس وجہ سے برہنگی اختیار نہیں کرتا کہ وہ کسیکو نیک عملی سے گمراہ کرنا چاہتا ہے بلکہ اُسکی عریاں تنی کا سبب یہ ہے کہ جین عقیدہ کے مطابق کوئی شخص آخری پارچہ (لنگوٹی) تاگ اور دیگر تمام اسباب بیادی کو قطعی طور پر ترک کیئے بغیر نجات ابدی حاصل نہیں کر سکتا۔

زمانہ سلف میں برہنگی ہی درویش کامل ہونیکا نشان تھا۔ چنانچہ بائبل میں لکھا ہے "اور اُسنے اپنے کپڑے بھی اُتار دیئے اور اسی عمل کی سیموئیل کو بھی ہدایت کی اُس دن تمام دن اور تمام رات برہنہ اور زار و پڑا رہا۔ اس وجہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا ساؤل (Saul) بھی پیغمبر ہے؟ (Samuel XIX 24) خداوند تعالیٰ نے اُسی وقت اموز کے لڑکے اشائیہ سے کہا "جاؤ! اگاڑھا کپڑا اپنے تن سے دور کر دو اور پیروں سے جوتے نکال دو" اُسنے ایسا ہی کیا اور عریاں تن اور برہنہ پا پھرتا رہا (Isaiah) یہودیوں کی کتاب "معراج اشائیہ" (Ascention of Isaiah) کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ معراج کا عقیدہ رکھنے والے واپس ہو کر پہاڑوں پر آباد ہو گئے ..... وہ سب

عام پر انہیں جگہ دیتے ہیں۔

مقصد روحانی کے متعلق جملہ امور کو نظر انداز کر کے بھی یہ کہنا کافی ہے کہ اگر عقل انسانی کی حدود سے بالاتر خیالات کو نیک عملی سمجھا جائے تو دنیا کے تمام کام بند ہو جائینگے۔ مثلاً کسی ضعیف و کمسن بچہ کے والدین اگر اسکی برہنگی کی بنیاد پر اسکی صحت و صفائی کا لحاظ نہ رکھیں تو کیا اُسے کوئی تکلیف نہوگی؟ اور اسی طرح کسی نحیف بیمار کی جان پر کیا بنے گی۔ اگر باین وجہ اسکی تیمارداری و ایسی خبر گیری کرنے میں پس و پیش کرنے لگے تو زن و شو کے تعلقات باہمی بھی کس قدر ناخوشگوار ہو جاوینگے۔ اگر برہنگی کو بد اخلاقی کا ہمپایہ سمجھ کر انکے خلوت خانوں سے بھی متعلق کر دیا جائے؟ ۲۰-۲۵ سالہ نوجوان انگریزی قوم کی لڑکیوں کو لندن کے عجائب خانہ میں برہنہ مردوں کی علانیہ طور پر تصویریں کھینچتے ہوئے میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ اور اُنکے اس عمل سے کسی کے دل کو صدمہ نہیں پہنچتا ہے۔

اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ برہنگی بذات خود کوئی بد اخلاقی نہیں ہے لیکن یہ حالت صرف اس وقت قابل اعتراض ہو جاتی ہے جبکہ اس سے پارسائی اور نیکوکاری کا زوال مقصود ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے پُرانوں میں بہشتی حوروں کی حکایتوں سے یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ کچھ حورانِ بہشتی کسی تالاب کے اندر پانی میں کھیل رہی تھیں۔ ایک بالکل برہنہ نوجوان (شکار) جاریہ اُنکے پاس ہو کر گذرا اسوقت وہ بھی تمام برہنہ تھیں لیکن تو بھی اُنہوں نے اِس برہنہ نوجوان کا کوئی خیال نہیں کیا اور اپنے لہو و لعب میں برابر مشغول رہیں۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے اس نوجوان کے سالخوردہ والدِ ماجد (ویاس جی) کو اپنی طرف آتے دیکھا جنہیں دیکھ کر وہ تمام فوراً پانی سے

جین سادھوؤں کی برہنگی

جین فرقہ میں زیادہ تر لوگ کپڑے پہنتے ہیں جنکو وہ جیوں جیوں تارک اخلاق (بان پرستھ) درجہ کے قریب آتے ہیں تیوں تیوں آہستہ آہستہ کم کرتے جاتے ہیں۔ آخر کار دیگمبری کی گیارھویں (آخری) منزل پر پہنچ کر بالکل ایک ننگا فقیر رہ جاتا ہے۔ سادھو یا درویش کا وجود اس سے بھی اونچا ہے۔ دگمبر فرقہ کے سادھو لنگوٹی کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ فقیری اختیار کرنے پر وہ کپڑا بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ کپڑوں کا استعمال اس منشا سے منع نہیں کرتے ہیں کہ ننگے عملی زائل ہو جائیں یا خواہشات نفسانی یا بد اخلاقی کا جذبہ کسی کے دل میں پیدا ہو جائے۔ درویشوں کی برہنگی کا کوئی اثر اخلاق پر نہیں پڑتا۔ عورتوں کے ضوابط کے مطابق جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے ہمیں ہونا نہ چاہیے کہ یہ سوال مذہب کے دل کے بارے میں پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ مقصد روحانی کے حصول میں کسی طرح حارج ہو سکتا ہے۔ اس بات کو سب جانتے ہیں کہ دنیا کی بہت سی کتابیں ایسے مضامین سے بھری پڑی ہیں جو مذہبی کتابوں سے باہر ہونے کی صورت میں بھی نا شائستہ سمجھے جا سکتے ہیں اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ مرد و عورت کی تصویریں اور بت مجسمے ضروری کے نمونے کے طور پر نہ صرف عجائب خانوں اور نمائشوں میں عوام کے دیکھنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں بلکہ ہر طبقہ کے معزز اور دیندار لوگ اپنے توشہ خانوں اور نشست گاہوں میں منظر

ترک کرتا ہے اتنا ہی طبیعت میں صبر و شکیب اور امن و سکون پیدا ہوتا ہے جس سے خود بخود اسکو سرور روحانی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

پس اگر ہمارا یہ عمل کو باعث مسرت قرار دیا جاوے تو بلا پس و پیش مان لینا پڑیگا کہ ترک جزوی سے مسرت جزوی اور ترک کامل سے مسرت کامل حاصل ہو سکتی ہے۔ جبتک کسی شخص کو اپنی مترو پنچی کے لئے ایک لنگوٹی کی بھی احتیاج باقی ہے۔ یا کامل برہنگی کی صورت اختیار کرنے میں شرم و حجاب کا شمہ برابر بھی جذبہ طبیعت میں موجود ہے اسکو تارک کامل ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

پس ڈنمبری مذہب کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ نجات دائمی ہی ہر شخص کا مطمع نظر اور مقصد اعلیٰ ہونا چاہیئے اور جو شخص نجات ابدی کی مسرت حاصل کرنے کے درپے ہے اُسے تارک کامل ہونا لازمی و ضروری ہے دیگر ہی طبقہ کے درویش اسی مذہبی نقطۂ نگاہ سے تعلقات متعلقات دنیاوی کا ترک کامل کرکے برہنہ رہتے۔ دیشہ ائد حسامی ہتے ہوئے آہستہ آہستہ رہائیت کا کشف کامل حاصل کرلیتے ہیں اسی شاہراہ عمل پر وہ لوگ ہمیشہ سے بلا کسی تعرض و امتناع کے گامزن ہوتے رہے ہیں۔ اور اب بھی جنکو اپنے جذبات نفسانی اور خواہشات طبعی پر پوری قدرت حاصل ہے اس دشوار گذار رستہ سے اپنی منزل طے کر رہے ہیں۔ نہ پیشتر کبھی کسی سلطنت نے انکو اس مذہبی عمل سے باز رکھا۔ نہ موجودہ گورنمنٹ نے اپنے گذشتہ ۱۵۰ سال میں اس استحقاق مذہبی میں کوئی دست اندازی کی۔ پھر اب کیوں کسی ذمہ دار عہدہ دار سرکاری کو قوانین شاہی و اعلان سرکاری کی خلاف ورزی کرکے بین سادھوؤں پر کسی قسم کی حسب پسند خود فیصلہ عائد کرنے اور انکی مذہبی آزادی کو کچل ڈالنا واجب العمل معلوم ہوتا ہے؟ اس امر کو ہمارے مخترقوم جادوگار مسٹر **چمپت رائے** صاحب بیرسٹر نے اپنی انگریزی تصنیف میں دلائل و نظائر اور حوالجات سے نہایت بین اور علانیہ طور پر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جسکو پڑھکر ایک حد تک بین سادھوؤں کی برہنگی کے متعلق غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ جین مترمنڈل دہلی کی فرمایش پر اردو داں اصحاب کے ملاحظہ کے لئے اسی نایاب موجود سیالہ کا یہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

اُمید کہ پبلک اس سے ضرور کچھ فائدہ اُٹھائے گی۔

ہیچمدان۔ درخشان۔ مترجم

دیباچہ

جو لوگ مجرد اور روحانیت کے قائل نہیں ہیں اُنکا نقطۂ نگاہ محض دنیاوی تعلقات اور جسمانی آسائش تک ہی محدود ہے۔ لیکن جنکو روح کے وجود اور صفات روحانی کے اِنکشاف کا عقیدہ ہے؟ اپنے تن خاکی اور اُسکے متعلقات کو روح اور روحانیت سے بالکل غیر سمجھتے ہیں۔ اُنکا یہ یقین ہے کہ حیات وممات کے شدائد میں روح کے سرگردان ہونے کا باعث یہ ہے کہ روح کی ذات پاک سے ذرات فعلی کا اشتمال تنویر روحانی کو محجوب و مکسور کر دیتا ہے اور جیسے جیسے اِن فعلیہ ذرات مادی کا اِس سے انفکاک ہوتا رہتا ہے ویسے ویسے ہی کشف روحانی ظہور میں آتا جاتا ہے۔ جب اس امتزاج فعلی سے روح قطعی مبرا و مصفا ہو جاتی ہے تو وہ بالکل مسرور بالذات ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت روحانی کو نجات ابدی کہتے ہیں۔ انسانی زندگی میں حصول و ترک دو قسم کے عمل ہی ممکن الوقوع ہیں یعنی ایک طرز عمل یہ ہے کہ کوئی شخص دنیاوی مال اسباب جاہ و حشمت زن و فرزند وغیرہ کے حصول کی جانب رجوع رہے۔ اور دوسرا طریق عمل یہ ہے کہ انسان ان تمام تعلقات و مقبوضات کو جزواً یا کلاً ترک کر دے۔ صحیح ہے کہ اشیائے دنیاوی کے حصول کی کوششیں اور اُنکی کامیابی کبھی کبھی کسیقدر مسرت عارضی کا باعث ضرور ہوتی ہیں لیکن مسرت دائمی کے حصول کا سبب ہرگز نہیں کبھی ہو سکتیں۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ کسی شے مقصود کے حاصل کرنے میں بیحد رنج سہنے پڑتے ہیں نا کامیابی پر بیشمار قلق ہوتا ہے اگر بالفرض محال کامیابی ہوئی تو اُس شے کی موجودگی ہمیشہ نہیں رہتی پھر اُسکی جدائی پر قلبی و روحانی صدمہ اٹھانا پڑتا ہے تو کیا ایسی عارضی مسرت کو مسرت کامل کہہ سکتے ہیں جو محض رنج و قلق کا پیش خیمہ ہو؟ ہرگز نہیں کیونکہ مسرت کامل تو وہ ہے جو جاوید اور لازوال ہو۔

جب دوسرے عملی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنا جتنا کوئی شخص دنیاوی گرویدگی کو

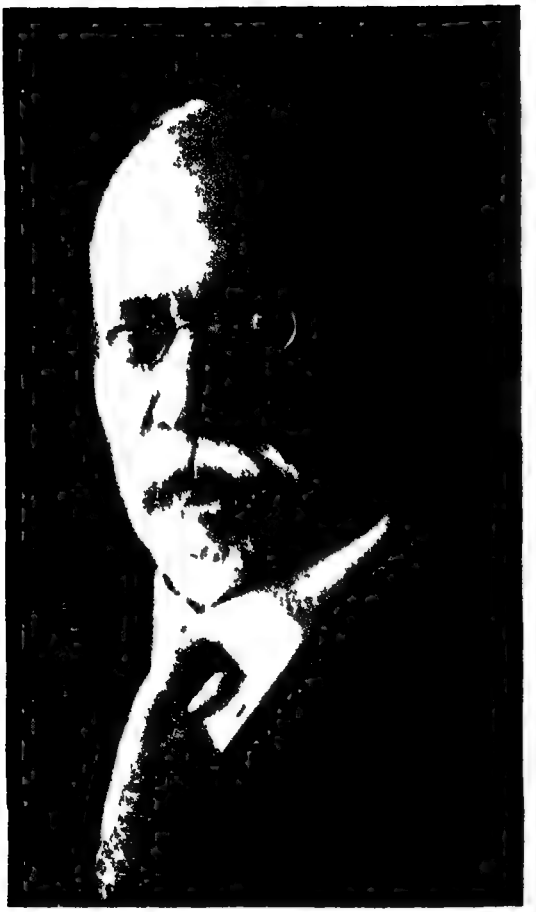

C R IAIN

شکریہ

اِس قابل قدر مختصر رسالہ کی اشاعتِ عام کے لئے
صاحبانِ ذیل نے مالی امداد فرمائی ہے جس کا منڈل
تہِ دل سے مشکور ہے۔

(۱) مہابیر پرشاد صاحب جین بجلی والے رئیس دہلی ... ۵ جلدوں کا خرچہ

(۲) لالہ پارس داس صاحب جین بجلی والے رئیس دہلی "

(۳) ایک معزز جینی صاحب نے گپت دان ۵۱۰

سیکریٹری جین مترمنڈل دہلی

ٹریکٹ نمبر ۸۱

ودیاوارِدھی جین درشن دواکر

شریمان مسٹر چمپت رائے جین بیرسٹر ایٹ لا دہلی

کی تصنیف

THE NUDITY OF JAINA SAINTS

کا اردو ترجمہ

جین سادھوؤں کی ننگی

از قلم معجز رقم

دبیر قوم بابو بھولا ناتھ صاحب جین درخشان مختار عدالتِ بلند شہر

جسکو

جین متر منڈل دہلی (دھرم پورہ) نے شائع کیا

اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء

بار اول ۱۰۰۰ از مطبع ہائے سرمنٹنگ ورکس، چاوڑی بازار دہلی، قیمت ا

جین مترمنڈل دہلی کے مطبوعہ نئے ٹریکٹ

(۱) رپورٹ شری مہاویر جینتی ۱۹۲۸ء	قیمت ۲ر
(۲) " " ۱۹۲۷ء	" ۴ر
(۳) اہنسا دہرم پر بزدلی کا الزام	" آدھ آنہ
(۴) حیاتِ ہیر۔ منظوم	" ا
(۵) حقیقت معبود	"
(۶) جلوہ کمال (شری پرمانند پرکاش کا اردو ترجمہ)	چھپ رہا ہے
(۷) جین دہرم ازلی ہے	
(۸) آداب ریاضت	"
(۹) کمتی اور اس کا سادھن۔ ہندی۔	"
(۱۰) گیان سورج اودے حصہ دوم "	"
(۱۱) بھگوان نیم ناتھ۔ انگریزی۔	"
(۱۲) جین دہرم	قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ

جین مترمنڈل دریبہ کلاں دہلی

ٹریکٹ نمبر ۸۱

ودیاوارِدھی جین درشن دواکر

شریمان مسٹر چمپت رائے جین بیرسٹر ایٹ لا دہلی

کی تصنیف

THE NUDITY OF JAINA SAINTS

کا اردو ترجمہ

جین سادھوؤں کی ننگی

از قلم معجز رقم

دبیر قوم بابو بھولا ناتھ صاحب جین درخشان مختار عدالتِ بلند شہر

جسکو

جین متر منڈل دہلی (دھرم پورہ) نے شائع کیا

اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء

تا اول ... از مطبعۂ ماسٹر ٹنگ ورکس ... جاوڑہ بازار دہلی ... قیمت ۱

جین مترمنڈل دہلی کے مطبوعہ نئے ٹریکٹ

(۱) رپورٹ شری مہاویر جینتی سنہ ۱۹۲۵ء	قیمت ۲ر
(۲) " " سنہ ۱۹۲۷ء	" ۴ر
(۳) اہنسا دھرم پر بزدلی کا الزام	" آدھ آنہ
(۴) حیاتِ بیر۔ منظوم	" "
(۵) حقیقت معبود	" "
(۶) جلوہ کال (شری پرمانند پرکاش کا اردو ترجمہ)	چھپ رہا ہے
(۷) جین دھرم ازلی ہے	"
(۸) آداب ریاضت	"
(۹) مکتی اور اس کا سادھن۔ ہندی۔	"
(۱۰) گیان سورج اودے حصہ دوم "	"
(۱۱) بھگوان نیم ناتھ۔ انگریزی۔	"
(۱۲) جین دھرم	قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ

جین مترمنڈل دریبہ کلاں دہلی

ہو سکے۔ آمین ؛

قطعہ

یہی عمل ہے اطبار کا اور یہی دستور
کہ ہو مرض کی وجہ دور تو مرض ہو دور
عمل ہمارے وخشاں میں بیچ مہم کا سبب
جو روح پاک ہو اُن سے تو پائے امن و سرور

تاریخ تصنیف رسالہ ہذا سال بکرمی

دل ظلمت دنیا کی طرف راغب ہے
دنیا کا جھکاؤ قلب کی جانب ہے
یہ رنگی عالم ہے سیہ آنکھوں میں
دوگونہ وخشان سحر کاذب ہے

۹۹۱ × ۲ = ۱۹۸۲

کٹورہ سے ایک بوند بھی چھلک جانے پر وہ گردن زدنی ہوگا۔
چنانچہ وہ معترض محلاتِ شاہی کے اندر گھوم پھر کر آگیا اور کٹورا جوں کا توں واپس پیش کیا۔ اِس پر مہاراجہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تو نے کیا دیکھا؟
اُس نے جواب دیا کہ مہاراج سب جگہ پھرا۔ اور سب کچھ دیکھا، مگر گردن اُڑ جانے کے خوف سے دھیان کٹورے پر رہا کہ کوئی قطرہ نہ گر جائے۔ اِس وجہ سے کسی زیبائش، خوبصورتی یا کاریگری کی طرف طبیعت کو کشش نہیں ہوئی۔ پھر کیا بتاؤں کہ کیا دیکھا؟
اِس پر مہاراجہ نے سمجھایا کہ بس انسان کو بھی دنیا میں اِسی طرح رہنا چاہیئے جیسے آب میں کنول۔ جو ہر وقت پانی کے اندر رہتا ہے لیکن پانی سے الگ۔ اُس کے ساتھ غلط ملط نہیں ہوتا۔ میں بھی جہان بھر میں پھرتا ہوں۔ اور تمام دنیا کو نگاہ میں رکھتا ہوں۔ لیکن میں اِن نیرنگیوں میں جذب اور محو نہیں ہوتا۔ میرا دھیان ہر وقت اپنے مقصدِ اعلیٰ کی طرف رہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی میری نگاہ میرے ذاتی مقصد کو فراموش کر دیگی تو بقولے کہ "آنکھ بچی اور مال دوستوں کا" میں بھی گردن زدنی ہو جاؤنگا۔
مہاراجہ کے اِس پُر حکمت کلام کو سُنکر اُس کے عارف باکمال ہونے کا ہر شخص نے اعتراف کیا۔ پس اِس رسالہ کی ترتیب بھی اسی اُمید سے کی گئی ہے کہ اِس دنیائے دوں کی "سحر کاذب" کی بھونڈی اور دلفریب خوش رنگیاں جو طبائعِ انسانی کو اپنی طرف کھینچے ہوئے ہیں۔ ناظرین کے زاویۂ نگاہ سے اوجھل اور اُنکے اطرافِ قلب سے برطرف ہو جائیں۔ اور عرفانِ حقیقی کی صبحِ صادق کا نور اُنکے تدریجی دل و دماغ کو روشن کرتا ہوا آخر کار اُن کو تسکین دہ اور مسرت بخش

تین آغازی مرحلے ہوا کرتے ہیں۔

اوّل۔ اُسکی اصل حقیقت سے واقفیت۔

دوم۔ اُسکے حصول کی تدابیر۔

سوم۔ اُن تدابیر کے مطابق عمل۔

انجام کار نتیجہ کی امید کی جاتی ہے۔

اِس مختصر مضمون پر غور کرنا اور تصورات مذکور کا ذہن نشین ہوجانا گویا مسرت کی اصل حقیقت سے واقفیت پیدا کرنا ہے۔ ساتھ ہی حصولِ مقصد کی تدابیر بھی اِس سے معلوم ہوجاوینگی۔ اگر انکے مطابق بالفعل کوئی عمل نہیں کرسکتا ہے تو نہ سہی۔ خیالات میں پاکیزگی۔ علایق سے بیزاری۔ دنیاوی تفکرات سے آزادی جسقدر بھی ہوسکے اچھا ہی ہے۔ "کچھ نہیں سے کچھ بہتر"

ہماری ذاتی رائے میں تو اِس بات کا کسی شخص کے دل میں خیال بھی پیدا ہوجانا کہ ہماری روح کا اعلیٰ مقصد مسرتِ دائمی کا حصول ہے اور اس میں کامیابی علائق دنیاوی کے ترک سے ہی ممکن ہے، اُس کے مستقبل کو درست کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

مہاراجہ بھرت پر بھی یہ شبہ کیا گیا تھا کہ وہ ربع مسکوں کا شہنشاہ دن رات افواج کے اہتمام، فتوحات کے سرانجام میں مشغول۔ ہزاروں بیگمات اور لاکھوں ملازمان کی نگہداشت میں مصروف۔ اور بیشمار شاہی وفالگی امورات کے نظم ونسق میں محو رہتا ہے۔ حقایق شناس اور عارف روحانیت کس طرح کہا جاسکتا ہے۔

اِس کے جواب میں خود مہاراجہ نے معترض کو ایک تیل سے بھرا ہوا کٹورا دیا اور فرمایا کہ وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے تمام حرم سرا کی زیبایش دیکھ آئے لیکن

ہو جاتا۔ اور بندا عمال میں دست و بستہ ہو کر بے بسی اور بے کسی کی حالت میں موت و حیات کی تکالیف برداشت کرنا۔

پس اگر اس شخص کی صحت کا مریض کو یقین کامل ہو جائے۔ اور اُسے اپنے مرض دوامی سے صحت یاب ہونا بھی دل سے منظور ہو۔ تو اُسکے مرض کا واحد علاج یہی ہے کہ اُسکی روح کو اسباب ماسوا کے تعلقات سے از خود رفتہ نہ ہو کر اپنی صفات ذاتی کے تصور و مراقبہ میں جذب ہو جانا اور زہد و ریاضت کے ذریعہ سے کثافت اعمال کو اپنے وجود پاک سے قطعی دُور کر کے ہر وقت نور حقیقی کے انکشاف میں ہمہ تن ساعی و مصروف رہنا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ اسباب مادی اور علائق بیرونی کے قبول سے جو مرض پیدا ہوا ہے اُس کا ترک کلی ہی ازالۂ مرض کے لئے خوشگوار ہو سکتا ہے۔

پس اس طرح دنیاوی مصائب اور جسمانی تکالیف کے اسباب دور ہو جانے پر روح خود مسرور بالذات ہو جائیگی۔ اسی کا نام اعلیٰ مسرت ہے اور یہی سرور دائمی ہے یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ جس مسرت کی ہم کو طلب ہے جسے ہم اِدھر اُدھر تلاش کرتے ہیں وہ بیرونی چیزوں میں نہیں ہے نہ باہر سے کہیں ملتی ہے۔ وہ اپنی ذات خاص کے اندر ہی موجود ہے صرف پردۂ اعمال اُسکے حصول میں حارج ہو رہے ہیں۔ جس وقت یہ پردہ اُٹھے گا۔ سرور حقیقی کا از خود انکشاف ہو جائے گا۔

ممکن ہے ابنائے روزگار راستی نہ کیونکہ وہ سرور دائمی اور امن حقیقی کے متوقع ہیں مسرت دوامی کی جنس کو ترک کلی کی قیمت پر خریدنا گراں سمجھیں۔ ایسی حالت میں ہمکو قوی شبہ ہے کہ وہ کہیں اس مضمون کو بھی بیکار و بے سود نہ سمجھ بیٹھیں اس لئے ہم اُنکو صاف طور سے بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہر مقصد کی کامیابی کے لئے

نتیجہ

درخشاں رہنمایانِ طریقت — یہی فرماتے ہیں ازراہِ شفقت
اگر چاہو کہ حاصل ہو مسرت — تو کرنا چاہئیں وہ دور علت
سرور دائمی جن سے رکا ہے
یہی وجہ حصولِ مدعا ہے

(✤)

ناظرین اس مضمون کو پڑھکر یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم کیا کہہ رہے تھے اور کیا کہنے لگے۔ نہیں ہم مسرت کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے۔ اور واقعی اس مقام پر پہنچ گئے جہاں مسرت ہی مسرت ہے۔ مسرت کا دفینہ اور اسکے حصول کی تدابیر ہمنے آپ کو بتادیں۔ اب اس کا حاصل کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

دیکھئے جملہ اطبائے دہر کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی مرض کا علاج مقصود ہو تو وہ اول وجہ مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔ کیونکہ مرض پیدا ہونے کے اسباب کا دور کر دینا ہی مجرب علاج ہے۔

ہادیانِ طریقت نے بھی اسی اصول کی پابندی کی ہے یعنے اول انہوں نے اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے یہ تشخیص کیا ہے کہ مریض جو دو تسائع میں مبتلا ہے ایک علت میں معلول ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مسرت نصیب نہیں ہوتی۔ وہ علت کیا ہے؟ روح کا اپنی اصل حقیقت سے بیخبر ہو کر بیرونی علائق میں محو ہو

جائے گا کہ خود اور خدا میں کوئی تفاوت باقی نہ رہیگا۔ اسی سے منزلِ مقصود تک اپنی رسائی اور اپنے نقشِ قدم سے پیروکاران کے لئے سچی رہنمائی ہوگی۔ خواہشِ خود اور ہوس و جماع کے خیال و عمل میں انسان و حیوان یکساں ہیں۔ اگر ان دونوں ہستیوں میں کوئی معتدبہ فرق ہے تو صرف یہی ہے کہ انسان اپنے مستقبل کو پیشِ نظر رکھکر بہبود روحانی کا کوشاں ہو سکتا ہے۔ حیوانِ مطلق کو اسکی تمیز نہیں۔ یہ دنیا ایک آئینہ خانہ ہے۔ جو انسان اس کے رنگ و روپ کے شیفتہ ہو کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ انکی زندگی حیوانات سے بدتر ہے وہ عرصہ دراز تک ان ہی جہل جہالتوں میں چکر کھاتے ہیں۔ غالب انسانی میں آکر صاحب عقل اور اشرف المخلوق کہلانا اسی وقت بامعنی ہو سکتا ہے کہ اپنے تنگ و تار قلب کو نورِ حقیقت سے روشن کرکے معراجِ روحانی کو حاصل کر لیا جائے۔ اسی سے وہ سرت کامل میسّر آئے گی جو کبھی زائل ہونے والی نہیں ہے۔ اور وہ اطمینان نصیب ہو گا کہ

بایدوشاید۔

قطعہ

خودی کو چھوڑ کے خود کو شناخت جسنے کیا — خود و خدا کی حقیقت کو جس نے جان لیا
وہ باخدا ہے و رخشاں غداصفت ہو وہی — وہی ہے محرمِ دو عالم کا ناخدا گویا

تو اُتم ستیہ ہو ظاہر جہاں میں

رموزِ ما و من سے ہوں خبردار ہو زہد و ضبطِ نفسی سے سروکار
نہوں لذاتِ نفسانی میں سرشار نہو مطلوب عشرت اور نہ آزار
اگر سینم کے بھاؤں کا ہو اظہار

(۴)

مشقت سے رہے مشقِ ریاضت نہو افکارِ دنیا دی کی کلفت
کتب بینی کی دھن ہو وقتِ فرصت ہو وقف یادِ حق ہر ایک ساعت
ہے اُتم تپ یہی شغلِ عبادت

خبرداری ہو حالِ پیش و پس سے حذر ہو جہاں کی دسترس سے
مکوف دل نہو حرص و ہوس سے ہو باطن صاف اسبابِ نجس سے
ہے اُتم تیاگ ترکِ مال و کس سے

کوئی خواہش نہ پیدا ہو کسی آن نہ ہو دنیا و مافیہا کا کوشاں
وہ استغنا کے داہوں رازِ پنہاں نجاتِ روح کا بھی ہو نہ خواہاں
اگر ہو اتم آکنچن نمایاں

ہو دل نورِ تجرد سے منور نگاہوں میں بھریں عصمت کے جوہر
پرمی پیکر کو سمجھیں سنگ پیکر حصولِ وصفِ ذاتی ہو مقدر
درخشاں بر بچریہ ہو جو بہتر

(۵)

پس ان اصول دہ گانہ کے مطابق روح کے عمل پیرا ہونے سے اسپر رموز حقیقی کا انکشاف ہو جائے گا۔ اور بالآخر خودداری اور حق شناسی کا وہ مرتبہ حاصل ہو

سے دین روحانی کے دس اصناف بیان کئے ہیں۔ جن پر پورے طور سے کاربند ہونا روحانیت کے کمال کا باعث ہے۔ اسی سے اسکی اصلی طاقتوں کا انکشاف ہوتا ہے انکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

معافی۔ انکساری۔ بے ریائی — صفا و صدق۔ زہد و بے نوائی
ریاضت۔ ترکِ خواہش۔ پارسائی — یہی دس دھرم کے لکشن ہیں بھائی
کہ جن سے دل کی ہوتی ہے صفائی

کوئی بے وجہ کتنا ہی ستائے — کرے توہین یا کچھ منہ چڑائے
مگر اس پہ غضب دل میں نہ آئے — ہمیشہ عفو کرنا دل کو بھائے
دھرے اتم کشما اور چپ لگائے

خیالِ نیک کی جلوہ گری ہو — طبیعت کبر و نخوت سے بری ہو
دلِ دل انکساری سے بھری ہو — پرے سر سے خودی و خودسری ہو
تو اتم مارد وے بہتری ہو

ریا کے نقش دل میں بے نشاں ہوں — نشاں نیکی کے ہر صورت عیاں ہوں
بیک صورت دل و جسم و زباں ہوں — دماغ و دل مجا بے گماں ہوں
جو اتم آریو کے رازداں ہوں

صفائے باطنی پدِ نظر ہو — بدن کی ترک ساری جن سنور ہو
غوئے قلبی کی کوشش بیشتر ہو — زبوں جذبات کا زائل اثر ہو
جو اتم شوچ کا دھاری بشر ہو

صداقت اور حلاوت ہو زباں میں — ملائم لفظ و معنی ہوں بیاں میں
نہ ہو نارستی وہم و گماں میں — ہو سود خلق مخفی درمیاں میں

صفاتِ ذاتی

(دھرم بھاؤنا)

نہ رکھو دل میں خیال کبر و نخوت　　بدر سے خودی کو کرو بے عجلت
فنا ہے خود کی جب حاصل ہو مرتبت　　تو مرگ و زیست کی مٹ جائے دہمت
کہ ذاتِ خود ہی ذاتِ حق نما ہے
درخشاں باخدا جو ہے خدا ہے

اِن تمام اُمور پر جو قبل ازیں مذکور ہوئے غور و فکر کرنے کے بعد آخری مسئلہ حل طلب یہ رہ جاتا ہے کہ وہ دینِ حقیقی کیا شے ہے جسکے بموجب کاربند ہونے سے نجات ابدی اور مسرت لازوال کا حصول ممکن ہے۔ دین کے لغوی معنے۔ آئین و رہگذر کے ہیں۔ لہٰذا ہر شے کا جو ذاتی وصف ہے اُسی کے مطابق اسکو طریق اختیار کرنا اُسکے کمال کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً آگ کی صفت تپش اور سوزش ہے اِس کے ہونے سے ہی آگ کا کمال ہے۔ اگر سوزش اور تپش نہ رہے یا کم ہو جائے تو یہ اس کا زوال ہے۔ اِسی طرح روح کی بہبود بھی اسکی ذاتی صفات کے مطابق کاربند ہونے پر منحصر ہے۔ جو کچھ عمل روح اپنی ذاتی صفات کے خلاف کرتی ہے اُس سے اُسکی طاقتوں کا زوال لازم آتا ہے اور اسکی پاداش میں اُسکو آئے دن بلاؤں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ طریق روحانیت کے سالکان برگزیدہ نے اپنے ذاتی تجربہ

اور عالمِ جنات کی گلگشت نصیب ہوگئی۔ وہاں جاکر عیش پرستی میں اسنے رہا سہا بھی سب بھلا دیا اور اپنے ثمرۂ اعمال کے بموجب پھر کسی نہ کسی قالب میں پناہ لی۔

اِن تمام بلاؤں سے بچکر خوش قسمتی سے قالب انسانی میں آنا۔ اسقاطِ حمل سے محفوظ رہکر اعلیٰ تبار میں پیدا ہونا۔ بیوقت موت سے بچکر عمر دراز پانا۔ قوائے سلیم۔ حواسِ صالح۔ اور صحت جسمانی کا نصیب ہونا۔ دنیاوی تفکرات میں ہمہ تن مشغول نہ ہوکر کشف روحانی کی طرف میلان خاطر کرنا۔ کارہائے صلح و خیر کے لئے فرصت پانا مقصودِ حقیقی کے حاصل کرنے کے لئے سچے رہنما کا مل جانا نہایت ہی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

بڑے نصیبوں سے اِن تمام نعمتوں کو پاکر بھی اگر کوئی انسان روحانی فلاح و بہبود کے درپے نہیں ہوتا ہے تو یہ کہنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ بیش قیمت اور نایاب جواہرات کو پاکر کمال نادانی سے قعرِ دریا میں پھینک رہا ہے جن کے پھر مل جانے کا امکان نہیں اِن تمام چیزوں کا یکجا مہیا ہونا تو مشکل ہے ہی۔ لیکن رحم کی تعلیم دینے والے مذہب کو۔ روحانیت کی صحیح ہدایت کرنے والی ہمہ داں ہستیوں کو۔ اُن ہادیان طریقت کے کلامِ پاک کو۔ اور اُنکی ہدایت پر خود عمل کرنے والے راہِ حقیقت کے سچے رہنماؤں کو ہی قابل قبول اور قابل تقلید یقین کرنا۔ اُنکے نکات اصول و تفصیلات کا مکمل علم حاصل کرنا۔ اور پھر اُنکے بموجب خود عمل پیرا ہونا۔ اِس سے بھی مشکل ہے۔ لیکن اِن مشکلات کو آسان کئے بغیر منزل مقصود کی باریابی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پس روحانی تعلیم کے لئے جو کام آج کیا جاسکتا ہے اُسے کسی حیلہ سے کل پر ٹالنا عقلمندی نہیں ہے۔ یہ وقت اور یہ موقعہ بار بار ہاتھ نہیں آسکتا۔ قطعہ

حصول علم حقیقی اگرچہ ہے دشوار — بغیر اسکے مگر کس طرح ہو بیڑا پار
سمجھ ہے۔ وقت ہے۔ صحت ہے۔ ساز و سامان ہے — بداقتنائے درخشاں انہیں نہ کھو زنہار

احتیاجِ معرفت

(پردہ در لہجہ بھاؤنا)

زیست مشکل ہے گو علمِ حقیقت — بلا سے مگر کیونکر ہو صفوت
جو گونہ کار دنیا سے ہو فرصت — بجا ہیں ہوش و تن فہم و فراست
تو یہ وقت سعادت انتہا ہے
غنیمت ہے نصیبوں سے ملا ہے

موت و زندگی کے آزار اور دورِ تناسخ کے آلام سے رہائی پانے کی اس وقت ہی کیوں کوشش کرنا ضروری ہے۔ یہ اہم سوال کبھی کبھی سامنے آجاتا ہے۔ مگر غور سے معلوم ہوگا کہ ہماری روح خریں نے جمادی مخلوق میں عرصہ دراز تک بے حس و حرکت پڑے رہکر عمریں ختم کردیں۔ حیوانی خلقت میں کیڑے مکوڑوں سے لیکر ہاتھی اور بیل مچھلی کے اجسام تک میں مدت ہائے مدید صرف کردیں۔ جہاں رجحانی طاقتوں کے انکشاف کا کبھی موقعہ نہیں ملا۔ بلکہ نادانی اور جہالت سے بعض اوقات ایسے ایسے افعال اس سے سرزد ہوئے کہ طبقات دوزخ میں زمانے گذار دیئے۔ نصیبوں نے پلٹا کھایا تو کبھی کالبد انسانی بھی مل گیا۔ مسخ وغیر آئین مقامات اور گمراہ اور بے دین ارباب صحبت کے اثر سے ظلم اور ایذا رسانی کا روپہ اختیار کیا اور صداقت و حقیقت کے راستے سے کوسوں دور رہا۔ حسن اتفاق سے کبھی کچھ نیک کام بھی بن آئے تو مدتوں کے لئے باغ رضوان

جھالر کی مانند چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ اسکے اندر بیشمار ممالک اور بیحساب سمندر ہیں۔ لیکن جمبودیپ وہانکی دیپ اور نصف پشکر دیپ میں جو مانسوتر پہاڑ کے اس طرف واقعہ ہیں انسانی آبادی ہے۔ دیگر اقالیم میں محض بہ نوع دیگر حیوانی زندگی پائی جاتی ہے۔

اس ڈھائی دیپ کے چاروں طرف چاند سورج تارے وغیرہ کی شکل میں نورانی ہستیاں ہیں اور بنتر دیو (پنچتر) اور جنات بھون باسیوں کی آبادیاں ہیں۔ بالائی حصہ میں شمالاً جنوباً سولہ بہشت اور ان کے اوپر نو خلد زریں (گریوک) اور انکے اوپر نو خلد بریں (انوودش) بنے ہوئے ہیں۔ انکے اوپر پانچ کرسیاں بمان ہیں یعنے ایک ایک کرسی ہر چہار طرف اور ایک درمیان میں بنی ہوئی ہے بیچ والی کرسی اپنے عروج اور مرتبہ کے لحاظ سے کرسی اعظم (سردار تھہ سدھی) کہلاتی ہے۔ ان سب کے اوپر جہاں انسان کی چوتی کا مقام ہے تخت مقدس (سدھ شلا) واقع ہے۔ جہاں پر نجات یافتہ ارواح جاکر متمکن ہوتی ہیں۔ علاوہ تخت مقدس کے بقیہ تمام عالم سہ گانہ کے وسیع میدان میں روح خود کردہ اعمال کے ثمرہ کے مطابق مختلف قالبوں میں مسرت اور زیست کی تکالیف سہتی ہے۔

چونکہ کشتی رو نفیس یا غلیظ آب عمل کی آمد یا اسکے اجتماع سے ہنوز صاف نہیں ہوئی اسلیئے ابتک گرداب تناسخ میں چکر کاٹ رہی ہے کبھی نیچے کی طرف غوطہ کھاتی ہے کبھی اوپر اچھل جاتی ہے مگر آب عمل سے گرانبار ہونیکے سبب اتنی سبک اور تیز رفتار نہیں ہوئی کہ ایکدم سیدھی روانہ ہوکر ساحل نجات پر پہنچ جائے جو اسکی آخری منزل ہے۔ **قطعہ**

سفینہ اپنا سبک رو نہیں ہوا ابتک — میان بحر جہاں اسلیئے پھرا ابتک
ہمیشہ قالب و مقلوب منقلب ہی رہے — قرار اسے نہ درخشاں کہیں ملا ابتک

دورِ تناسخ

(لوک بھاؤنا)

رہی اسکو باہر عالم ہی سے غبت ہمیشہ وہیں میں کی شرکت و بابت
ہوئی دل سے نہ اب تک دور ظلمت کئے تبدیل قالب اور صورت

ازل سے دورِ عالم میں پھرا ہے
کہاں امن و سکوں کسکو ملا ہے

اگر آمدِ اعمال کے سلسلہ کا انسداد اور مجتمع اعمال کا ازالہ نہ ہوا تو روح کا حشر وہی ہونا ہے جو اب تک ہوتا رہا۔ یعنی زنجیرِ اعمال سے جکڑی ہوئی روح دورِ تناسخ میں رقصِ بسمل کا تماشا کرتی رہیگی اور موت و زیست کے ناخوشگوار رنج و آلام جس طرح روزِ ازل سے اُٹھا رہی ہے۔ ابدالآباد تک برسہ عالم میں گھومتی پھرتی ہوئی شدائد و مصائب برداشت کرتی رہیگی۔

دورِ تناسخ کا میدان یہ عالمِ موجودہ ہے جس کا نقشہ پسلیوں کے نیچے دونوں ہاتھ ترتیب سے رکھکر پانو پھیلائے ہوئے کھڑے ہوئے انسان کی صورت ہے۔ جسکے زیریں۔ درمیانی۔ اور بالائی تین حصے ہیں۔ حصہ زیرین میں جو اوپر سے کم اور نیچے سے زیادہ چوڑا ہے دوزخ کے سات طبقات ہیں۔ درمیانی حصہ

ہونگے۔ ایسے خیالات فاسد پیدا کرینگے جن سے مختلف اقسام کے پھر ذرات فعلی روح سے مشتمل ہوجائینگے۔ یہ سلسلہ روز ازل سے ہے اور تا ابد قائم رہیگا اِس طریقہ سے تزکیہ قلب اور تنویر روحانی کا حصول نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ البتہ فقر و فاقہ۔ صبر و سکون۔ مراقبہ و استغنا۔ اور زہد و اتقا کے طاشوں میں بھر بھر کر یہ موجودہ اور مجتمع آبِ عمل اس کشتی سے یک لخت باہر پھینکا جا سکتا ہے۔ اِس سے صفاتِ روحانی اور ذاتِ حقیقی کا انکشاف ہوگا۔ خود شناسی اور ہمہ دانی کا مرتبہ اسی طریقہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی انسانی زندگی کا معراج اور مسافران عالم کی آخری منزل ہے۔

جبتک روح علائق بیرونی اور واسطہ غیری سے بالکل پاک و بے لوث نہ ہوجائیگی۔ نجاتِ ابدی کی مسرت لایزال سے محروم رہکر گرداب تناسخ میں سرگرداں رہیگی۔

اِس بارہ میں شاید کسی اُصولی منطق کے حوالے کی ضرورت نہیں ہے کہ جن اسباب کی موجودگی روح کو حصول مسرت سے باز رکھتی ہے اُس کا دفعیہ اور ازالہ ہی اسے مسرور بالذات بنا سکے گا۔ جس طرح کسی آب چک میں تھوڑا تھوڑا پانی جمع ہوکر بالآخر بوئے فاسد پیدا کر دیتا ہے اور تکلیف عامہ کا باعث بن جاتا ہے۔ اُصولِ صحت کے لحاظ سے آخر کار اُسکی صفائی ہی لازم آتی ہے۔

قطعہ

جو اس سفینہ میں پہلا بھرا ہے آبِ عمل — کیا ہے جسنے درخشاں اسے بہت بوجھل
اگر مراقبہ و زہد کے کٹوروں سے — نکالیں اُسکو تو گرداب سے یہ جائے نکل

ازالۂ اعمال

(نرجا بھاؤتا)

کھلے جب آنکھ اور ہو دور غفلت — تو ہو معلوم اپنی تاب و طاقت
فنا فی الذات ہو محو ریاضت — نہ ہو محسوس آرام و مشقت
تو جو اعمال کا پردہ پڑا ہے
اُٹھے وہ روح سے جو پڑ رہا ہے

غور کیجئے جب اِس کشتی میں سوراخوں سے پانی آگیا۔ اور ہمنے ٹیک تدبیروں سے اِن سوراخوں کو بند بھی کر دیا تو کیا ہمارا فرض ختم ہو گیا۔ اور اپنی کشتی روح کو ساحلِ مراد پر پہنچانے کے لئے ہم جیسا سبک اور تیز رو چاہتے تھے ویسا کر چکے نہیں؟ ابھی اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم کام باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اِس کشتی میں اب تک اُن سوراخوں سے جو پانی بھر آیا تھا وہ ہنوز اُسکے اندر موجود ہے۔ یہ مانا کہ سوراخوں کے بند ہو جانے سے آیندہ پانی نہ آئیگا۔ لیکن اُس میں جو پہلے سے جمع ہے وہ کہاں چلا جائیگا۔

ممکن ہے گرمی کے اثر سے بھاپ بن کر اُڑ جائے۔ لیکن اِس طور سے بھی اُس میں کمی نہ آئے گی وہی بھاپ بادل بنکر پھر برس جائیگی۔ اور پانی کا ذخیرہ جوں کا توں جمع ہو جائے گا۔ یعنی جب افعالِ ماضیہ اپنا ثمرہ دے کر زائل

العمل رہنما آج پردۂ عالم پر موجود نہیں ہیں لیکن ایسے ہادیان طریقت زمانہ سلف میں بیشمار گزر چکے ہیں جو دین و روحانی کے تیرہ و تار رستہ میں ہماری رہنمائی کے لئے روشنی کے مینار نصب کر گئے ہیں۔

وہ مینار کیا ہیں؟ اُنکی ہدایات صالح کا ذخیرہ اور اُنکے کلام پاک کا مجموعہ جن کے پڑھنے سننے سمجھنے اور اُنپر عمل پیرا ہونے سے ہر ذی ہوش انسان کے دل سے رغبت و نفرت کے خیالات غیظ و غضب، مکر و فن، کبر و رعونت، حرص و ہوس، شہوات حیوانی اور لذات دنیاوی کے شرارت انگیز جذبات زائل ہو جاتے ہیں۔ جن قلوب کے اندر اس شمع ہدایت کی شعاعیں عمودی خطوط میں نہیں پہنچتی ہیں وہ تنگ و تاریک رہنے کی حالت میں راہِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں اور اُنکے اندر کورا ایمانی کے باعث خیالات فاسد کی درآمدگی متواتر رہتی ہے

یہی خیالاتِ فاسد اور جذبات ناقص وہ سوراخ ہیں جن سے کشتیٔ روح میں آبِ عمل کی آمد کا سلسلہ قائم ہے۔ اسکے زوال سے قلب میں یکسوئیت طبیعت میں طمانیت اور دماغ میں جودت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ جو انسان کو دنیاوی تفکرات و علائق سے بیزار اور دل برداشتہ کر کے ریاضت و مراقبت اور زہد و تقوی کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ اِسی طرح آبِ عمل کی آمد کا سدِ باب ہوتا ہے

قطعہ

خیالِ نفرت و رغبت نہ ہو طبیعت میں — سکون و صبر سے یکسو ہو دل ریاضت میں
تو یہ دروزد خشاں رکیں سفینہ کی — سبک یہ جس سے ہوا اور تیز ہو سیاقت میں

انسدادِ اعمال

(سمبر بھاؤنا)

کسی کی گر کبھی یاور ہو قسمت — کسی مرشد سے ہو فیضانِ صحبت
تو کیفِ بیخودی ہو جائے حاصل — نظر سود و زیاں پر ہو نہ صحبت

عمل کا جال جو پھیلا ہوا ہے
وہ ٹوٹے دم میں، ہمیں وہم کیا ہے

یہ تو امر لازمی ہے کہ روحانی کشتی کو سبک بنانے کے لیے آبِ عمل کی آمد کا انسداد کرنا ہے مگر سوال یہ ہے کہ ستدباب کس طرح ممکن ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک روح خود اختیاری اور خود رائی سے انانیت اور ماؤمن کے خیالات میں مبتلا ہو کر بے محل و بے ضابطہ یا کسی سلسلہ اور نظام کے نیک و بد اعمال کرتی ہے اور آئے دن ان کا خمیازہ اٹھاتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ استادِ کامل کے بغیر از خود کوئی طریق خوش اسلوبی کے ساتھ اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اتنا بڑا کام جیسے روح کی موت (تناسخ) اور زندگی (نجات) کا انحصار ہے۔ بلا کسی مرشدِ کامل کے فیضانِ صحبت کے کیونکر انجام پا سکتا ہے۔

یہ مانا کہ بے غرض و بے لوث صادق العلم۔ راسخ العقیدت اور واثق

پھر جب کوئی بیرونی اسباب اتفاقاً پیدا ہوتے ہیں تو انکا سہارا پاکر ان ذرات مشتعلہ کو جنبش ہوتی ہے اور وہ اپنا اثر دیکر زائل ہو جاتے ہیں۔ یونہی نہیں پیچھا چھوٹ جاتا۔ بلکہ ان اعمال ماضیہ کے مکافاتی اثر سے اس قسم کے اور عمل بھی ظہور میں آتے ہیں۔ اور انکے ذرات لطیف بھی بشرح صدر روح سے متصل ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس طرح یہ ذرات فعلی کی رو کے ساتھ وابستگی اعتباریہ متوالی کے مانند غیر مختتم رہتی ہے۔ یہ دور لامتناہی ہی تناسخ و نیادی کا سبب ہے۔

اس دقیق مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیئے یہ ایک موثر مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ بحر عالم میں روح ایسی کشتی کی مانند ہے۔ جس میں بہت سے سوراخ ہو رہے ہیں اور جن میں ہو کر نیک و بد اعمال کا صاف اور ناصاف پانی اسکے اندر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کشتی میں زیادہ پانی جمع ہو جائے گا تو اسکو غرقاب کر کے تحت الثری کو پہنچا دیگا۔ برخلاف اسکے جسقدر کشتی ہلکی رہے گی اسیقدر جلد ساحل مراد پر جا لگے گی۔

پس ذی ہوش اور عقلمند اشخاص کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی روحانی کشتی کو آب عمل سے زیادہ گرانبار نہ ہونے دیں۔ جسقدر عاقبت اندیش اہل دل۔ اور دور بین اہل نظر اس دار الفنا میں وقتاً فوقتاً فروکش ہوئے ہیں۔ انہوں نے قبل از وقت ہی پشتہ لگا کر آیندہ سیلاب کا خطرہ مٹانے کا اصول اختیار کیا ہے۔

قطعہ

رواں ہے بحر جہاں میں جہاز روح رواں — ہیں جس میں رغبت و نفرت کے دو دروغ بیان
کہ جن سے جاتا ہے رس رس کے اسمیں آب عمل — بنا رہا ہے درخشاں جو اسکو اور گران

آمدِ اعمال

(آسرو بھاؤنا)

وہ چھایا ہے جہاں میں خوابِ غفلت — کہ ہے ہر ایک مخمورِ جہالت
کبھی اسکو کسی سے بغض و نفرت — کسی سے ہے کبھی اُنس و محبت
یہ نیک و بد عمل کا سلسلہ ہے
کہ جسکے جال میں ہر اک پھنسا ہے

(+)

اپنی روح کے علاوہ جو متنفس ہستیاں یا غیر متنفس اشیاء عالمِ وجود میں ہیں اُنکے اندر ماضی کے خیالات سے محویت و انسیت رکھنا۔ نفرت و رغبت کے اثر سے متاثر ہو کر مطلوب کا آرزومند اور نامرغوب سے متنفر رہنا۔ یا اُنکے وصل و ہجر سے شاد یا غمگین ہونا ایسے افعال ہیں جن کا براہ راست اثر روح کی ذاتِ خاص پر پڑتا ہے۔

کس طرح پڑتا ہے یہ ایک باریک بات ہے جو کسیقدر غور طلب ہے۔ ہمدواں شخصوں کے مشاہدہ میں آیا ہے کہ ہر جاندار کے خیالات۔ الفاظ اور اعمال خواہ نیک ہوں یا بد۔ وقوع میں آتے ہی نہایت لطیف ذرات کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں۔ اِن ذرات فعلی کا رجحان یا میلان روح کی جانب ہوتا ہے اور آناً فاناً روح کی پاک ہستی کے ساتھ ایک معینہ مدت کے لیئے اِن کا اختلاط و امتزاج ہو جاتا ہے۔

کہیئے اِس جسمِ غلیظ کے اندر روح کو ہمہ تن محو اور سراسر سہو ہو جانیکا سامان ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِسی کا تعلق تو روح کو سگِ دنیا بنائے ہوئے ہے۔ اگر روح جسمانی واسطہ سے آزاد ہو جائے، تو معراج پر پہنچ جائے۔ حصولِ نجات کے رستہ میں اِس غریب روح کے لئے اسی کا وجود خارِ دامن ہو رہا ہے۔ اِسکی اُلجھن ہی روحِ پاک کو اِس سے بھی زیادہ ناپاک بنائے ہوئے ہے۔ اِسکی اِن حرکات کو دیکھتے ہوئے بھی اِس سے محبت کرنا معجونِ حماقت کی کافی سے زیادہ متضاد ہے۔ شاید اُن کو یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اگر اُسکے جسم پر غلافِ چرمی چڑھا ہوا ہوتا تو اُسکی کیا حالت ہوتی۔ غالباً مکھیاں ہر وقت بھن بھناتیں۔ چیونٹیاں چمٹتیں اور چیل کوے نوچ نوچ کر کھایا کرتے۔

کوئی ذی ہوش انسان یقین نہیں کر سکتا۔ کہ جس مسافر کی منزل پورب طرف ہے وہ پچھم کی جانب پے در پے چلکر بھی ساری عمر نہیں پہنچ سکتا۔ پس جبکہ ہر شخص کا معہود ذہنی حصولِ مسرت دائمی ہے تو مادی جسمانیت کے تعلقات میں محو ہو کر خود کو فراموش کر دینا۔ گویا منزلِ مقصود کے برعکس راستہ اختیار کرنا ہے۔ برگزیدہ ہستیوں نے ساری عمر اِس عالمِ ناہنجار کی پیمایش کر کے اِس امر کا ذاتی تجربہ حاصل کر لیا ہے کہ جسمانیت اور روحانیت کی منزلوں میں بعد المشرقین ہے۔

قطعہ

یہ ماتن سے سوا کوئی شے عزیز نہیں — مگر یہ خانہ غلظت تو ایسی چیز نہیں
یہ اپنا ہو کے درخشاں رہیگا اور ضرور — پھر اسکی ہو کے سبب روح تو تیز نہیں

اور بطاہر خون و استخوان اور لحم و شحم سے بنا ہوا۔ چادر چمڑی سے منڈھا ہوا بول و براز اور بلغم و صفرا سے بھرا ہوا۔ ایک کالبد کی شکل دکھائی دیتا ہے۔ حکماء دہر نے اسکو ہزارہا امراض کا مخزن اور بیشمار کرم ہا کا مسکن تشخیص کیا ہے۔ اسکے ہر سوراخ اور مسام سے ہر وقت غلیظ مادہ کا اجرا رہتا ہے غسل و مالش کرنے صابن وغازہ ملنے۔ زیورات و ملبوسات سے سجانے عطریات و خوشبویات میں بسانے سے بھی اسکی ناپاکی دور نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکے حس و مس سے یہ تمام چیزیں ہی نجس ہو جاتی ہیں۔

یہ تو اسکی ذاتی نجاست رہی۔ اس سے بڑھکر اسکی صفاتی خباثت ہے۔ آپ رات دن اسکی آسایش و زیبایش میں مصروف رہیئے اور ایک دن خاموشی اختیار کر لیجئے۔ پھر دیکھیئے کہ ہر کام کے لئے آنحضرت کا جواب صاف ہے۔

جسقدر لطیف و لطیف اسکی خورش و پوشش ہوتی ہے اسیقدر انکے خیالات اپنی آسایش اور روح کی گمراہی کی جانب مبذول ہوتے ہیں۔ گویا یہ (جسم) اپنے آقا (روح) کا اسقدر بدخواہ ملازم ہے کہ جسکی مثال دنیا میں نہیں پس ایسے احسان فراموش دوست سے بھلائی کی امید رکھنا ایسے بد اندیش ملازم کی ذات سے اپنی بہبودی کو وابستہ کرنا اور ایسے ناپائدار۔ ناقابل اعتبار اور محسن کش ہوا ہی کو اپنا منحصر الیہ قرار دینا صریحاً خلافِ عقل ہے۔ جو مکان پاک اور صحت بخش نہیں مضبوط و دیرپا نہیں۔ گزندگان و حشرات الارض سے محفوظ نہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنا بھی نہیں۔ اسکے اندر بے فکری اور دل بستگی کے ساتھ رہنا اور اطمینان کے ساتھ آرام و آسایش کا یقین کیئے ہوئے پڑے رہنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

غلاظت بدنی

(اشوچیہ بھاونا)

تن خاکی سے ہو کیا خاک اُلفت — گھن آئے دیکھ کر جب اسکی حالت
ہے محمد واست و خوں سے اسکی صنعت — ڈھکی ہے چرم سے ڈھانچہ کی صورت

بڑا زہ بول و بلغم سے بھرا ہے
محبت کو بدن میں کیا دھرا ہے

(+)

عالم انسانی کا رویہ جو روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے بالیقین اس امر کا شاہد ہے کہ ہر فنی نوع انساں نے خواہ جاہل ہو یا عالم، روحانی وجود و صفات سے قطع نظر کر کے محض جسم خاکی کو ہی اپنا زاویہ نگاہ بنا رکھا ہے۔ اسکی آسایش و پرورش پر روح کے تمام سرور و راحت کو قربان کر دیا ہے۔ وجود جسمانی کو اسقدر پیش پیش مان رکھا ہے کہ روح کے آغاز و انجام کا نشیب و فراز کبھی خواب میں بھی جھلکی نہیں لیتا۔

جویان حقیقت جب اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی پر مائل ہوتے ہیں۔ تو اولین تفتیح انکے سامنے یہ پیش آتی ہے کہ ہم اس جسم انسانی کو جسقدر عزیز سمجھتے ہیں کیا واقعی وہ اسقدر پیار کرنے کے قابل کوئی چیز ہے؟
باپ کا قطرہ منی اور ماں کا خون حیض اس محبوب عالم کی پیدائش کا سبب ہے

جب کوئی مجرم قید خانہ میں کسی مقررہ میعاد کے لئے جاتا ہے تو وہاں اُسکو کھانا کپڑا اور دیگر ضروری ساز و سامان مہیا کیا جاتا ہے لیکن کیا وہ قیدی اِس مکان یا اسکے متعلق دیگر سامان کو اپنا سمجھتا ہے ؟ نہیں۔ کیوں ؟ اسلئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جب اسکو یہاں سے رہائی ہوگی تمام چیزیں یہاں چھوڑ جانا ہونگی۔ اور دیگر قیدیوں سے بھی جن کے ساتھ ایک جگہ رہنے کے باعث حسن اتفاق سے ملاقات اور محبت ہوگئی ہے ترک تعلق کرنا ہوگا پھر یہ روح کیوں نہیں سمجھتی کہ اسی طرح ثمرہ اعمال کے اثر سے مجبس جسم کے اندر میعاد معینہ کے لئے وہ مقید ہوئی ہے۔ میعاد قید ختم ہونے پر اس قید خانہ جسم اور اس تعلق رکھنے والے جملہ اسباب راحت کو اور نیز یہاں کے تمام واسطہ داران کو یہیں چھوڑنا ہوگا۔ نہ دنیاوی کوئی چیز اس روح کے ساتھ جانے والی ہے اور نہ کوئی ذی روح واسطہ دار اس کا ہمرکاب ہو سکتا ہے۔ پھر دنیا کی تمام نعمت و دولت اپنے لئے کیا تفع پہنچا سکتی ہیں۔ متعلقین میں رادمن کا خیال محض ایک وہم غلط نہیں تو اور کیا ہے۔ انہیں توہمات اور غلط گمانیوں سے روح روز ازل سے ابتک دکھ اٹھاتی رہی اور اگر یہی خیالات اور جذبات بنے رہے تو تا ابد اسی طرح گمراہ ہو کر زندان تناسخ میں پابسلاسل رہیگی اور اسکے رنج و الم کی کبھی انتہا نہ ہوگی۔ گویا تعلقات پیرونی میں محو ہو جانا روح کے لئے تمام مصائب و زندگانی کا سبب ہے ؎ قطعہ

ہے جسم و روح کا گو واسطہ قریب ترین
بوقت فوت مگر ساتھ یہ گئے نہ کہیں۔
علیحدہ ہے وہ جسم انسان بدن بھی روح سے جب
بعید اس سے ہیں جو کیوں وہ اس سے غیر نہیں

(۴)

بیگانگی

(اینیتو بھاؤنا)

ہے دل کو عارضی دنیا کی اُلفت — کہ جو بنتے نہ دیکھی وقتِ رحلت
نہیں جب روح سے اِس تن کو نسبت — تو آئے کام کیا غیروں کی ملّت

غرض جو ہے غرض کا آشنا ہے
وگرنہ آپ سے ہر اک جُدا ہے

(✤)

روح کا سب سے زیادہ قریبی واسطہ اپنے جسم سے ہے۔ باقی متعلقین و دیگر اشیائے دنیوی علانیہ طور سے اِس سے جُدا ہیں۔ اِن سب کا وصل و ہجر مکافاتِ عمل کی بموجب ہے۔ ایسے تعلقات بیشمار مرتبہ پیدا ہوئے۔ اور ختم ہو گئے۔ اِنکی محبت میں سرشار و بیخود ہو کر اپنی منزلِ مقصود کی طرف سے آنکھ بند کر لینا صدر جہ کی نادانی ہے۔

جس جسم کی آرایش و آسایش کا ہر وقت خیال رکھا جاتا ہے۔ جسکے سکھ دکھ کو اپنا ذاتی رنج و آرام سمجھا جاتا ہے وہ جسم بھی آخر وقت پر احسان فراموش ہو جاتا ہے اور روح کے ساتھ نہیں جاتا تو اور کسی متنفس یا غیر متنفس پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ کسی وقت روح کا ساتھ دیگا ✤

جو اُس سے وابستہ تھیں بیکار و ناکام ہو گئیں۔ اور یہی یاس و حسرت کا تصور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے اور ہر وقت دل میں گدگدی لیتا ہے

یہ معاملات اہل نظر کے لیئے کوئی معما یا چیستان نہیں ہیں۔ بلکہ اس قسم کے رازِ فاش ہیں جن کا ہر متنفس کو روزانہ ذاتی تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ پھر بھی کوئی شخص اپنی ذاتِ خالص کو اِن تمام خرافات سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیوں؟ اِس وجہ سے کہ روح کے ذاتی اوصاف ہمہ ذاتی و ہمہ بینی کو پردۂ اعمال نے روپوش کر دیا ہے جس سے غیر خود کی حقیقت کا امتیاز فراموش ہو گیا ہے اور مکافاتِ عمل کے باعث روح کے اندر جذبات فاسد کا ایسا تموج آگیا ہے کہ وہ عارضی تعلق میں دوامیت کا اور ہر بیرونی شے میں یگانگت کا تصور کرتی ہے۔ بس یہ خیالات من و مائی ہی صفاتِ ذاتی سے اُسکی برگشتگی اور راہِ نجات سے اُسکی گم گشتگی کے اسباب ہیں۔

نظرِ غائر سے اگر دیکھا جائے تو ہر روح اکیلی ہی جسم دنیاوی میں آتی اور اُسے چھوڑ کر تنہا ہی چلی جاتی ہے۔ نہ کوئی اُسکے ساتھ آتا ہے اور نہ جاتا ہے۔ دیگر ذی روح اور غیر ذی روح کے ساتھ جن سے اُس کا تعلق اتفاقیہ اور برائے چند ہے ہو گیا ہے روح کی کوئی یگانگت نہیں ہے۔ اِس بیگانہ وار و اسطہ داری کو نظر انداز کر کے روح نے تعلقاتِ بیرونی میں یگانگی کا خیال قائم کر لیا ہے یہ خام ہے۔

قطعہ

اکیلی ہوتی ہے پیدا اکیلی مرتی ہے — جو کچھ گزرتی ہے اِس روح پہ گذرتی ہے
تالِ کارے ہے بے خبر سزا سے نڈر — برائے غیر درخشاں گناہ کرتی ہے

اُٹھانے میں حصہ دار نہیں۔ رنج و الم اور درد و غم مجھکو ہی تنہا اُٹھانا پڑتے ہیں چونکہ میرے اعمال کا ثمرہ ہیں۔ دوسرے لوگ سوائے زبانی ہمدردی کرنے کے ان شدائد و مصائب کو تقسیم کرکے میرے لیئے ہلکا نہیں کر دیتے۔

جیسے کسی درخت پر شام کو بسیرا لینے کے لئے بہت سے پرند جمع ہو جاتے ہیں اور صبح کو اپنی اپنی مقصود اطراف میں اُڑ جاتے ہیں۔ محض شب بھر کی برائے چندے ملاقات سے اسقدر محبت کا دلوں میں پیدا کر لینا کہ صبحدم انکی جدائی پر ایک صدمۂ جانگداز محسوس کرکے سینہ شق ہو جاویں۔ اور اپنے بال و پر نوچ کر پھینکدیں۔ بے آب و دانہ رہکر خودکشی کر ڈالیں۔ ان کی نادانی کا بین ثبوت ہے۔ اسی طرح یہ روح بھی شاید اس امر حقیقت سے ناواقف اور بے خبر ہے کہ جملہ متعلقین اور احباب و آشنا صرف اپنے اپنے مطلب کے یار اور غرض کے بندے ہیں۔ جبتک کسی کا کسی سے کام نکلتا ہے۔ یا کوئی غرض وابستہ ہے اُس وقت تک اُس کی محبت کا شکار اور اُس پر صدقہ و نثار ہوتا ہے۔ لیکن جب طائر روح قفس جسمانی سے پرواز کر جاتا ہے۔ تو اُسکے لئے وہ جسم کا دو گھڑی گھر میں رکھنا بھی بار گذرتا ہے۔ ہاں ان نادان پرندوں کی طرح متعلقین کی جدائی پر آہ و گریہ ضرور کرتے ہیں۔ لیکن کیوں؟ کیا وہ مرنے والے کو روتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ سر پیٹتے ہیں صرف اپنے مطلب کی خاطر اگر بلا لحاظ کسی مطلب اور غرض کے محض کسی کی موت پر ہی آہ و زاری کرنا کوئی فرض انسانی ہے تو اپنے پڑوسی یا دشمن کے مرجانے پر بیحال و بے زار کوئی کیوں نہیں ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے دوست یا مخلص متوفی کی جدائی سے انکی مقصد براری اور بیم و امید

یگانگی

(ایکتو بھاؤنا)

عبث ہے اہلِ دنیا کی محبت
کسی سے کیا کسی کو ربط و ملت
مگر وہ ہے خمارِ جامِ غفلت
کہ وا ہوتا نہیں رازِ حقیقت
مصیبت میں کوئی کسکا سگا ہے
کسی کے ساتھ کون آیا گیا ہے

(۱)

یہ روح اپنی ذاتی صفات سے بیخبر ہوکر دنیاوی تعلقات میں انانیت کا خیال کرتی ہے اور ہر شے کو جو درحقیقت اُسکے وجود سے قطعی جُدا ہے اپنی سمجھتی ہے اُسکو یہ خواب میں بھی کبھی خیال نہیں آتا کہ میں اسی طرح مختلف جسم کے جسموں کے اندر نزول کرتی ہوں اور اپنے ہر قالب جسمانی اور نیز تمام اشیاء دنیوی کو یہیں چھوڑکر کہیں تن تنہا چلی جاتی ہوں۔ نہ میرا کوئی ہے نہ میں کسیکی ہوں۔

اعمال سابقہ کے تعلقات سے اِس سرائے دنیا میں اِن زن و فرزند مادر و پدر۔ خواہر و برادر۔ دوست و آشنا کا واسطہ۔ عارضی و چند روزہ ہو گیا ہے۔ یہ سب دولت و نعمت کے استعمال میں شریک ہیں۔ نتیجہ اعمال

دنیا میں یہ روح زار و حزیں ہر وقت غوطہ زن ہے۔ جبتک یہ یہاں کے صدمات جانکاہ کو طوعاً و کرہاً برداشت کرتی رہتی ہے اُسکے اندر تیرتی ڈوبتی زندہ نظر آتی ہے۔ آخر کار جب شدائد کو سہتے سہتے تھک جاتی ہے تو دم توڑ دیتی ہے۔ لیکن مرجانے پر بھی اِن مصائب سے رہا نہیں ہوجاتی۔ بلکہ پھر کوئی نئی صورت اختیار کرکے اسی عالمِ ناہنجار میں علطان و پیچاں رہتی ہے۔ اِن لامحدود تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے بھی دنیا میں مسرت کا احساس کرنا۔ یا اطمینان کا خواہشمند ہونا۔ گویا زبان اخفی سے آبِ حیات یا شاخ نرگاؤ سے شیر شیریں کی تمنا کرنا ہے۔ جو چیز جس جگہ ہے ہی نہیں۔ وہاں اُس کا وجود مان لینا اور اُسکے حصول کی اُمید رکھنا بمریخ غلطی سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

جس طرح کوئی خارش کا مریض ناخنوں سے بدن کھجلانے کو تسلی بخش سمجھتا ہے حالانکہ اُسکے ایسا کرنے سے مرض میں افاقہ نہیں بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اِس سرائے فانی میں ماومن کے خیالات اور عیش و سرور کی خواہشات کیوجہ سے ہماری روزمرہ کی غلط کاریاں بھی ہمکو اس بحر بیکراں کے ساحل پر پہنچانے والی نہیں بلکہ گرداب میں پھنسانے والی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ۔

قطعہ

پسر کا رنج کسیکو۔ کسیکو زن کا ہے — کسیکو مال کا دکھ ہے کسیکو تن کا ہے
مقامِ رنج ہے دنیا کسے ہے عیش یہاں — عبث خیال درخشاں یہ ماومن کا ہے

نیرنگی عالم

(جگت بھاؤنا)

کسیکو دہر میں ہے دردِ عسرت　　کسیکو گنج کا فکر حفاظت
کوئی اولاد کی رکھتا ہے چاہت　　کسیکو ہر گھڑی ہے رنج و محنت
جسے دیکھو بلا میں مبتلا ہے
غرض دنیا عجب اک غم سرا ہے

(۲)

یہ روح اِس دنیائے دوں میں اپنے لئے مفر و جا پناہ تلاش تو کرتی ہے لیکن غالباً اِس کی اصل حقیقت سے اسکو واقفیت نہیں ہے۔ نظرِ غائر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمِ اسباب ایک ایسے بحرِ ذخار کے مانند ہے جس میں خیالاتِ زبوں کا آبِ شور لبالب بھرا ہے۔ حرص و ہوس کی ہواؤں سے حرکاتِ ناشائستہ کی موجیں پے در پے اُٹھ رہی ہیں۔ رنج و محن کی ایذا رساں مچھلیاں۔ اور مرض و موت کے مہیب گھڑیال ہر وقت اپنے شکار کی تاک لگائے ہوئے ہیں۔ خشم و تکبر اور طمع و فریب کا مدوجزر ہر وقت آشکار رہتا ہے۔ برائے چندے دم لینے کو جنھیں دلکوتی۔ انسانی و حیوانی زندگیوں کے قطعات تیرتی بھی جسکے اندر جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ جذبات نفسانی اور خواہشات شیطانی کے گرداب

ہی بنی۔ کسی ذی روح کو عالم سہ گانہ میں کوئی ایسا امن دمفر نصیب نہیں ہوا جہاں اُسکو ملک الموت کی دست برد سے برائے چند بھی پناہ مل سکے۔

اپنے نیک و بد سماضیہ و حالیہ۔ اعمال کی سزا و جزا کے مطابق ہر ذی روح کبھی رنج و محن اُٹھاتا ہے اور کبھی خوشی و شادمانی مناتا ہے۔

ہر فرد روح اِس دار ناپائدار کے طبقات بالائی۔ وسطی و زیریں کے وسیع قید خانوں میں پابجولاں اور صحن تناسخ میں سرگرداں رہتی ہے۔

اِسکو سرور ابدی اور بقائے جاودانی کی خواہش تو ضرور ہوتی ہے۔ لیکن باوجود تلاش واقعی کے بھی اِس منزل مقصود کے صحیح رستہ پر یہ نہ آسکی جہاں اسکو امن حقیقی اور اطمینان دوامی نصیب ہو سکتا۔

مرض و موت و حیات کے جانگداز آلام۔ اور دلسوز صدمات سے پناہ و حفاظت کی جستجو اس دہر فانی میں کیجا رہی ہے۔ جو ازل سے بے سود اور نا کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ اصل میں نہ دنیا ہی پناہ لینے کا مقام ہے نہ دنیاوی تعلقات اور اسکی متعلقہ اشیا ہی حصول مسرت کا باعث ہیں۔

ہر ذی روح خود کردہ اعمال کے شکنجہ میں بحالت مجبوری بے یار و مددگار مکافات عمل کا شکار ہو رہا ہے۔ اور جبتک اِسی طرح نیک و بد اعمال کا سلسلہ جاری ہے اِس بیکسی کی ناگفتہ بہ حالت میں سرگردان و پریشان رہے گا۔

اِس عالم فانی میں حفظ و پناہ اور امن و امان کی اُمید رکھنا محض وہم و گمان ہے

قطعہ

وہ کون ہو کہ جو لاچار اس جہاں میں نہیں — مگر کسی کا کوئی یار اس جہاں میں نہیں
عمل جب اپنے درخشاں اثر دکھاتے ہیں — کوئی معین و مددگار اس جہاں میں نہیں

بے پناہی

(اشرن بھاونا)

مکان و قلعہ و سنگیں عمارت　　زمین و جائداد و گنج و دولت
مواشی۔ خادماں۔ ارباب صحبت　　سپاہ و خاندان و ساز عشرت

دم آخر ہر اک ہوتا جدا ہے
کوئی کسکے بچائے کب بچا ہے

اگر کسی خوش نصیب آدمی کو اسکی سابقہ نیک علی کے صلہ میں اسپ و فیل گاؤمیش۔ مکان و اسباب۔ دولت و جائداد۔ زن و فرزند۔ ملازم و احباب تندرستی و مرتبہ۔ اعزاز و اختیارات۔ غرضکہ دنیا کی ساری نعمتیں میسر ہوں تو کیا یہ چیزیں اسکو موت کی تکالیف سے محفوظ رکھ سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں

اسکی زندہ تمثیل یہ ہے کہ بڑے بڑے تونگر۔ شاہان ذی حشم۔ علامۂ دہر۔ حکمار و فلسفہ داں۔ پہلوانان سرنگ۔ صاحبان کشف و کمال۔ اور فقرا و مرتاضان ذوالجلال ہوئے۔ جنکی ہستی صفحۂ گیتی کے لئے باعث فخر تھی۔ لیکن وہ سب بالآخر یوقضا کا نوالہ بن گئے۔

نہ کسی کی حشمت و دولت کام آئی نہ کسی کا کوئی داؤ پیچ یا سحر و فن چل سکا۔ جس وقت شیر اجل نے اپنا چنگل پھینکا۔ ہر ایک کو چپکے سے جان دینے

اِسی طرح دنیا کی اور چیزیں بھی جنکے ہم جہالت کے سبب والہ و شیدا ہو رہے ہیں اس پانی کے مانند ہیں جسکو ہمنے اپنے کفدست میں رکھ چھوڑا ہے اور روکنے کی ہزار تدبیریں کرنے پر بھی قطرہ قطرہ ہو کر ایک لحظہ میں تمام ٹپک جائیگا۔ اور آخر ہاتھ خالی رہجائے گا۔

دوست واحباب اور زن و فرزند وغیرہ محض کہنے کے لئے ہی اپنے متعلقین ہیں ورنہ کوئی کسیکا کہانتک ساتھ دیتا ہے۔ جس طرح مختلف اطراف سے آنے والے اور مختلف سمتوں کو روانہ ہونے والے مسافرات کو کسی سرائے میں یکجا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان سب لوگوں کا اجتماع چند روزہ اس سرائے فانی میں اتفاقیہ ہوگیا ہے جیسے بلحاظ اپنی مسافت کے کوئی مسافر کسی وقت اور کوئی کسی وقت اوروں کو وہیں پڑا چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے ویسے ہی اہل قبیلہ کی جدائی بھی وقتاً فوقتاً ہونا ضروری ہے۔ محض ایک رات کی ملاقات سے اور ونکے ساتھ اسقدر محو محبت ہونا کہ اُنکو اپنا ساتھی مانکر جدا ہونے پر آہ و زاری کیجائے یا اُن کی عارضی محبت کو سرور دوامی کا سبب خیال کیا جاوے مانیخو لیا نہیں تو اور کیا ہے۔

جن صاحبان نے کبھی اندر جال کا تماشا دیکھا ہے اپنی روح کے ساتھ اہل و عیال کے تعلق کا راز انکے تصور میں بآسانی نقش ہو سکے گا۔

اِن تمام اُمور پر غور و تصور کرنے پر اہل دانش چند روزہ دنیاوی عیش و آرام اور عارضی اسباب عالم کے تجسس میں سرشار نہیں ہوتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان بے ثبات چیزونکی اُلفت و رغبت ترک کرنیسے جو مسرت حاصل ہوگی وہ اُنکے دار و گیر سے میسر نہ آئیگی قطعہ

کسی کو عالم اسباب میں ثبات نہیں ۔۔۔ فنا نہ ہو جسے ایسی یہاں حیات نہیں
نہیں مقام درخشاں یہ دل لگانیکا ۔۔۔ حصول امن کا باعث یہ کائنات نہیں

ساتھ محبت اور رغبت کا خیال بھی بے ثبات اور بے بنیاد ہے۔

مثال کے طور پر دولت کو ہی لیجئے۔ اسکی فراوانی کو باعث مسرت سمجھنا خالی وہم ہے اس کا قیام شرار برق اور اسکی محبت عشق طوائف کے مانند محض برلے چندے ہے۔ یہ آجتک کسی کی ہو کر نہ رہی نہ رہیگی۔ بے سمجھ انسانوں کو اسنے ہمیشہ گمراہ کیا اور کر رہی ہے۔

اکثر اسکے شیدائی کہتے ہیں کہ اسکے میسر ہونے پر ہر قسم کے اطمینان بخش اسباب مسرت حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیا وہ بتا سکینگے کہ اسکے حاصل کرنے میں کسقدر رنج و محن اٹھائے جاتے ہیں اور جب اسکی چمکیلی صورت دیکھ کر اسکے ساتھ قدرتی محبت اور وابستگی ہو جاتی ہے تو اسکے صرف کرنے میں کس درجہ جی کڑھتا ہے۔

اگر کوئی شخص دلیری اور فیاضی کے ساتھ اسکو اپنی تن آسانی اور نفس پروری کے لئے خرچ بھی کرتا ہے تو اس سے کیسے کیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے جن کا خمیازہ اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ دوسری دنیا میں بھی کافی مدت تک اٹھانا پڑتا ہے۔ اور جس وقت اسکی شکل جمیلہ داغ مفارقت دیتی ہے تو کسقدر وحشتناک اور دردانگیز تصورات آنکھوں کے سامنے دل باندھے ہوئے شکل پذیر ہوتے ہیں۔ جو اہل نظر دولت کی اصل حقیقت سے واقف ہیں اور جنہوں نے اسکے مدوجزر کی بہار کو بچشم خود دیکھا ہے وہی خوب جانتے ہیں کہ دولت واقعی باعث تسکین و قرار ہے یا نمونہ عذاب النار۔

حسن و جلال اور صحت و قوت کے نقش و نگار بھی نیرنگی قوس قزح سے بڑھکر نہیں ہیں جو دیکھنے میں بظاہر نہایت دلفریب لیکن ناپائدار ایسے کہ چشم زدن میں غائب

بے ثباتی

(اثر بجاونا)

یہ سب اہل وعیال وال و دولت　　کمال و رتبہ و اعزاز و حشمت
تن و حسن و شباب و رنگ و قوت　　حبیب دوست و اسباب راحت
حباب آسا ہر اک نذر فنا ہے
نظارہ سحر کا ہے اور کیا ہے

(۱)

یہ مانتے ہوئے بھی کہ مسرت ہی روح کا اصلی خاصہ ہے جسکے لئے ہمیشہ سے انتہائی کوشش کیجا رہی ہے۔ جویندگان مسرت کی نگاہ سرور اصلی کی طرف قطعی نہیں جاتی نہ وہ اسکے حصول کے صحیح ذرایع اختیار کرتے ہیں۔ معمولی طور پر مال و منال۔ جاہ و جلال۔ جائداد و اسباب۔ قبیلہ و احباب۔ حسن و صحت۔ شباب و قوت کی دستیابی میں ہی متلاشیان مسرت نے اصلی سرور مان رکھا ہے۔ لیکن درحقیقت ان چیزوں میں مسرت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ اصلی اور حقیقی مسرت تو وہ ہے جسکے حاصل ہونے پر کسی قسم کی کوفت اور کلفت پیدا نہ ہو۔

جن دنیاوی چیزوں کو باعث مسرت مانا جاتا ہے اُنکی ہستی دوامی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے۔ اُنکے حاصل کرنے میں بیحد مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ حاصل کرنے کے بعد قائم رکھنے میں بیشمار پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ اور ضائع ہونے کے وقت عجیب مصیبت کا سامنا ہوتا ہے انکی کوئی حالت دیرپا اور مستقل نہیں۔ لہذا ان چیزوں کے

فرق کبھی اسکے ذہن میں نہیں آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عارضی شادمانی کے ختم ہونے پر دوسری قسم کی مسرت کی تلاش از سرِ نو شروع ہوگئی۔ نہ لازوال مسرت حاصل ہوئی اور نہ اسکی جستجو کا خاتمہ بالخیر ہوسکا۔ یک حواسی۔ دوحواسی۔ سہ حواسی چہار حواسی اور پنج حواسی کالبدوں میں عمریں گذار دیں۔ نوری و ناری قالبوں میں زمانے ختم ہوگئے لیکن اصلی سرور کے حاصل کرنے کے اسباب کبھی مہیا نہیں ہوئے۔ اب اتفاق سے قالب انسانی اس روح کو نصیب ہوا ہے اسوقت توقع ہے کہ اگر یہ اصلی سرور کی قرار واقعی کوشش کرے اور اسکی جستجو میں ہمہ تن عمل پیرا ہو تو اپنی اصلی خواہش کو پورا کرسکتی ہے۔ دل و جسم و زبان اور علم و حواس کو صحیح طور پر بکام میں لانے سے اسکو حصولِ مقصد میں کامیابی ہوسکتی ہے۔ اب بھی اگر کوئی روح جسم انسانی میں آکر راہِ راست پر چلنے کی فکر نہیں کرتی تو وہ گویا سمندر کو تر کرکے کنارہ پر ڈوبنا چاہتی ہے۔ خواہشات نفسانی اور جذبات شیطانی کی لذتوں میں حیاتِ انسانی کو وقف کردینے والی روح اُس بیوقوف دہقان کی مانند ہے جو بیش بہا جواہر کو خاول میں رکھکر چڑیاں اُڑانے کے کام میں لاتا ہے اسلئے ہر روح انسانی کا اولیں فرض یہ ہے کہ عالم کی نیرنگیوں میں گمراہ نہ ہوکر سرورِ اصلی کی تلاش کرے جس سے اسکی اصلی مراد بر آسکے۔ کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

قطعہ

ازل سے روح دو عالم میں پھرتی ہے پیہم — مگر نہ پایا مسرت کا گوہرِ نایاب
تنِ بشر میں بھی حاصل اگر اسے نہ کیا — تو سمجھو تر کے لب بحر ہوگئی غرقاب

ہیچمداں درخشاں

دیباچہ

ہے ہر ذی روح کو دنیا میں کلفت　　غم افزا ہے یہاں ہر ساز عشرت
ہر اک کو ہے تمنائے مسرت　　ہے ہر پہلو تلاش امن و راحت
مگر اس کا کسی کو کچھ پتا ہے
کہاں اصلی سرور جانفزا ہے

اس دارِ فانی میں ہر ذی روح حصولِ مسرت کا خواہش مند ہے۔ جو کچھ کوشش و مشغلہ وہ اختیار کرتا ہے صرف مسرور اور مطمئن ہونے کی غرض سے کرتا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اصلی مسرت کیا شے ہے اور کس طرح میسر آسکے گی۔

یہ خواہش کسی روح کو نئی نہیں ہے لا ابتدا زمانہ سے ہے۔ چوراسی لاکھ قالبوں میں ایک ایک کے اندر مدت مدت تک مقیم رہ کر یہ اسی جستجو میں سرگرداں رہی اور اپنی دلی خواہش کے پورا کرنے میں اس نے کبھی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی سرورِ اصلی کی جستجو کی اور نہ اسکی یہ دیرینہ آرزو بر آئی۔ اسکو نوع بنوع حواس خمسہ کی لذتیں اور دنیاوی چند روزہ مسرتیں بسا اوقات میسر آئیں جن کو اسنے نادانی سے اصلی مسرت سمجھا۔ چونکہ عرض و جوہر کا

اوم

او در دل من است و دل من بدست او
چون آئینہ بدست من و من در آئینہ

رباعیات حمدیہ

کیوں میری نہ تسلیم شری اوم کو ہو
ہر زاہد و مرشد کا درخشاں ہر دم

آداب بہ تکریم شری اوم کو ہو
جب خم سر تعظیم شری اوم کو ہو

ہستی جو ہے معبود دو عالم برحق
ہے حمد اسی حق کی درخشاں واجب

جو ذات ہے مسجود دو عالم برحق
جو اسم ہے محمود دو عالم برحق

ارہنت کی ذات پاک لاریب ہے وہ
جو سدہ ہے اسم با مسمّٰی بے سدہ

بے عیب ہے گر کوئی تو بے عیب ہو وہ
لاموت ہے لاحیات لاشیب ہے وہ

ہر دم ہے زباں پہ میری ارہنت کا نام
جس کام کا آغاز درخشاں ہے سعید

دل سدھ کے جلوہ سے منور ہے مدام
بے شبہ بخیر اس کا ہوگا انجام

انٹروڈکشن

جین دھرم کا معراج۔ مقصد اور ماحصل فتح پانا ہے جن شبد کا ارتھ جیتنا ہے۔ کسے جیتنا اور کس پر فتح پانا؟ من کو جیتنا اور اندریوں پر فتح پانا۔ جسنے من کو فتح کیا اور اندریوں کو جیت لیا وہی جن اور جینی ہے۔ اور جسنے ایسا نہیں کیا وہ کبھی جن اور جینی کہلانیکا مستحق نہیں ہے کیا ایسے جینی دنیا میں ہیں؟ کیوں نہیں۔ اور نہ ہوتے۔ خواہ نہ ہوئے ہوتے۔ تو یہ نام کس لیئے رکھا جاتا۔ نام نہ بغیر روپ کے ہے اور نہ روپ بغیر نام کے ہوتا ہے۔ یہ مسلمہ اور مصدقہ اصول ہے۔ جب جینی تھے۔ تب ہی تو یہ نام رکھا گیا۔

ہاں سچے جینی اور حقیقی جینی۔ اور معراجی جینی کمیاب ہیں نایاب پھر بھی نہیں ہیں۔ جو جین دھرم پر چلتے ہیں۔ جن کے خالی نظر کے سامنے اصلی جینی کی معراج ہے اور جو اس کا نام لیکر اسکے اصول کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اگر آج نام کے جینی ہیں تو کل روپ کے جینی ہو جائینگے۔ ہمت۔ استقلال۔ ثابت قدمی۔ اور عملی زندگی کی ضرورت ہے یہ سب میں ہیں سب کی ہیں۔ سب کو حاصل ہیں۔ انھیں بھولیت سے معروفیت میں لانے کی ضرورت ہے یہ کس طرح ممکن ہے۔ دنیا کی بے ثباتی۔ نیرنگی عالم۔ یگانگیت۔ مغایرت۔ کثافت و غلاظت جسمانی۔ ظہور اعمال۔ انسداد اعمال۔ آزار اعمال۔ اصول تناسخ۔ ارتقاج معرفت صفات و ذات۔ اصلیت اور نقل اور روح اور مادہ کے مسائل پر بار بار غور کرو اور نتیجہ پر پہنچکر کسی زبردست مثالیہ معراج کے پیرو ہو جاؤ پھر جینی بن جاؤ گے۔

اس کتاب میں بیشتر اسی قسم کے مضامین پر بحث ہے۔ **شیو برت لال**

راوہا سوامی دھرم شالہ بنارس

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۵۹

سحر کاذب

مؤلفہ

دبیر قوم جناب بابو بھولا ناتھ صاحب جینی درخشاں ریونیو ایجنٹ
و مختار عدالت بلند شہر

جین مترمنڈل دریبہ کلاں دہلی نے شائع کیا

حق تالیف محفوظ ہے

سنہ ۱۹۲۹ء ویرنروان سمت ۲۴۵۵
دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا۔

قیمت ار

تعداد ۲۰۰۰

دینا بھی تجویز کیا ہے جو آئندہ ہیر جینتی کے جلسۂ عام میں جناب کے پیش خدمت کیا جائیگا۔
اُردو زبان کے شائق اور جین ادب کے شیدا لالہ بہادر لال صاحب جین ٹیکہ
نویس بھولو نے جو متر منڈل کے ایک سرگرم آورد ممبر بھی ہیں۔ درخشان صاحب
کے کلام سحر آگیں سے متاثر ہو کر اپنے ذاتی صرفہ سے اُنکی دیگر تصنیفات کے
ساتھ اس ٹریکٹ کی اشاعت منظور فرمائی ہے۔ جسکے ساتھ ہم اپنے فیاض
طبع دوست کے بیحد مشکور ہیں۔ چنانچہ یہ ٹریکٹ لالہ صاحب موصوف کی جانب
سے ہی طبع ہو کر بطور تحفہ نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ اہل دل اسکے
مطالعہ سے مستفید ہونگے اور مصنف کی محنت و قابلیت اور لالہ صاحب
کی دریا دلی پر داد دینگے۔

کمتر ین

امراؤ سنگھ۔ سکرٹری

متر منڈل۔ دریبہ کلاں۔ دہلی

بیان سے دھرم پرچار یا تبلیغ مذہب کا فخر صادق اس نوعمر انجمن کو ہی حاصل ہے
مہربان انجمن نے اپنے پاک جذبہ کا تقاضا پورا کرنے کے لئے یہ مناسب خیال
کیا کہ برگزیدہ اہل قلم اور آزاد خیال علمائے دین کے ہاتھوں اصول مذہبی خوش
اسلوبی کے ساتھ منضبط ہو کر اہل نظر کے لئے تفریح روحانی کا باعث ہوں اور
تین سال سے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر سال چار عنوان منتخب کر کے نگاران کرام سے
اُن پر چیدہ اور دلپسند مضامین لکھانے کی استدعا کیجاتی رہی اور جسقدر
ٹریکٹ موصول ہوئے اُن میں بہترین مضامین کا انتخاب کر کے شائع کیا گیا۔
چنانچہ اس سال بھی جو عنوان دیئے گئے اُن میں سے ایک "حقیقت معبود" بھی تھا
جسپر اردو۔ انگریزی۔ ہندی کے متعدد مضامین ہمکو موصول ہوئے جنکی ٹریکٹ
کمیٹی نے باضابطہ نظر غائر سے جانچ کر کے جین دھرم کے مایۂ ناز قادر الکلام شاعر پنڈت
لالہ بھولاناتھ صاحب درخشان مختار عدالت بلند شہر کا مضمون بہترین قرار دیا۔
مصنف صاحب موصوف نے اس ادق اور باریک مسئلہ کو نہایت فصاحت
اور بلاغت کے ساتھ منطقی دلائل سے سلیس و بامحاورہ عام فہم اردو زبان میں
نظم کر کے اس انجمن اور پبلک پر جو احسان کیا ہے وہ قابل فروگذاشت نہیں۔
ہم اپنے مہربان اور انجمن کے رکن درخشان صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں
کہ اس انجمن کی نظامیہ کمیٹی نے اس منتخب مضمون کے صلے میں آپ کو "مان پتر"

ستدرہ اسکا ہو گا جب کوئی فسق و فجور ہو گا مبسوط دو عالم شمع روحانی کا نور
رُوح ہو گی کشف اوصاف حقیقی سے ضرور قادر مطلق ہمہ دان و ہمہ بیں پر سرور
مادی حد سے نکل کر روح کب محدود ہے
جو درخشاں روح اقدس ہو وہی معبود ہے

التماس

ناظرین والا تمکین غالباً ہمارے اِس اظہار واقعہ کو لاف و گزاف نہ خیال فرمائینگے کہ بین متر منڈل دہلی ہی ہندوستان بھر میں دگمبر جینیوں کی ایسی انجمن ہے جو بین دہرم کا پرچار رسالوں اور ٹریکٹوں کے ذریعہ سے ہند اور دیگر ممالک میں ۱۹۱۵ء سے نہایت دلچسپی کے ساتھ کر رہی ہے۔ اگرچہ ایسی انجمنیں تو اور بھی ہیں جو شاستر وغیرہ چھپوا کر قیمتاً فروخت کرتی ہیں اور دہرم پرچار کی مدعی بنتی ہیں لیکن ہمارے خیال میں اُنکا یہ عمل دہرم بیوپار ہے۔ کیونکہ دہرم پرچار تو صحیح معنوں میں اُسوقت ہوتا ہے جبکہ مالی نفع و نقصان کو زاویہ نگاہ سے دور رکھکر کسی رسالہ ٹریکٹ یا شاستر کی اشاعت محض اس نصب العین سے کیجاتی ہے کہ اہل عوام اُسکا مطالعہ کرکے مذہبی پاک اُصول کی روشنی سے اپنے دلوں کو منور کر سکیں۔ پس اس جہت

پھر وہ کہتے ہیں۔ کرے گر زہد و تقویٰ کا عمل روح کے اندر رہے باقی نہ جذباتی خلل
علم کی بیشی ہے پھر اُسکے لئے نعم البدل لیکن اک حد تک ملیگا اس کو اِس محنت کا پھل

بیشی کس حد تک ہو ممکن یہ ہے محتاجِ بیاں
حد لگانے کے لئے ہے کون باقی پہلوان

جبکہ ہے تسلیم علمِ روح بڑھ تو جائے گا علمِ کُل کا لاکھ بڑھ کر بھی نہ درجہ پائیگا
مادہ سے پاک ہے پھر کون اُسے ٹھکائیگا تخم ہی جب سوخت ہو ثمرہ کہاں سے آئیگا

جب سبب باقی نہیں۔ کیسا مسبب کا وجود
روح جب آزاد ہے کس کے لئے بندھا دو

روح جب لوثِ عمل سے ہوتی ہے قطعاً بری عالمِ کُل ہو کے۔ پاتی ہے نجاتِ دائمی
قولاً و فعلاً وہ کرتی ہے جہاں کی رہبری اِسلئے احساں ہیں اُسکے مقتضائے بندگی

رہنما بہ رہرو دیں کو ہیں اُسکے نقشِ پا
آتما بنتی ہے اُسکے دھیان سے پرماتما

مسئلہ منطق کا ہے جس کا کوئی عالم نہیں کس لئے اُس چیز کی موہومی کا ہو یقیں
ذرّہ تحت الثریٰ سے لیکے تا خلد بریں عالمِ من کُل ہستی ہے کوئی کہیں

فلسفی کہتے ہیں جب ہے علمِ روحانی صفت
روح کی محدود پھر کیوں ہو ہمہ دانی صفت

بعض کہتے ہیں سوائے خالقِ چرخِ زمین　　عالمِ کُل اور کوئی رُوح ہو سکتی نہیں
جب ہمہ دان خود نہیں حق کو نہیں دیکھا کہیں　　تجربہ کیسے ہوا کیونکر ہے انکا یہ یقیں
گر محقق کو ہے حاصل علمِ کل کی مقدرت
پھر ہمہ دانی نہیں کیوں روح کی ذاتی صفت

علم روحانی صفت ہے۔ یہ تو ہے بے قال و قیل　　علم۔ علمِ کل نہیں وہ۔ بلکہ ہے علمِ قلیل
ایک سے جب دوسرا اور روح ہے افزوں عقیل　　یہ ہے علمِ روح کے کم بیش ہونے کی دلیل
علمِ روحانی کی ضو ہے بے شبہ مبشی طلب
یہ وجہ لیکن نہیں کچھ ہے ضرور اس کا سبب

روح جب ہوتی ہے گندہ نیک و بد جذبات سے　　ہوتی ہے ترکیب اسکی فعلیہ ذرات سے
مادی ذرات لگ جاتے ہیں اسکی ذات سے　　کرتے ہیں محصور اسے اور منحرف عادات سے
پردۂ اعمال ہیں یوں نورِ روحانی کے گرد
جیسے ہو فانوس ابرک شمع نورانی کے گرد

جسقدر موٹا ہے ابرک شمع کے فانوس کا　　اُسقدر ہی نورِ شمعی دھندلا ہو جائیگا
پردہ اعمال ہو کہ اکشف بدنما　　وہ ہی علمِ روح میں بیشی کمی کی ہے بنا
نفرت و رغبت کے جذبے روح سے ہٹ جائینگے
تو یہ سارے پردۂ اعمال خود پھٹ جائینگے

بعض کہتے ہیں کہ یہ قدرت خدا کی دیکھئے　　خود بے غم اُسنے اور دنیا پہ احسان کر دیئے
قالب خاکی ہزاروں اختیار اُسنے کیئے　　بھیس بدلے رنج دنیا کا مٹانیکے لئے

گر یہی ہے قدرتِ کامل کا نظارہ کوئی
تو خدا قادر ہے کب ہے سخت بے چارہ کوئی

شبہ بلا خالق کوئی ہوتی نہیں، گر ٹھیک ہے　　اور ولادت بھی خدا کی عقل کے نزدیک ہے
اُس کا خالق کون تھا یہ مسئلہ تاریک ہے　　یا سمجھ میں جو نہ آوے اِس قدر باریک ہے

جسمِ خاکی میں کیا جب مدتوں اُسنے قیام
چھوڑ آیا کس پہ وہ دنیا کا سارا انتظام

ستچدانند اسکو کہتے ہیں کچھ اک اہلِ خیال　　ست کے معنی ہیں کہ ہے وہ بالوجود و لازوال
چت ہے وہ یعنی علم و حس کا ہے اُسمیں کمال　　اور وہ ہے آنند یعنی پُر سرور و بے ملال

عدل و صفت کے ہیں جنجال اُسکے جی کو رہے سب
کہتے ہیں سرور بالذات اُسکو پھر کیوں بے سبب

بعض کہتے ہیں خدا عالم کا ہے آئین ساز　　جسکی رُو سے لگ گئی ہر امر پر مہر جواز
وہ ہے اس آئین سازی کی بدولت سرفراز　　ورنہ روح و مادہ رد و بدل کے ہیں مجاز

عنصرِ طاقت ہے کلی ضابطہ کی جب بنا
بے ضرورت ضابطہ رانی ہے ذاتِ کبریا

قاعدہ منطق کا ہے جب ہوتی ہے علت قوی — بے تعرض ہوتی ہے معلول کی ہر جوگی
علم خالق ہے قوی علت۔ تو پھر کیا ہے کمی — صنعتِ عالم میں کیوں تبدیلیاں ہیں در کی

پس ہے ثابت علم حق وجہ جہاں سازی نہیں
اور صفت معبود کی یہ شعبدہ بازی نہیں

بعض کہتے ہیں نہیں صناع عالم کوئی ہاں — مادہ اور روح کی ترکیب ہے کل جہاں
مادہ کی ذات سے دُنیا کی ہیں نیرنگیاں — مادہ ہے روح کو وجہ مسرت بے گماں

مادہ کو ہی ہیں لاحق زندگانی اور اجل
روح تو بیکار ہے سب مادہ کا ہے عمل

مادہ ہی روح کو ہے ہادیٔ راہ نجات — مادہ ہے عالم ہر سہ زمان شوش جہات
مادہ کی رونگر رہتی ہے روح ذیحیات — کیا عجب منطق ہے اور کیسے اوق ہیں نکات

مادہ کی کوششیں بیکار ہیں خود کے لیئے
روح لیکن فیض پاتی ہے بلا محنت کیئے

بعض کہتے ہیں کہ اُس معبود کی ایسی ہے ذات — قادر مطلق ہے جو وجہ ظہور کائنات
جسکے باعث ہوتی ہیں پیدائش و موت و حیات — وشنو و برہما و شو مفروض ہیں اسکی صفات

مادہ اور روح کی جو طاقتیں ہیں اضافی
ذاتِ حق سے ہے گویا موسوم انکا انکشاف

اور اگر ہے قادرِ مطلق خدائے عزوجل　　طاقتیں ہیں تین اسمیں خواہش و علم و عمل

طاقتیں تینوں یہی ہیں باعثِ ردوبدل　　تو یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کلامِ مبتذل

جب خدا عاطل نہیں زورِ عمل بیسود ہے

کیا ہوا اس میں بے اثر طاقت اگر موجود ہے

جسکو خواہش ہو کوئی دنیا میں ہو زار و خزیں　　کون ہے محتاج خواہشمند سے بڑھکر کہیں

جذبۂ اسفل یہ حق کیواسطے موزوں نہیں　　واسطہ اس پاک ہستی سے ہو اسکا شرمگیں

خود جو خواہشمند ہو معبود کہنا فضول

عقل ایسے مسئلہ کو کر نہیں سکتی قبول

خواہش مخلوق سازی گر ہوئی پیدا تیری　　تو یہ علت کس طرح تھی خود ہی آں معلول تھی

گر یہ خواہش تھی پرانی گوشۂ دل میں پڑی　　کچھ وجہ ہوگی جسکا کل نکملہ میں آگئی

پھر یہ کیا علت ہوئی جو تابعِ علت ہوئی

بیوجہ خواہش خدا کو باعث ذلت ہوئی

علتِ ایجادِ دنیا علم اگر محدود ہے　　تو کوئی مخلوق بابعد سے کیوں موجود ہے

ہر دو عالم میں اگر اسکی ہی ماند و بود ہے　　صنعتِ عالم اسی علت کی تار و پود ہے

لافاعلت ہو تو کیوں لافا صنعت نہیں

اس سے ظاہر ہے کہ علم اس ساخت کی علت نہیں

گر یہ ضد کی بات ہو تو کچھ نہیں اسکا جواب — اور اگر تحقیق ہے منظور تو سنیئے جناب!
جس خدا کو خواہش و کوشش ہیں لاحق بیحساب — خلق سازی میں وہ ہو سکتا ہی کیونکر کامیاب

دست و پا اُسکے نہیں تو اُس سے کیا بن آئیگا
اور اگر ہیں، تُمسیں ہم میں فرق کیا رہجائیگا

صنعتِ بے ساز کی کوئی سند ہوگی نہیں — علتوں کے سلسلہ کی کوئی حد ہوگی نہیں
عنصروں میں جو صفت ہی منفرد ہوگی نہیں — ابتدا دنیا کی ثابت تا ابد ہوگی نہیں

مادہ بیجان ہو رکھتا نہیں جب گوش و ہوش
حکمِ خالق پر ہوا کس طرح پھر حلقہ بگوش

گر وجودِ محض حق سے مانیں دنیا کا ظہور — تو خلافِ معقل ہوگا اور خرد سے کا فتور
یہ بھی کہہ سکتے ہیں پھر سب ذاتِ انساں کا ہی نور — منطقی اسکو کہیں گے ملت ناقص ضرور

مان کر صنعِ عالم ایک ہستی کو فضول
کر دیا ہے مسئلہ علت کا بے اُصول

گر خدا علت ہو اور معلول ہستی جہاں — نیست جب ہوتی ہو دنیا رہتے ہیں حضرت کہاں
حالتِ مخلوق میں ہوتی ہیں جو تبدیلیاں — مثبت و منفی ہیں اُسکی علتیں دو بیگماں

ہونگے پھر ذاتِ خدا پر عائد اثبات و نفی
منطقی سمجھیں گے اسکو ورنہ رسمِ خامگی

اِن خیالوں کے علاوہ فلسفے جو اور ہیں — وُہ وجودِ روح کے قائل سبھی ہر طور ہیں
ہو چکے جن فلسفہ دانوں کے سپر غور ہیں — ماننے کو روح کے تیار وہ منفور ہیں
اُنکو آتا ہے نظر دشوار روحانی کمال
اسلئے باقی ہر ذاتِ کبریا میں قیل و قال

ہے ازل سے مادہ کی روح سے وابستگی — کان میں جس طرح سونے سے جڑاؤ کی لگی
ثمرۂ افعال سے لاحق ہے موت و زندگی — ہے صفاتِ روح کی حائل یہی آلودگی
روح کو رکھتی ہے یہ نورِ عمہ دانی سے باز
ہیں اسی سے زائل و مکسور روحانی مجاز

ذاتِ خود کی معرفت میں محو اگر ہو جائے روح — اپنے اصلی خاصہ سے باخبر ہو جائے رُوح
محترز ضدیات سے بھی سر بسر ہو جائے روح — حیطۂ قیدِ تناسخ سے بدر ہو جائے رُوح
منکشف ہو جائیں پھر اوصافِ روحانی تمام
شاملِ روحانیت ہو شانِ یزدانی تمام

بعض کہتے ہیں خلایق کام میں ساری ہیں — کس لئے بیکار بیٹھے حضرتِ باری ہیں
کیا سبب وہ خواہش و کوشش سے کیوں عاری ہیں — خلق سازی کے ہی اُنکے مشغلے جاری ہیں
یہ نہیں تو ہو نہ بے اُن کو مسرت انتہا
اسکو کوئی کس طرح مانے وہ عالم کا خدا

دانش و فہمیدگی ہیں صرف روحانی صفات — خالی ان اوصاف سے ہو اور ساری کائنات
روح گر اس میں نہیں تو مادہ ہے بے حیات — آکسیجن میں یہ طاقت ہو یہ کہنے کی ہے بات

آکسیجن بھی ہوائی مادہ کی قسم ہے
وصفِ روحانی وہاں ایسی وہ مردہ جسم ہے

روح سے داخل نہیں تو مادہ میں جان کیا — ہے نہیں زنہار اس میں طاقتِ نشو و نما
مائلِ روئیدگی گر مادہ پایا گیا — روح کی موجودگی کا اس میں لگتا ہے پتا

ہو وجودِ روح کا شاہد تنفس کا عمل
مادہ میں ہے عدم تار نفس کا بے خلل

مادی اجزا کو ان وصفوں سے خالی پائینگے — اور مرکب میں صفت موجود کر دکھلائینگے
اس اصولِ کلیہ کو کس طرح ٹھکرائینگے — وصف جو جز میں نہیں کل میں کہاں سے آئینگے

مادہ کا وصف جو ہے روح میں آتا نہیں ۔
مادہ جو روح میں ہے مادہ پاتا نہیں

بعض کو تسلیم ہے روحِ رواں کا تو وجود — کہتے ہیں لیکن اسے حکمِ خدا کی ہست و بود
ماننے سے عالمِ ارواح کے کیا ان کو سود — کس کو روزِ حشر تک ہے انتظارِ بود و جود

گو خدا ثابت نہیں لیکن ہیں یہ حکمِ خدا
پائیں گے حکمِ خدا سے داد جورِ جنبذا

بعض کہتے ہیں کہ کیسی روح اور کسکا کمال ماده ہی ماده ہے باعثِ ماضی و حال
دو طرح کے مادوں کا ہوتا ہے جب اجتماع تو ظہور اور اس نئی طاقت کا ہوتا ہے مآل
روح کہتے ہیں اسی جنبش کی کیفیت کو لوگ
زندگی سمجھے ہوئے ہیں مادی طاقت کو گو

دیتے ہیں گڑ اور جھوٹ کے مرکب کی مثال جس میں ہو جاتا ہے پیدا نشہ پُر کیف حال
لیکن اس میں بھی ہے انکی کوتہ اندیشی کمال کہنے بوتل پر نشہ کا کچھ کبھی دیکھا جلال
ماده کو مادی ہوتا نہیں حسِ زینہار
روح ہی وہ ہے نشہ کا جسکو ہوتا ہے خمار

جسمِ مُردہ میں شرابِ ناب کو ڈالیں اگر تو اثر اُسکے نشہ کا کچھ نہ آئے گا نظر
اور زندہ جسم پر ہوتا ہے بُو کا بھی اثر جانچ لیں اس تیزِ ظاہری کو باخبر
جسمِ زندہ میں علاوہ ماده کے کوئی چیز
بے شبہہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں ہے جانِ عزیز

ماده میں ہوتی ہے ہر قسم کشش تو ظرفی سوئے تفاعلیں کھنچ جاتی ہر لوہے کی سوئی
چھاتی ہے چھونے سے چھوئی موئی پر ثمرِ مردگی گھومتا رہتا ہے سورج کی طرف سورج مکھی
ماده میں طاقتِ احساس لیکن ہے کہاں
ایسی طاقت سے مشرف ہے فقط روح رواں

نسکے باعجز و ادب ارشادِ شاہِ خوش ضمیر — خم سرِ تسلیم کرکے یوں ہوا گویا وزیر

رُوح ہوجاتی ہے خود معبود کی صورت پذیر — محبسِ اعمال میں رہتی نہیں جب وہ اسیر

یعنی موت و زیست سے جب اسکو پاتی ہیں

کوئی اور اسکے سوا بالاتریں ہستی نہیں

جبکہ یہ آفاق بے آغاز و بے انجام ہے — فطرتی ردّ و بدل سے چل رہا سب کام ہے

پھر کسی کا فرضِ خلاقی برائے نام ہے — ایسی ہستی کا یقیں مجموعۂ اوہام ہے

خود سے تو بیخود ہیں کرتے ہیں خدا کی قال و قیل

بس یہی کوتہ خیالی ہے جہالت کی دلیل

بعض کہتے ہیں کہ روح و مادہ سب معدوم ہیں — صنعت و صناع کے بھی مسئلے موہوم ہیں

ہر دو عالم محض نورِ علم کے مفہوم ہیں — پر نہیں معلوم۔ عالم کون؟ کیا معلوم ہیں

کیا مزے کی بات ہے۔ ظروف سے ہیں آشنا

لیکن مُ کے طرف کا انکو نہیں مطلق پتا

بعض کہتے ہیں بجز ذاتِ خدا کچھ بھی نہیں — جو کہ دو عالم میں ہے صورتہً کچھ بھی نہیں

خواب کا نقشہ ہے اور اسکے سوا کچھ بھی نہیں — وہم ہی ہے مادہ اور روح کا کچھ بھی نہیں

کیا انوکھا مسئلہ ہے۔ کیا عجب انکے اصول

جھوٹ بکتے ہیں دیکھنے والوں کی آنکھوں میں وہ دھول

اوم

حقیقتِ معبود

ایکدن کہ شاہِ دوراں بجدل شیدائے دیں — شان و شوکت سے بہ دربار تھا مسند نشیں
تھے قرینہ سے مصاحب گرد اُسکے جاگزیں — جو کہ تھے ذی علم شاخِ معرفت کے خوشہ چیں
کر رہے تھے باہمی دینی مسائل کا بیاں
عالمانہ بحث آزادی سے جاری تھی وہاں

گفتگو دلچسپ تھی طرزِ بیاں تھا دلپسند — معنی و مطلب تھے جسکے مخزنِ ہر اوّ و پند
جب دلائل پیش کرتا تھا وزیر ہوشمند — سُنکے ہو جاتا تھا دم درباریوں کا دم میں بند
دلمیں اُن باریکیوں پر شاہ جب کرتا تھا غور
لطف ہو جاتا تھا اُس کا اَور سے بڑھکر کچھ اور

کر چکے جب ختم مبحث صاحبانِ سرفراز — یوں سخن فرما ہوا زینت سے شاہِ پاکباز
اے وزیرِ ارجمند و عالم نکتہ نواز — "عقدہ معبود سربستہ ہے اب تک مثلِ راز
یہ معما کیا بلا ہے اِس کو وا کر دیجئے
سِرِّ یزداں سے مجھے بھی آشنا کر دیجئے

حقیقت معبود

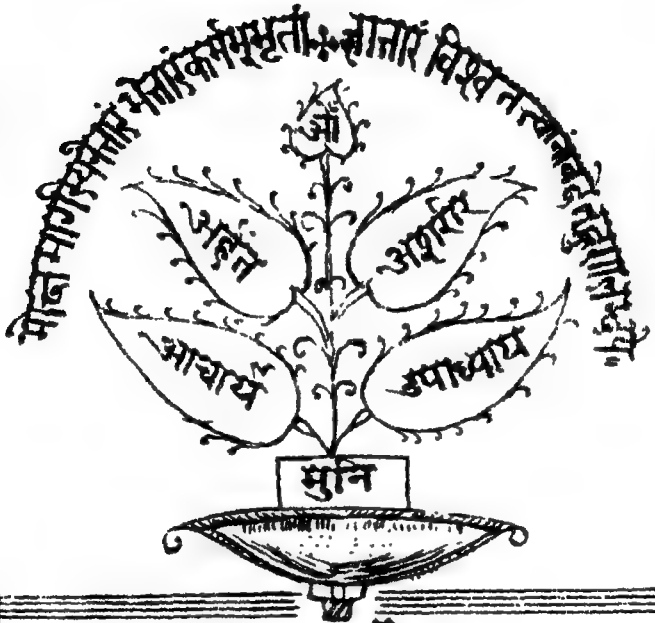

ترجمہ

تعظیم من بہ آں کہ بمودم رہ نجات
بگسیخت چون سلاسل افعال و خواہشات
از کائنات دہر درخشان علیم شد
تا نیز یابم آں چنیں کشفِ ہمیں صفات

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۵

حقیقتِ معبود

مصنفہ

دبیر قوم جناب لالہ بھولا ناتھ صاحب جین آرزو شان مختار
ریونیو ایجنٹ بلند شہر

جِسکو

جین مترمنڈل دہلی دریبہ کلاں نے بنائے افادہ عام شائع کیا

مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی

تعداد ۲۰۰۰

قیمت آدھ آنہ

یاد جب آتے ہیں ہمکو اُسکے اوصافِ نکو — یا نظر کرتے ہیں اُسکی پُراماں تصویر کو
لب پہ آتا ہی یہی مصرعہ بحالِ گو مگو — "شکر را فتہائے تو چندانکہ را فتہائے تو"

کیا دزخشاں سے بیاں ہوں یہ کہ کشف کمال
"چھوٹا منہ باتیں بڑی" یہ صادق آتی ہی مثال

جین متر منڈل دہلی کے مطبوعہ نئے ٹریکٹ

	قیمت
اہنسا دہرم پر بزدلی کا الزام	۰/
حقیقت معبود	۰/
رپورٹ چنتی ۔ سنہ ۱۹۲۸ء	۲/
" سنہ ۱۹۲۷ء	۴/
" سنہ ۱۹۲۶ء	۱۰/

مکتی اور اُس کا سادھن ۔ چھپ رہا ہے

جین دہرم انادی دہرم ہے ۔ چھپ رہا ہے ۔

ملنے کا پتہ

جین متر منڈل ۔ دریبہ کلاں دہلی

ذی حشم وہ تھا سلیماں جسکے قدم — سرنگوں حاتم تھا جس کا دیکھکر جود و کرم
تھا رفیع ایسا فلک بھی ہوگیا سجدہ میں خم — وہ بہادر تھا پڑا زیر قدم شیرِ اجم
زلزلہ آیا زمیں کو جلم افروں دیکھکر
بحر کو سکتہ ہوا تھا طبع ماموں دیکھکر

ظلمتِ عصیان مٹانیکو تھا وہ اک آفتاب — روح تھی اسکی مقدس اور دل عصمت مآب
خاکپا اس پیر کے تھے رستم و افراسیاب — خضر بھی سمجھے تھے اسکو ہادی اہل صواب
ساقی کوثر تھا آبِ دیں کے پیاسوں کے لیئے
حق مجسم بے شبہ تھا حق شناسوں کے لیئے

کیا کہیں اُپدیش ہمکو پیر نے کیا کیا دیا — فلسفہ اعمال خوب و زشت کا سمجھا دیا
تیرہ روزی کو مٹایا نور دیں پھیلا دیا — اسنے روشن کر دیا راہِ حقیقت کا دیا
وعظ سے پرتھی منونہ کی حیاتِ پر صفات
تشنہ کامانِ زماں کو ہوگئی آبِ حیات

وہ ہیں معراجِ نجات انداز طاعت پیر کے — چومتے ہیں پانو تا بک اہلِ خلقت پیر کے
لوحِ دل پر ثبت رہیں نقش رحمت پیر کے — ہم رہیں گے تا ابد مرہونِ منت پیر کے
اُسکے احسانات سُن سُن کر طبیعت شاد ہے
نام اُسکا ہے زباں پر دل میں اُسکی یاد ہے

رات کا تاک کی اماوش کی جب آئی پرفضا — وقت تھا قبل طلوع اوسوانت کا نکچھتر تھا
سن بہتر سال اور چھ ماہ کا پورا ہوا — کوچ سوئے عرش اعلیٰ روح اقدس نے کیا

آئے ذرا جائے مرگ بیر پر کریں بیاں
روشنی کرکے ادا کیں آخری رسمیں وہاں

دن دوالی کا مبارک ہے نہایت شان کا — جو کہ ہے یوم سعید اس بیر کے نروان کا
ہر بشر ممنون تھا اسکے شفقت و احسان کا — اسلئے تیوہار ہے یہ سارے ہندوستان کا

ہے اسی سے بیر کی ہر دلعزیزی آشکار
آجتک رسم چراغاں ہے بطور یادگار

بیر گویا تر گیا بحر جہان بے کنار — ناخدا بنکر کیا عالم کو اس قلزم سے پار
وادی گیتی میں جو گمراہ تھے اہل دیار — بن گیا انکے لئے وہ باعث صبر و قرار

بیر کیا تھا رہنمائے منزل مقصود تھا
قالب خاکی میں نور ایزدی موجود تھا

ہو گیا مشہور گیتی یوسف حسن و جمال — نوح بحر بیکران دین و ملت بیمثال
تھا مسیحائے زمان و مرشد معجز مقال — موسی طور طریقت بن گیا بے قیل و قال

قبلۂ ایمان رحمت کعبۂ اعمال نیک
کاشف راز حقیقت ہر دو عالم میں تھا ایک

رہروِ راہِ حقیقت محوِ راہِ حق رہا　　خود شناسا ہو کے ذات خود میں بیخود ہو گیا
دل پہ قابو یافتہ تھا وہ رشید اتقا　　بن گیا گم گشتگانِ معرفت کا رہنما
اُسکے آگے تھے مساوی بیکس و تاج و لوا و گ
اُس کا سب کے ساتھ تھا یکساں مروت کا سلوک

خوئے عفو و انکساری بے ریائی بیر کی　　صدق و صفوت انضباط و بے نوائی بیر کی
ترک جذبات و ریاضت پارسائی بیر کی　　تھے عمل جن سے ہوئی دل کی صفائی بیر کی
پردۂ اعمال اُٹھا روح روشن ہو گئی
ذاتِ سامی نورِ سبحانی کا مخزن ہو گئی

وہ سعادت خیز دن بھی نور نورانی ہوا　　جب طلوعِ آفتابِ علمِ لاثانی ہوا
جسکی کرنوں سے نمایاں نورِ عرفانی ہوا　　روشنی دل میں ہوئی اور کشف روحانی ہوا
دیو و جن آئے وہاں مجرے حضرت کیلئے
قدسیاں حاضر ہوئے اُنکی زیارت کیلئے

قلب روشن مثلِ آئینہ ہوا تھا بیگماں　　عکس فگن جس میں تھیں اشکالِ اسرارِ نہاں
اُسکے نورِ علم سے روشن ہوئے دو نو جہاں　　نصب دنیا میں کیا اُنسے انہسا کا نشان
وعظ دے دے کر مٹائے دنیوی فسق و فجور
کر دیا اُنسے کلیدِ بابِ جنت کا ظہور

پیشتر سے لگ رہے ہیں مادی ذرات جو　　دُور ہوں گر روح وصفِ ذاتِ خود میں محو ہو
مدتیں گذری ہیں سہ عالم میں پھرتے روح کو　　خود شناسی کا نہ ہاتھ آیا اسے وقت نکو
صحتِ ہوش و خرد میں گر خودی کو چھوکر
خود میں بیخود ہو تو خود نورِ خدا ہو سر بسر

سو چکر یہ محوِ ذاتِ خود ہوا وہ حق شناس　　صبر و استقلال سے سہتا رہا بھوک و پیاس
وہ ہوا سردی سے مضطر اور نہ گرمی سے اداس　　تھا درندوں یا گزندوں سے نہ کچھ اسکو ہراس
طفلِ مادرزاد کی تمثال عریاں تن رہا
عالمِ خوف و بداہنی میں بھی پر ایمن رہا

حظِ نفسانی کی خواہش کو مٹایا سر بسر　　اور نظر نیچی کئے چلتا تھا رستہ دیکھکر
روز و شب کرتا تھا وہ غربت نشینی میں بسر　　جو بھی گر کی کسی نے تو نہ لایا دل میں شر
خاک پر سوتا تھا پچھلے عیش کرتا تھا نہ یاد
رنج و غم کے وقت بھی رہتا تھا وہ مسرور و شاد

بینوائی میں بھی وہ رکھتا تھا استغنی مزاج　　تھا نہیں مطلوب اسے درد و علالت کا علاج
غم نہیں اناملا کھانا نہ گر حسبِ رواج　　کنکری کانٹا لگا تو کیا دوا کی احتیاج
غلطِ جسمانی کی پروا کی نہ بد برتاؤ کی
کسرِ نفسی تھی نہ تھا وہم و شبہ دل میں کوئی

تنگ حالی سے کوئی بیحال ہے مجبور ہے — نشۂ پیمانۂ زر میں کوئی مخمور ہے
اُلفتِ فرزند و زن میں کوئی ہر دم چور ہے — اپنی منزل سے غرض ہر ایک کوسوں دور ہے

سو طرح کا رنج و غم اک جان کو جنجال ہے
دارِ فانی کا تماشا ہے کہ اندر جال ہے

دنیوی یہ ساز و ساماں اور یار و آشنا — کام کچھ آتے نہیں ہرگز جب آتی ہے قضا
ہے یہ دنیا اک مقامِ رنج و غم دار الفنا — اعتماد اس پر کسیکو ہو بھی آخر تو ہو کیا

مرتی جیتی ہے اکیلی روح ہی زار و حزیں
ساتھ میں اسکے کبھی کوئی گیا آیا نہیں

مان لو اپنا جسے چاہو۔ نہیں اپنا کوئی — ماو من غیروں میں رکھتا ہے خمارِ بیخودی
جس بدن کی بن سنور میں زندگی غارت ہوئی — وہ بھی جب ساتھی نہیں تو بات کیا پھر غیر کی

استخوانی جسم میں بھی کیا ہے اُلفت کو دھرا
ڈھک رہا ہے کھال سے پنجر غلاظت سے بھرا

کبر و نخوت۔ مکر و فن۔ حرص و ہوا غیظ و غضب — روح کے یہ چار جذبے ہیں تناسخ کا سبب
نیک و بد لفظ و خیال و فعل ہیں جو روز و شب — روح سے ذرات انکے ہوتے ہیں پیوست جب

اِسکی حالت میں کیا کرتے ہیں یہ دو بدل
یہ رکیں تو روح کی حالت بھی کچھ جائے سنبھل

غور سے دیکھا رسومات قبیحہ کا جواز — حال میں کچھ دیر تک آیا بصد سوز و گداز
عیش شاہانہ کے چھوڑے اُس نے سب سامان و ساز — افتراپرداز سمجھے دنیوی ناز و نیاز
ترکِ دنیا کر کے وہ راہِ حقیقت میں لگا
تاکہ اک دن اہل عالم کا ہو سچا رہنما

بیسر کے دیکھیں سمائے اصل از کائنات — یہ کہ یہ دنیائے دوں ہے چند روزہ فی ثبات
موت کا لقمہ ہے آخر ہو جسے حاصل حیات — اہلِ دنیا کو نہیں معلوم روحانی صفات
اسلئے وہ بیخودی کے نشہ میں سرشار ہیں
پابزنجیر تنعم ہیں حزین و زار ہیں

گو مسرت کی طلب ہر ایک کو ہے برملا — آرزو ہر روح کو ہے۔ ہو مسرت انتما
لیکن ابتک کچھ کسیکو بھی نہیں اسکا پتا — کسکو کہتے ہیں مسرت۔ ہے مسرت چیز کیا
دنیوی اغراض و عشرت ہی میں ہو کر شاد ماں
ہیں یہیں اپنی جہالت سے مسرت کا گماں

دنیوی یہ عیش و عشرت کثرتِ مال و منال — حشمت و حسن و شباب و رتبہ و جاہ و جلال
یہ زن و فرزند۔ یار و آشنا۔ اہل و عیال — عارضی ہیں سب یہیں انسے سرور لازوال
پھر مسرت کیا ہے جس کا چند روزہ ہے قیام
ہے مسرت تو وہی حاصل ہو جو ہر دو دام

ناز و نعمت سے وہ شکل ماہِ نو بڑھتا رہا — باپ کا لختِ جگر تھا ماں کا نورِ عین تھا
لوگ اُسکے چونچلوں پر ہو کے قربان و فدا — مانگتے تھے زندگی کی اُسکے روز و شب دعا

چہرۂ پرنور پر اُسکے بشاشت تھی نثار
عہدِ طفلی میں تھا اُس کا حوصلہ مردانہ وار

ساتھ میں ہمجولیوں کے اک شجر پر ناگہاں — کھیلنے کو چڑھ گیا اک روز بیر نوجوان
ایک سنگم دیو آیا اُس کا کرنے امتحان — اُس شجر پر اژدہا بنکر وہ لپٹا بے گماں

دیکھ کر بچے اُسے ڈر کر گرے بیجان سے
پھن پہ رکھکر پاؤں اُترا بیر اطمینان سے

بیر کی اس بیر تا پر دیو حیراں ہو گیا — عالمِ حیرت میں مثلِ چشمِ فتاں ہو گیا
فعل پر نادم ہوا دل میں پشیماں ہو گیا — اپنی اصلی شکل میں پھر وہ نمایاں ہو گیا

دست بستہ عرض کی یہ ہے بجا بیر آپ میں
بیر کیا دیکھیں شجاعت تو بھا بیر آپ میں

جب ہوا سن تیس سالہ حال دیکھا ملک کا — ظلم سے خائف نہ تھا اور دین سے گمراہ تھا
جی بھر آیا رحم سے اُس کا قلق دلکو ہوا — مذہبی اصلاح کا فوراً تہیہ کر لیا

ہاتھ میں جھنڈا اہنسا کا اُٹھایا بیر نے
سحر پھونکا رحم کا اُس رحم کی تصویر نے

آپ سمجھے راز کیا تھا اس تماشے میں نہاں — کس لئے اک دم اُتر آیا زمیں پر آسماں
کون تھا وہ ہیر جسکی مدح میں اہل جہاں — روز پیدایش ہوئے سو جان سے رطب اللساں

یہ وہ ہستی تھی کہ جسپر تھی دو عالم کی نظر
منحصر تھی مذہبی اصلاح جسکی ذات پر

کیونکہ مادر رحم و شفقت کا جو ہندوستان تھا — اُسکے باشندوں پہ پیر حمی کی چھائی تھی گھٹا
بے زبانوں کا لہو افسوس اُسکے منہ لگا — گائے گھوڑا آدمی ہوتے تھے یکسو نہیں سوا

منتر وید و شاستر میں وہ اضافہ کر دیئے
جنکی اوجھل ہندوؤں کے فعل یہ جائز ہوئے

ہوم کا پرشاد تھیں قربانیوں کی بوٹیاں — گوشت خواری کا یونہی بھرتی تھیں ٹھنڈا پر زباں
شوق میخواری کا لوگوں کو ہوا پیدا یہاں — کھانے پینے کی شرائط توڑ دی تھیں بیگماں

بھیٹ دیوی دیوتا پر کرتے تھے لحم و شراب
ملک میں ہر گھر بنا تھا مذبح بیت الخراب

یہ زمانہ تھا مظالم مذہباً جب تھے روا — جانور کیا آدمی کا خون بھی مباح تھا
ہیر تب یکدم فرد کش باغ ہستی میں ہوا — منزل روح مقدس جسم خاکی کو کیا

ظلم مٹ جانیکے جب یہ غیب سے ساماں ہوئے
اُسکی پیدایش پہ سب جن و بشر شاداں ہوئے

ہفتگانہ فوج لیکر آگیا شاہِ جناں — محفلِ رقص و سرود آکر جمائی اُن کہاں
بچۂ نوزاد کو دیکھا بچشمِ شادماں — قلب کو تسکیں ہوئی اُنکی نہ لیکن ایک آن

کرو فر سے ہو کے زیبِ ہودجِ فیلِ عجیب
چل دیا آغوش میں لیکر اُسے وہ خوش نصیب

کوہِ میرو پر جو ہے اک پانڈک بن نامور — اِک چٹان اُسپر بنی ہے صورتِ نصف قمر
شرق رویہ چار زانو شان سے بالکر و فر — اُسپہ بٹھلا کے اُسے سجدہ میں آئے سر بسر

دیو و جن لاتے تھے بھر کر چیر ساگر سے سبو
اور بلاتے تھے چنو رنجر و ادب سے چار سُو

اِک ہزار و بشت خم سے غسل بچے کا ہوا — پھر نہائے دیو و لبس شہی زینت فزا
صف بصف سب کے کھڑے ہو کر اُسے سجدہ کیا — اور صدق و سوز سے کی اُنکی تحسین و ثنا

واپس آیا قلعۂ شاہی میں فیلِ قدسیان
اور دیا بیگم کو جا کر اُس کا بھرا دودھ دان

محفلِ رقص و طرب پھر صحنِ ایواں میں سجی — ناچنے گانے لگیں چاروں طرف حور و پری
گھور نر دو دور باجوں شادیانوں کی ہوئی — تھا وہ دن روز مبارک نیک ساعت وہ گھڑی

نام رکھا پیر جب شاہِ جناں نے طفل کا
شور جے جے کار کا ارض و سما میں چھا گیا

ایک شب بیگم کو حاصل صحبتِ سلطاں ہوئی
سب سے بڑھکر عمر میں اُس روز وہ شاداں ہوئی

آفتاب آیا حمل میں بارشِ فیساں ہوئی
قایم اُمید حصولِ گوہرِ غلطاں ہوئی

سوئی بیٹھی نیند میں بیگم جو لمبی تانکر
آدھی پیچھے سولہ سپنے دیکھے یک بعد دگر

صبح جب اُٹھی تو اُس پر ہول اک طاری ہوا
جوشِ حیرت اُسکے سارے جسم میں جاری ہوا

خواب کی صورت کا لیں سلسلہ جاری ہوا
شرم کہنے میں ہوئی رافع ادب عاری ہوا

آخر اُسنے خوابہائے نادرہ کا ماجرا
نزد شہ جاکر سرِ تسلیم خم کرکے کہا

منکشف جب رازہائے عالمِ رویا ہوئے
خواب کی تعبیر کہکر شاہ یوں گویا ہوئے

نگہتِ بہجت سے اپنے مغز و دل بویا ہوئے
باغِ ہستی میں گلِ اُمید کے جویا ہوئے

سلہ دیگم کو لگی لو دیکھیں کب آئے گھڑی
جشنِ تولیدِ پسر میں دیر بود نیا کھڑی

تیرھویں تاریخ آئی چیت کی جب پر ضیا
ابرِ بطنِ ترشلا سے بدرِ نور افشاں ہوا

سر بسر کونین میں جس نے اُجالا کر دیا
کورِ یاتی کو عالم سے فنا جس نے کیا

حور و غلماں ہو گئے موجود خدمت کیلئے
گھر پہ آئے قدسیاں جشنِ ولادت کیلئے

اوم

حیات بیر

شہر کنڈلپور کہی تھا باغِ رضواں کی مثال
حکمراں سدھارتھ تھے اسمائے ورمان کی مثال
شان و صولت جنکی تھی شاہانِ کیہوں کی مثال
شہریار و شہر تھے گویا تن و جاں کی مثال

ملک والوں کے لئے امن و اماں موجود تھا
نام تک قحط و وبا کا نیست او زابود تھا

ترشلا دیوی تھی اُنکی راحتِ قلب و جگر
حسن شیریں بھی تھا جس پر ہر جبیں کا رنگ زر
چشم لیلیٰ جیتی تھی آنکھ جسکی دیکھکر
تھے مسیحا دم بخود اسکے لبِ اعجاز پر

اسقدر چھایا ہوا تھا نشہ جوشِ شباب
پانی پانی ہو گیا تھا شرم سے جامِ شراب

شاہ و بیگم اُنس و الفت کی گویا تصویر تھیں
سورۂ اخلاص کی وہ مختلف تفسیر تھیں
شہ خور انور تھے بیگم ماہِ پرتنویر تھیں
خوابِ راحت کی وہ دونوں مستیاں تعبیر تھیں

بادۂ عشرت میں تھے مخمور دونوں سر بسر
کرتے تھے حور و ملائک رشک انکو دیکھکر

بجسم رنگ طلائی اسیر در بودی چو روح پاک شدی با همه خبر بودی
اگرچه توشهٔ سدهارتھ را پسر بودی مگر در اصل به عالم بزرگتر بودی
بیا بخانهٔ دل بیر! از رهِ چشم
بساز کعبهٔ حق را چو جلوه گاه صنم

کلام تست چو روئے کہ پاک تر باشد به آب راستی معمور سر بسر باشد
به موزنِ منطق و برہان پر اثر باشد دراں بغوطه هر مخلص باخبر باشد
بیا بخانه دل بیر! از رهِ چشم
بساز کعبهٔ حق را چو جلوه گاه صنم

به بحرِ شهوت مستی ست کل جہاں تہ آب وئے گسیختی آزا به عهد عین شباب
ازاں سرور دوامی چو گوہر نایاب بدست آمد و دریافتی نجات شتاب
بیا بخانه دل بیر! از رهِ چشم
بساز کعبهٔ حق را چو جلوه گاهِ صنم

بدہر مرجع درویش و بادشاه توئی مشیر صادق آفاق و خیر خواه توئی
معین بیکس و محتاج را پناه توئی سراج ملت و دیں اہل عز و جاه توئی
بیا به خانهٔ دل بیر! از رهِ چشم
بساز کعبهٔ حق را چو جلوه گاه صنم

التجا

درخشان رقم مدحت بیر کرد چنیں آنکه بها گیند ر تحریر کرد
کسے حاصل جاه و توقیر کرد دل و روح خود پر ز تنویر کرد
که گفت و شنید آں روا گیر کرد

مدحت بیر

(بیر استک فارسی)

ضمیر انور تو ہست رشک ساغر جم — درین ست عکس فگن شکل ہر شے عالم
تو رہنمائے جہانی چو اختر اعظم — مراست دیدن تو باعث سرور اتم
بیا بخانۂ دل بیر! از رہ چشم
بساز کعبۂ حق را چو جلوہ گاہ صنم

مثال نرگس شہلاست چشم روشن تو — چنانکہ شاہد مال دل مسکن تو
چنین ست صورت زیبا و شکل گل بدن تو — کہ ہست باعث تسکین قلب و دین تو
بیا بخانۂ دل بیر! از رہ چشم
بساز کعبۂ حق را چو جلوہ گاہ صنم

پر از ضیا سر تاج شہان ملک جناں — چو خم شدند بہ پائے تو تا فتند از اں
چنیں پرستش پائے تو از پئے انساں — مراست وجہ سرور و قرار و اطمینان
بیا بخانۂ دل بیر! از رہ چشم
بساز کعبۂ حق را چو جلوہ گاہ صنم

روایت ست کہ غوکے پئے پرستش تو — گلے گرفت بہ لبہا بر فت در رہ تو
بمرد و داخل جنت شد آن فرشتہ خو — عجب نجات کہ یابند بندہ گان نکو
بیا بخانۂ دل بیر! از رہ چشم
بساز کعبۂ حق را چو جلوہ گاہ صنم

سنہ ۱۹۰۰ء — قیمت آدھ آنہ

التماس

اگرچہ ہمارے آخری ترتھنکر بھگوان مہاویر کی پاک ترین ہستی اور سبق آموز حیات بابرکات سے جین قوم کے افراد ہی نہیں بلکہ قریب قریب تمام علماء وقت بخوبی واقف ہیں۔ تاہم آپکی شاندار زندگی کو ہر خاص و عام کا نصب العین بنانے کے لئے جین مترمنڈل نے ویر جینتی (مہاویر سوامی کی سالگرہ) کا جشن عام کئی سال سے بڑے پیمانہ پر منانا شروع کیا ہے جس میں دور دراز مقامات سے آکر نہ صرف جین علماء و رؤسا ہی شریک ہوتے اور نظر و حالی اٹھاتے ہیں۔ بلکہ دیگر اصحاب بھی اس بزرگ ترین شخصیت کی یادگار کو کامیاب بنانے میں دلی ارادت کا اظہار کرتے ہوئے کافی حصہ لیتے ہیں۔ بعض اپنے حیات بخش مضامین و تقاریر سے سامعین کو مستفیض کرتے ہیں۔ البتی جلیب خاطر از راہ گوش اس جام آبجیات کو نوش فرماتے ہیں۔ صنف اول کے افراد میں ایک قابل ذکر اہل قلم و نغز گو شاعر جناب لالہ بھولا ناتھ صاحب جینی درخشان مختار عدالت بلند شہر ہیں جنہوں نے ممبران مترمنڈل کی خواہش پر اس معرکہ آرا نظم کو سر حلبہ جام پڑھکر حاضرین کو محظوظ کیا اور صنف دوم کے ارکان میں ایک فیاض طبع علم دوست لالہ بہاری لال صاحب وثیقہ نویس بھوانی ہیں جنہوں نے درخشاں صاحب کے چست معنی خیز اور جبتہ کلام سے متاثر ہو کر آپکی دیگر تصانیف "حقیقت معبود" اور "آداب ریاضت" کے ساتھ اس نظم کو بھی بغرض افادہ عام اپنے صرفہ سے منڈل کی معرفت شائع کرایا۔

یونتو انگریزی، ہندی اور اردو زبان میں نظم و نثر چند سو انجمنیاں بھگوان مہاویر کی ماموار اور مشہور اہل قلم نے تحریر کی ہیں لیکن درخشان صاحب نے اپنے آخری تیرتھنکر کے پانچوں کلیانک (ولیعہد کے پاکیزہ خیالات کو جس خوبی کے ساتھ پر اثر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے آپکی حیات پاک کو ہر شخص کا مطمع نظر ہونے کے قابل ثابت کیا ہے وہ قابل تحسین ہے ہم اس ٹریکٹ کو ہدیہ ناظرین کر کے امید کرتے ہیں کہ وہ مصنف کی قابلیت اور مبلغ کی سخاوت سے مسرت یاب ہونگے ؛

امراؤ سنگھ سکرٹری۔

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۵۸

حیاتِ بیر

مصنفہ

دبیر قوم جناب لالہ بھولا ناتھ صاحب جین درخشاں مختار

عدالتِ بلند شہر

پرکاشک

جین مترمنڈل دریبہ کلاں، دہلی

نومبر ۱۹۲۸ء

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپی

ویرنروان سمت ۲۴۵۵

تعداد ۲۰۰۰

قیمت

جین متر منڈل دہرم پورہ دہلی کے مطبوعہ اردو ٹریکٹ

جین دہرم پرماتما		نایاب گوہر	
میری بھاونا	مفت	جین دہرم کی عظمت	
جین کرم فلاسفی	ار	بھگوان مہاویر۔	
سکھ کہاں ہے	۔ر	صبح صادق	۱ر
خلاصہ مذاہب	۰ر	حقیقت دنیا	
برہمچریہ	۔ر	بھگوان مہاویر اور ان کا وعظ	۔ر
شاہراہ نجات	۰ر	جین دہرم	
موہ جال	۰ر	رپورٹ جلسہ پبرجینتی نمبر ۲۷	
بھگوان مہاویر کے جیون کی جھلک	۔ر	اپنا دہرم پہ بڑی کا الزام	۰ر
سپت دیسن (۷ مفت عیوب)	۔ر	حقیقت معبود	۰ر
کیا الشور خدا ہے	۰ر	حیات پیر	۰ر
نیان سوتر اردو۔ حصہ دوم	ار	سحر کاذب	۱ر
کلام پیکان		علاوہ کال	۳ر
مجموعہ دلپسند یر		جین دہرم ازلی ہے۔	۲ر
جین دہرم	۔ر	آداب ریاضت	روپیہ سینکڑہ
سلک صدر جواہر	۰ر	فوائض انسانی	۰ر
آرزوئے خیر باد		حسن فطرت	کمار نیک
گلزار تخیل۔			

جین متر منڈل دوارہ۔ پرکاشک ہندی ٹریکٹ

ریشم کے دھاگے۔ مصنفہ بابو جوتی پرشاد جی۔ دیوبند
گھوڑا تانگا اور اُس کا چال۔ مصنفہ پنڈت جگل کشور صاحب۔
دیپ سنگھ۔ مصنفہ پنڈت گوری لال جی۔
جین متر منڈل کا بیورن۔ منتری۔
اہنسا۔ مصنفہ برہمچاری سیتل پرشاد جی۔
جین دھرم سدھانت بھوسنڈل کا سارٹیفکیٹ دھرم۔ سدھانت ہو سکتا ہے۔
مصنفہ مائی دیال جین بی اے اوفیسر۔ قیمت نمبر
رتن کنڈ ساویکاچار۔ مصنفہ پنڈت گردھر۔ شرما۔ لورتن ۱/ "
جین متر منڈل کا اتہاس اور کاریہ ورن۔ منتری۔
جین دھرم پر دیکاچار تم ہمارا۔ مصنفہ بابو سورج بھان جی وکیل ۱/۳ "
مکتی اور اُس کا ساد جین۔ مصنفہ دھرم چاری سیتل پرشاد جی۔ ۱/ "
جینیندر سپت درپن۔ پرتھم بھاگ۔ مصنفہ پنڈت جگل کشور جی مختار
پاسنا تتو
کلپنی۔ مصنفہ پنڈت پریچا چندر جی۔ نیایتیرتھ۔
پنچ ورت۔ مصنفہ بابو بھولا ناتھ جی مختار ۱۰ "
رتنت ترے کنچ۔ مصنفہ بابو چمپت رائے جی بیرسٹر ۱/۸ "
گیان سورج اودے۔ مصنفہ بابو سورج بھان جی وکیل ۱/۳ "
جین ویروں کا اتہاس اور ہمارا پتن۔ مصنفہ بابو اجودھیا پرشاد جی۔ ۱/۴ "
ویر نیربان اتسو تھا منڈل کا بیورن ۱۹۲۹ء ۱/۴ "
ویر نیربان اتسو تھا منڈل کا حساب ۱۹۳۰ء
جینی کون ہو سکتا ہے؟ مصنفہ پنڈت جگل کشور۔ مختار
(نوٹ) فری ٹریکٹ یا رپورٹ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر مفت بھیجی جاویگی۔

ملنے کا پتہ جین متر منڈل دھرم پورہ۔ دہلی

موجدِ دنیا رہا جبتک وہ دنیادار تھا | اہلِ دنیا کی مدد کو ہر طرح تیار تھا
آوگریگ میں بھرن پوشن کا سمرادھار تھا | اسلئے کہتے ہیں بیچ وشنو کا وہ اوتار تھا

اُسنے دنیا دار رہکر کار دنیا کا کیا
مرگ دُنیا کر کے بیڑا پار دنیا کا کیا

سب سے اول وہ ہوا اہلِ وطن کا حکمراں | اسلئے کہتے ہیں اُسکو آدناتھ اہلِ جہاں
آشکارا اُسنے کئے غرفاں کے اسرار نہاں | اسلئے برشبھدیو ہے اسم با مسمّیٰ بیگماں

دھرم کا تیر تھ چلایا دھرم کے بھرتار نے
تیر تھنکر نام پایا تیر تھ کے کرتار نے

باقی ہے جبتک درخشاں خاکِ ہندوستان کی | نُور بیگی اُس میں اسکے شفقت و احسان کی
اُسنے اپنی زندگانی ملک پر قربان کی | یوں منائے ہیں جینتی ہم رشبھدیو بھگوان کی

آجتک ہمنے کبھی احساں فراموشی نہ کی
ذکر اُس کا روز و شب کرنے میں خاموشی نہ کی

(※)

ہے کسیکو گر شوقِ جاودانی کی طلب | جاننا لازم ہے اُسکو ہر نتیجہ کا سبب
خود شناسی کا عمل ہے باعثِ عیش و طرب | محویت دنیا کی ہے وجہِ غم و رنج و تعب
وہ سگِ دنیا رہے گا جبکہ ہے دنیا کی لَو
قول سچ ہے "گندم از گندم بروید جَو ز جَو"

ترک ہو جائے جو دل سے اُلفتِ حسنِ مجاز | ذات خود میں محو ہو دنیا سے ہو کر بے نیاز
ہو غرور و غصہ و کبر و ہوس سے احتراز | شمع آسا ہو ریاض و ضبطِ نفسی میں گذار
پھر ازل سے رُوح پر جو میل ہے دُھل جائیگا
اسپہ ہر رازِ حقیقت خود بخود کھُل جائے گا

سلسلہ اعمال کا جب منقطع ہو جائے گا | پھر مکافاتِ عمل کیونکر عمل میں آئے گا
علم و ادراک منکشف ہو کر ضیا دکھلائیگا | طائرِ روحِ رواں کو عرش پہنچائیگا
جس جگہ ہوگا سرورِ دائمی حاصل اُسے
ہر دو عالم میں ملیگا رتبہ کامل اُسے

یوں رشبھ کے وعظ سے مخلوق روشندل ہوئی | دین کا رستہ کھلا۔ لاندہی زائل ہوئی
طے سرِ کیلاش اِسکی آخری منزل ہوئی | روحِ اقدس کو نجاتِ دائمی حاصل ہوئی
ماگھ بدی چودش کو وہ شورو پ شو گامی ہوا
جس کا قائم ہے نشانِ نام نامی ناویا

جب کئے اِس روح نے کچھ کارہائے دلپذیر | جسمِ انسانی ملا دنیا میں ہے جو بے نظیر
نو مہینے تک رہی زندان مادر میں اسیر | غلظت خوں سے بنا اسکا تن و توش و خمیر

کم سنی کھیلوں میں گذری عیش میں کھویا شباب
عہد پیری آتے ہی صحت ہوئی ساری خراب

روح کو جب بیخودی خود سے رہی نسیاں رہی | روز اس جہا سر لئے دہر کی مہماں رہی
جیسے اول سے تھی یوں ہی ہر دو داں رہی | آخیر تک دورِ تناسخ میں بسر گرداں رہی

اِسکو جبتک عشق ہے اِس عالمِ مردود سے
دُور تر ہوتی رہیگی منزلِ مقصود سے

یہ جہاں دار الفنا ہے عالمِ اسباب ہے | جو یہاں شے ہے وہ فانی مثلِ موجِ آب ہے
ذکر اس کا ہے فسانہ۔ سیر اسکی خواب ہے | کس لئے انسان پھر اسکے لئے بیتاب ہے

کیوں تلاش اسکو سرور و دلکی کی ہے یہاں
کیوں ہے اُمید اُسکے ملنے کی نہیں جسکے یہاں

زندگی انسان کی ہے مثلِ اجل مثلِ حباب | ہے قیام مال و دولت صورتِ ریگِ سراب
جاہ و حشمت کا تماشا ہے خیالِ سیر خواب | اِک خمارِ چند روزہ ہے عنفوانِ شباب

ہو زن و فرزند یار و آشنا کی فکر کیا
جسم ہی اپنا نہیں تو غیر کا پھر ذکر کیا؟

مدتوں دوزخ میں جاکر رہتی ہے زار و نزار | گرمی و سردی جہاں ہو بیحساب و بیشمار
نیش زن ہر ذرۂ خاکِ زمیں ہے خونخوار | ہے ہوا مسموم اور جائے رہایش تنگ تمار

پیاس لگتی ہے بہت قطرہ نہیں ملتا مگر
بھوک سے مرتی ہے یک دانہ نہیں آتا نظر

یا کبھی باقی ہے جسمِ کرمک و مور و مگس | زندگی پامال جنکی موت ہے بیداد رس
زیست پائی مرغ و ماہی کی کبھی بے پیش و پس | جان کے لیوار ہے پیش نظر خار و قفس

تن طلا مار و دد و عقرب و زنبور کا
"قتل موذی قبل ایذا" کا عمل جن پر ہوا

قالب حیوانِ دشتی بھی ملا نا خوشگوار | فکرِ روزی اس طرف تھا اُس طرف خوف شکار
غم تنِ جاندار اہلی میں اُٹھائے بے شمار | بوجھ ڈھویا۔ مار کھائی۔ دل حزیں۔ سینہ فگار

آب و خور کے وقت پر ملنے میں دشواری رہی
باِمشقت قید میں جینے سے بیزاری رہی

اتفاقاً روح سے بن آئے اگر کارِ سعید | قدسیان خلد میں اُسکو ملا علیین مزید
یا ہوئی حاصل حیاتِ جن و عمرِ بے پلید | واستانیں جنکی ہیں ناقابل دید و شنید

فرطِ راحت میں اُسے کب فکرِ مستقبل رہی
زیست جنت کی بھی گویا اُسکی لاحاصل رہی

اُسنے فرمایا۔ کہ دنیا ایک اِندرجال ہے | بُھول کا جادو ہے اسمیں خودی کا قال ہے
جو کہ ہیں اہلِ تمیز اُسکے لئے جنجال ہے | چشم و اکو سیر ہیں ثمرۂ اعمال ہے

آکے دنیا میں جو دنیا کا ہی ہوکر رہگیا
وہ مسافر راہ میں ہی کھاکے ٹھوکر رہگیا

جیسے ہر ذی روح کو ہے عیش و راحت کی طلب | ہے بشر کو بھی یونہیں لطف و مسرت کی طلب
لیکن اُسکے واسطے کی مال و دولت کی طلب | غرض شان کی آرزو یا جاہ و حشمت کی طلب

صحبت زن کی تمنا یا ہوس اولاد کی
الغرض جسنے یہاں کی زندگی برباد کی

ہر کوئی سمجھے ہوئے ہے جسم کو ہی ذاتیات | دیدۂ دل سے ہیں اوجھل اُسکے روحانی صفات
انتقال قالبی پر ہے ہمیشہ التفات | جانتا ہے اسکو اپنے آپ کی موت و حیات

ہے جسے جاں سے زیادہ جسم دنیا میں عزیز
ہو اُسے ذات و صفاتِ روح و تن کی کیا تمیز

یہ خیالِ دہر یہ رہتا ہے جب پیشِ نظر | روح پر ذراتِ اضافی کا ہوتا ہے اثر
پھرتی ہے دورِ تناسخ میں اِسی سے سر بسر | حیطہ آفاق میں اسکو نہیں ملتا مفر

جبس و حرکت جامدی تن میں رہتی ہے کبھی
یا نباتی زندگی میں رنج سہتی ہے کبھی

جب ریاضِ کاملہ کی حد پایاں ہوگئی | روحِ پاک۔ اعمال کے جامہ سے عریاں ہوگئی
غلظ ضلی سے مبرا ذاتِ سبحاں ہوگئی | آفتابِ علمِ مطلق سے درخشاں ہوگئی

ضو فگن اُس میں ہوئیں اشکالِ اسرارِ خفی
اُسپہ روشن ہوگیا ہر رازِ اثبات و نفی

مرد و زن آئے وہاں تسلیم و طاعت کیلئے | دیو و جن حاضر ہوئے اُسکی زیارت کیلئے
اہلِ جنت آئے دیدار بدولت کیلئے | اور قدم کروبیوں نے آکے حضرت کیلئے

پردۂ عالم پہ اُو دن یوم احسن ہوگیا
گیارہویں پھاگن بدی کا روز روشن ہوگیا

اب بقیس آیا رشیھ شاہ ولی پیدا ہوا | چشمۂ آبِ حیاتِ سرمدی پیدا ہوا
عالمِ کل۔ کاشفِ رازِ خفی۔ پیدا ہوا | خاک کے پتلے میں نورِ ایزدی پیدا ہوا

اہلِ دنیا لائے تھے ایمان اُسکی ذات پر
ہوگئی ہر بات اُسکی دل میں نقشِ کالحجر

اُسنے ثابت کردیا۔ ہے رنگِ دنیا بے ثبات | نیک و بد افعال خود ہیں باعثِ موت و حیات
وعظ لوگوں کو دیا۔ بتلائے رازِ کائنات | ہر بشر کے واسطے واکردیا بابِ نجات

کورا ایمانی کو عالم سے مٹایا یک قلم
نصب دنیا میں کیا اُسنے اہنسا کا علم

بیچکا ترتیب جب وہ کارِ دنیاوی تمام | اُسنے دیکھا ملک میں ہر سو ہے اطمینان عام
ہاں اگر عشرت پرستی بڑھ رہی ہے صبح و شام | عاقبت سے بیخبر ہیں سب سے اہل انام
منزلِ مقصود سے گم ہو رہے ہیں راہ گیر
انکو راہ راست پر لانا ہے امرِ ناگزیر

اِسنے سوچا ہادی مذہب ہو گر مسند نشیں | اُسکی ردحانی ہدایت پُر اثر ہوتی نہیں
رہنمائے دیں جو خود ہستا ہے نقشِ راہ میں | لوگ کرتے ہیں اُسی کی بات کا دل سے یقیں
یہ خیال آتے ہی فوراً تارک الدنیا ہوا
عیش شاہی چھوڑ کر وہ وادیِ صحرا ہوا

ہو کے یکسو بر رہِ صداقت ہو گیا | ذات خود میں محو جویائے حقیقت ہو گیا
جسم نازک تختۂ مشقِ ریاضت ہو گیا | قلب پاکیزہ سراپا مہر و الفت ہو گیا
خطِ نفسانی سے بے پروا ہوا وہ دیو سار
کر لیا جذبات دنیاوی سے دل آئینہ وار

اُسکو بے آب و خورش چھ چھ مہینے ہو گئے | سوکھ کر کانٹا ہوا اک خوں پسینے ہو گئے
اُسکی پیشانی پہ ویدے بھی نگینے ہو گئے | الغرض پورے ریاضت کے قرینے ہو گئے
کر دیا تن کو فنا روحانیت کے واسطے
نفس کو کشتہ کیا حقانیت کے واسطے

مجلسی آداب کے قائم کئے اسنے اُمور | تاکہ حفظِ امن میں آئے نہ آیندہ فتور
خانہ آبادی کی رسموں کا ہوا اُس سے ظہور | اُسنے لوگوں کو سکھایا خانہ داری کا شعور
جابجا علم و ادب کے مدرسے جاری کئے
ضابطے اسنے بنائے نظمِ قومی کے لئے

بیاہ کرنے کے لئے پرصد ہوئے جب باپ ماں | خود نظیر دینوی بننے کو کیں دو شادیاں
بطن نندا سے ہوا پیدا بھرت شاہِ جہاں | نام سے جسکے ہے بھارت آجتک ہندوستاں
اور سونندا سے ہوئی پیدا یش باہوبلی
حسن بے ہمتا سے تھا جسکے خجل خورشید بھی

اُسنے پھر قائم کیا شاہ و رعیت کا نظام | تاکہ اہلِ ملک کو آساں ہو ملکی اہتمام
تھا اُسے پیشِ نظر امن و رفاہ خاص و عام | وہ کئے احساں کہ ہر اک ہوگیا اُس کا غلام
حکمرانی ملک کی اُسکو ہی کی سب نے پسند
تا نہ ہو اہلِ وطن پر رنج و غم کی دستبرد

جسکو شایاں تھی زمین و آسماں کی سلطنت | ناز اُس پر کرتی تھی ہندوستاں کی سلطنت
مدتوں کی اسنے وہ امن و اماں کی سلطنت | جسکے آگے ماند تھی شاہِ جہاں کی سلطنت
ہند میں چاروں طرف سکھ شانتی کا راج تھا
ملک کے حق میں ترقی حال ہما کا تاج تھا

والی فردوس اک انبوہ لے کر آگیا | ابر ساکت کی طرح شاہی محل پر چھا گیا
میر و پر بچے کو لیکر دل میں خوش ہوتا گیا | حُسن جس کا دیکھ کر حُسن جہاں شرما گیا

چھیر دو ہ کے جل سے بچہ کا ہوں جب ہو چکا
سرخمیدہ ہو کے اسکی سب نے کی مدح و ثنا

قلعۂ شاہی پہ آیا پھر گروہِ قدسیاں | ناچنے گانے لگیں ایوان میں حورانِ جناں
دیکھے رانی کو پھر اُس کا آفتاب دودماں | واپس جنت ہوا کروبیوں کا کارواں

چونکہ خوابِ آخری میں گاؤ نر آیا نظر
اسلئے ماں باپ نے رکھا رشبھ نام پسر

روز و شب بڑھنے لگا مثلِ مہِ نو وہ چند | تھیں ادائیں دلربا۔ انداز اُسکے دلپسند
اُسکا تھا ایثار اعلیٰ۔ حوصلہ اُس کا بلند | جسم تھا مضبوط لیکن قلب پایا دردمند

خوش ہر اک ہوتا تھا اُس کا دیکھ کر حسن و جمال
ہو گیا کچھ ہی دنوں میں نوجواں وہ نونہال

جب سنبھالا ہوش اُسنے ملک دیکھا بیقرار | رہنمائی کو کمر بستہ ہوا مردانہ وار
ملک والوں کو بنایا کشتکار و دستکار | اہلِ سیف و تاجر و اہلِ قلم۔ خدمتگذار

ایک اہلِ فن بنایا۔ دوسرا اہلِ ہنر
یوں بسے اہلِ وطن اُسکی بدولت خوش بسر

صبحدم اُٹھکر گئی وہ نزدِ شاہِ تاجدار | جسنے دی تعظیم سے اُٹھکر بصد عزّ و وقار
پاس مسند پر بٹھاکر پوچھا حالِ اضطرار | خم سرِ تسلیم کرکے یوں ہوئی وہ گلفشاں

اے مرے آقا! یہ بندی اسلیئے دلگیر ہے
خواب جو دیکھے ہیں شب بھر انکی کیا تعبیر ہے

خوابہائے نادرہ کا جب سنا شہ نے بیاں | مسکرایا اپنے دل ہی دلمیں ہوکر شادماں
اور یُوں تعبیر فرمائی کہ اے جانِ جہاں | آپکے فرزند ہوگا تیر تھنکر بیگماں

اِس اُمید افزا سخن میں کوئی رَدّ و کد نہ تھی
وہ ہوئی انکو مسرت جسکی کوئی حد نہ تھی

آس جب بڑھنے لگی کرنے لگے وہ دن شمار | ہو رہا تھا جشنِ تولیدِ پسر کا انتظار
چیت لگتے ہی نویں تاریخ یہ لائی ہوا | نکلا درجِ بطن مردیوی سے دُرِّ شاہوار

جمع مرد و زن ہوئے جشنِ ولادت کے لئے
اہلِ جنت آئے اظہارِ مسرت کے لئے

ہر گلی میں منعقد بزمِ مسرت ہوگئی | بے شبہ کوشش پُوری گلزارِ جنت ہوگئی
شہر کی سج دھج سے حیرت کو بھی حیرت ہوگئی | دیکھکر خیراتِ وافر فرنگ دولت ہوگئی

جھنڈیوں سے کوچہ و بازار سارے سج گئے
نوبتیں در در پہ گھر گھر شادیانے بج گئے

نامور راج اُس وقت تھے اہلِ سخن کے مہنما | آئے تھے جو کشتیِ فطرت کے بن کر ناخدا
انکی مرد یوی تھی رانی زینتِ دولت سرا | جو سراپا حور تھی مجموعۂ حسن و حیا

تھیں اجودھیا میں سونہ کی وہ دونوں ہستیاں
لوگ کہتے تھے جنہیں مہر و وفا کی پتلیاں

بادۂ عشرت میں دونوں سر بسر مخمور تھے | نشۂ جوشِ جوانی میں سراپا چور تھے
شادماں تھے خوش بسر تھے خرم و مسرور تھے | غیرتِ حسنِ پری و رشکِ جن و حور تھے

ہو گئی اِک رات جو راجہ سے رانی فیضیاب
اُنسے دیکھے صبح کا ذوقِ ترتیبِ خواب

فیلِ مست و گاؤ و نر شیر و زنِ نر مہ جبیں | ہالۂ ماہ و ماہِ کامل و مہرِ مبیں
دو خمِ زرّیں و دو ماہی تہِ دریا نشیں | آبگیر و بحر و فوّارہ و سر پر پُر نگیں

اِک جہازِ بادبانی واژگونہ موجود ایک
مخزنِ دُرّ و جواہر شعلۂ بے دُود ایک

بعد ازیں نرگاؤ دیکھا اسنے غراتا ہوا | مستیاں کرتا ہوا اور بلکیاں کھاتا ہوا
جھومتا چلتا ہوا اپنی طرف آتا ہوا | اور منہ کے راستے اندر چلا جاتا ہوا

چونک اُٹھی خواب سے باعث تھا استعجاب کا
مضطرب تھا قلب آنکھوں میں تھا نقشہ خواب کا

اوم

حیاتِ رشبھ

سرزمینِ ہندوستاں کی تھی کبھی جنت نشاں | تھے شجر موجود رشکِ سدرہ و طوبیٰ یہاں
حاجتیں ہوتی ہیں انساں کو جو زیرِ آسماں | بے طلب اُنسے برآتی تھیں وہ ساری بیگماں

ہوتے تھے توام جو اک ماں باپ سے بھائی بہن
رسم یہ تھی وہ ہی ہو جاتے تھے باہم ہر دو زن

دین و دنیا کا تردد ان دنوں کافور تھا | جامِ استغنا سے ہر فردِ بشر مخمور تھا
وہ تنِ آسانی کے ساماں تھے جہاں مسرور تھا | عاقبت کی فکر سے ہر ایک کوسوں دور تھا

رنج دنیا ہی نہ ہو تو کسبِ دیں کا ذکر کیا؟
جب نہیں رہبر کوئی کسکو تلاشِ رہنما

آخرش وہ عہدِ بے فکری ہوا زیر و زبر | ایک اک کر کے مٹے سطحِ زمیں سے سب شجر
فکرِ روزی ہو گیا ہر ایک کو پیشِ نظر | منتظر تھے لوگ پیدا ہو کوئی اہلِ خبر

کسبِ روزی کے طریقے جو کہ سکھلائے انہیں
کاروبارِ دنیوی کی راہ دکھلائے انہیں

پیشکش

زمانہ کے لحاظ سے ایک دورِ عظیم کے افرازی اور نشیبی دو حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک دور نصفی اثرات کے لحاظ سے دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ نشیبی دور نصفی کا پچھلا زمانہ ہے اسکے آغازی تین زمانوں میں جملہ انسانی ضروریات اشجار خیالی کے پھل۔ پھل۔ پتے۔ رس۔ خیال و غیرہ سے از خود پوری ہوتی تھیں اسلئے نہ کوئی تنظیم ملکی تھی نہ کسیکو دینی و دنیاوی کام کرنے کی ضرورت تھی لیکن زمانہ چہارم کے شروع میں جب وہ اشجار زائل ہوگئے۔ تو لوگوں کو سخت پریشانی اور دلگیر تن آسانیوں کی حاجت محسوس ہوئی۔ اس زمانہ اضطراب میں بھگوان رشبھ دیو پیدا ہوئے اور انہوں نے کسب و دی کے طریقے ایجاد کئے اور آئندہ کیلئے حفظ امن کو مدنظر رکھکر اقتصادی و سیاسی و قومی و دینی علمی و عملی نظام قائم کیا۔ ان کاموں سے متاثر ہوکر جینیوں نے انہیں تیرتھنکر اور ویشنوں نے ویشنو کا اوتار تسلیم کرلیا۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس عظیم الشان ہستی کی سوانحعمری سے عوام الناس کا واقف ہونا کسقدر اہمیت رکھتا ہے۔

ہمیں فخر و مسرت ہے کہ ہماری قوم کے سحر بیان شاعر جناب "درخشاں" صاحب بلند شہری نے بھگوان رشبھ دیو کے مختصر حالات زندگی اردو نظم میں لکھکر اس دیرینہ کمی کو کافی حد تک پورا کردیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین اس ٹریکٹ کے مطالعہ سے ضرور مستفید ہونگے۔ اور مصنف کی محنت و قابلیت کی کھلے دل سے داد دینگے۔

امراؤ سنگھ۔ سکرٹری جین مترمنڈل دہلی

ٹریکٹ نمبر ۱۸

حیات رشبھ

مصنفہ

دبیر قوم جناب لالہ بھولا ناتھ صاحب۔ جین۔ درخشان
مختار عدالت بلند شہر

جسکو

جین مترمنڈل دھرم پورہ دہلی

نے

علمی پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع کرا کے
دفتر منڈل سے شائع کیا
فروری سنہ ۱۹۳۱ء

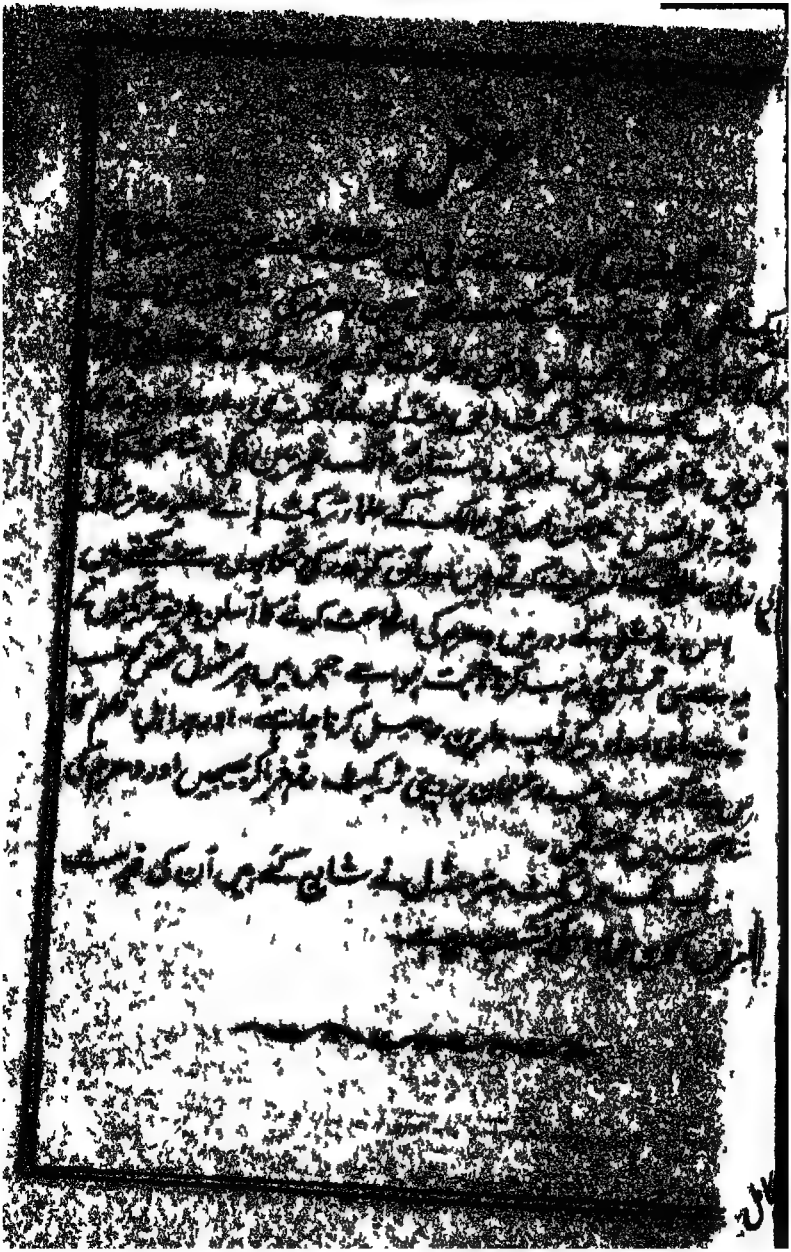

بری اور علوی صفاتِ اربعہ سے معمور ہوگئی ہے عرشِ معلیٰ پر ابدالاباد تک
اقامت گزیں رہیگی ٭

ثنائے تصنیف

نمبر ۳۳۵ الغایت ۳۴۵

نور اب پرماتما پرکاش کا ہو جائیگا — فیض سے یوگیندر کے سب کا بھلا ہو جائیگا
لالہ پارسداس نے اِسکا کرایا ترجمہ — جس سے رازِ سرمدی بانگِ درا ہو جائیگا
یک نظر کرلیگا جو اِس جلوۂ کامل کی سیر — دین دنیا کا حقیقت آشنا ہو جائیگا
خود اُسے ہو جائیگی خود اور خدا کی معرفت — باخدا منکرِ جہاں کا ناخدا ہو جائیگا
درحقیقت روح کیا ہے۔ کیا ہوئی اور کیوں ہوئی — عقدۂ مشکل بآسانی یہ وا ہو جائیگا
عشق دنیا سے لگا ہے جو ہر ذاتی پہ زنگ — ترک کی صیقل سے اب وہ پرضیا ہو جائیگا
جان و دل سے حق شناسی کی ہے جنکو جستجو — جلوۂ کامل انہیں شمس الہدیٰ ہو جائیگا
منزلِ مقصود میں چمکائیگا نقشِ قدم — گمرہانِ راہِ حق کو رہنما ہو جائیگا
خود بخود مٹ جائینگے جذباتِ فاسد کے اثر — ہر بشر اس کے اثر سے پارسا ہو جائیگا
جس کو ہے دامِ تناسخ سے رہائی کا خیال — فیض سے اس کے مسرت انتما ہو جائیگا
جلوۂ کامل کی کرنیں جب دلوں پر چھائینگی — اے درخشاں ابرِ غلت خود فنا ہو جائیگا

تمت بالخیر

ہمہ دان ہو جاتا ہے اور پھر عدم وجود کے واقعات سے آگاہ ہو کر مسرور بالذات بنجاتا ہے۔

نمبر ۳۲۸۔ ہمہ دانی روح کی اصلی صفت ہے۔ جو ہستی اپنی صفت روحانی کو حاصل کر لیتی ہے وہ ہی ذات کامل ہے اور دنیا داروں کے لئے قابل تعظیم ہے۔ کیونکہ اسکی تقلید سے مسرت حاصل ہو سکتی ہے۔

نمبر ۳۲۹۔ افعال ہشتگانہ اور نقائص ہشت دہگانہ جب روح قطعی پاک و بری ہو جاتی ہے تو وہ ذاتِ کامل کہلاتی ہے

توضیح۔ افعال ثانیہ کی تفصیل بیت نمبر ۲۵ کے تحت میں کیجا چکی ہے۔ نقائص ہشت و دہ حسب ذیل ہیں۔

بھوک۔ پیاس۔ رغبت۔ نفرت۔ موت۔ حیات۔ مرض پیری رنج۔ خوف۔ استعجاب۔ پسینہ۔ اضطراب۔ پسندیدگی۔ ناپسندیدگی گرویدگی۔ غرور۔ خواب۔

نمبر ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ جس پاک ہستی کی علوی صفات اربعہ کا انکشاف ہو گیا ہے۔ وہ ہی جلوۂ کامل ہے۔ اور اہلِ تصوف اسی ذاتِ کامل کو اپنی اپنی زبان میں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

نمبر ۳۳۲ و ۳۳۳۔ مراقبۂ ذاتی میں ہمہ تن جذب ہو کر جو روح ذاتِ فعلی سے قطعاً پاک ہو جاتی ہے اور نجاتِ دائمی حاصل کر لیتی ہے اسی کو ذاتِ کامل کہتے ہیں۔ اور وہی پاک ہستی اہلِ عالم کے لئے شمع ہدایت بنکر ان پر احسان کرتی ہے۔

نمبر ۳۳۴۔ وہ ہستی کامل جو موت و حیات سے آزاد۔ چاروں قسم کی زندگیوں سے

نمبر ۳۲۱، ۳۲۲۔ رغبت و نفرت پیدا کرنے والے جملہ قسم کے جذبات زائل کر دینا ہی اصلی مراقبہ ہے۔ اس سے نیک و بد اطوار دور ہو جاتے ہیں۔ اور روح پاک اطوار ہو جاتی ہے۔ پس اگر کوئی درویش سخت ریاضت میں مشغول اور کتب مقدسہ کے مطالعہ میں مصروف رہکر بھی اصلی مراقبہ میں محو نہیں ہوتا تو اسکو امن و استقلال کبھی میسر نہیں آسکتا۔

نمبر ۳۲۳۔ جو درویش جملہ جذبات و خواہشات سے بری ہو کر تصور ذاتی کا عمل تو کرتے ہیں لیکن انضباط ثلاثہ کو اختیار نہیں کرتے۔ وہ ذاتِ کامل سے آشنا نہیں ہوتے۔

توضیح۔ دل کو تخیلات کی پراگندگی سے روکنا انضباط خیال ہے۔ زبان کو یاوہ گوئی سے بچانا انضباط مقال ہے اور جسم کو حرکات عبث سے محتاط رکھنا انضباط فعال ہے۔ ان ہر سہ انضباط کو اختیار کرنے سے مراقبہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

نمبر ۳۲۴ و ۳۲۵۔ جو درویش ذاتِ کامل کے تصور میں محو ہو کر بھی جلوۂ کامل کا نظارہ خود اپنے اندر نہیں دیکھتا۔ دام دنیا سے اُس کے رہا ہونیکی کوئی امید نہیں۔ کیونکہ سلسلہ حیات و ممات مراقبہ اصلی سے ٹوٹ جاتا ہے اور کسی قسم کا جذبہ باقی نہ رہنے سے مراقبہ کے اندر ضوئے کامل پیدا ہو جاتی ہے۔

نمبر ۳۲۶ و ۳۲۷۔ جب کوئی درویش شاہراہ نجات پر گامزن ہو کر جملہ جذبات سے روح کو پاک کر لیتا ہے۔ اور افعال مہلک کے اثراتی ذرات کو روح سے منفک کر دیتا ہے۔ تو وہ

خو ہو جاتا ہے اور دل میں کوئی جذبہ فاسد کی لہر پیدا نہیں ہونے دیتا۔
توضیح۔ وہ سمجھتا ہے کہ۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا زنہار ✦ ہے برا وہ ہی کہ تجکو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے ✦ کیوں برا کہنے سے تو اسکی برا مانتا ہے

نمبر ۳۱۶۔ ادنیٰ و اعلیٰ حسب و نسب کی تفصیلات عرف پاداش عمل پر مبنی ہیں۔ جبتک روح خلد آشیان میں غوطہ زن ہے۔ یہی مد و جزر درپیش رہینگے۔ ان بلیات سے آزاد ہونیکی خواہش جبھی بر آئیگی کہ یہ کشتی معرفت میں سوار ہو کر ساحل نجات پر پہونچ جائے۔

نمبر ۳۱۷۔ بدشعار لوگ عیب جوئی کرنے اور جھوٹے اتہام لگانے میں بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایسا سلوک ہونے پر عارف حقیقی یہ سمجھکر مستقل مزاج رہتا ہے کہ میرا وجود بھی کیسا مبارک ہے کہ بدنصیبوں کے لئے بھی باعث مسرت ہے۔

نمبر ۳۱۸۔ عارف حقیقی عذاب دوزخ سے خوف زدہ ہو کر خواہشات دنیاوی سے اپنے باطن کو پاک کر لیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شہہ برابر بھی خواہش کا ہونا دام تناسخ سے آزاد نہیں ہونے دیگا۔

نمبر ۳۱۹۔ اور تو کیا۔ خواہش نجات کی بھی نکرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات خواہش کرنے سے نہیں ملتی۔ بلکہ خواہشوں کو جو وجہ تناسخ ہیں قطعی دور کر دینے سے ملتی ہے۔

نمبر ۳۲۰۔ جو مراقبہ ذاتی میں مستغرق ہو کر مسرور ہوتا ہے۔ وہی حقیقت شناس ہو جاتا ہے اور اسکی ذات پاک کو نجس کرنے والے ذرات فعلی اسکی روح سے از خود زائل ہو جاتے ہیں۔

نمبر ۳۰ و ۳۱ جسطرح نگینہ سے ٹانک کا وجود جدا ہے اسیطرح نیک و بد جذبات کو بھی روحانیت سے بالکل غیر سمجھنا چاہئے۔ روح اپنے جسم سے بھی بالکل علیحدہ چیز ہے۔ کیونکہ جسم ناپاک ہے اور روح پاک ہے جسم کو ذاتِ خود سمجھنا گویا روح کی ذات پاک کو نجس کرنا ہے۔

نمبر ۳۲ و ۳۳ لغایت ۳۴ جسطرح سرخ کپڑا پہنکر کوئی شخص جسم کو سرخ نہیں سمجھتا اسیطرح اس ناپاک جسم میں رہنے والی روح کو بھی ناپاک نہیں ماننا چاہئے۔ یا جسطرح لباس کے بوسیدہ ہو جانے پر جسم بوسیدہ نہیں سمجھا جاتا۔ اسیطرح جسم کی درماندگی پر روح کو بھی درماندہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ جبکہ لباس کے تلف ہونے پر جسم کا اتلاف نہیں سمجھا جاتا تو جسم کے ضایع ہو جانے پر روح کا ضایع ہو جانا بھی یقین نکرنا چاہئے۔ بلکہ جسطرح لباس جسم سے علیحدہ ایک چیز مانا جاتا ہے اسیطرح جسم کو بھی روح سے بالکل علیحدہ ماننا چاہئے

نمبر ۳۵ تا ۳۷۔ روح کو جسم کے تعلق سے ہی رنج و غم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس لئے جسمانیت روحانیت کی دشمن ہے پس دشمن سے اتفاق نکرنا اور اپنے دشمن کے فنا کرنے کی تدبیریں اختیار کرنا ہی عقلمندی ہے۔

نمبر ۳۸ تا ۴۰ عارفِ حقیقی مکافاتِ عمل کے وقت یہ سوچکر کہ نہیں نصیب! بغیر محنت و ریاضت کے ہی اعمال سابقہ کا طلوع ہو گیا۔ ان کے اجر و ثمر کو نہایت استقلال سے برداشت کرتا ہے۔

نمبر ۴۱ تا ۴۲۔ اگر کوئی بد طینت شخص عارفِ حقیقی کو ناقابلِ برداشت ایذا دینا شروع کرتا ہے۔ تو وہ اپنی صفات روحانی کے تصور میں

مرکزِ بہبود یقین کرتے ہیں وہ ہرگز روشنِ ضمیری حاصل نہیں کر سکتے۔
نمبر ۲۹۰ و ۲۹۱۔ وہی درویش قابلِ تعظیم ہے جو جملہ جذبات و خواہشات سے کشیدہ خاطر ہو کر مساویت پسندی کو اپنا نصب العین بنا لیتا ہے۔ جسکا مقصود اعلیٰ عذاب و ثواب دونوں سے بالاتر ہے۔ اور جو اپنے خانۂ دل کو ظلمتِ کفر و بطلان سے خالی کر کے نورِ عقیدہ سے ضوئے معرفت سے معمور کر لیتا ہے۔
نمبر ۲۹۲ و ۲۹۳۔ جبکہ انفاس کا خروج نتھنوں کی بجائے تالو کے باریک سوراخ سے ہونے لگتا ہے تو وہ جذبات جو علائق دنیاوی کے ساتھ قریبی کمی پیدا کرتے ہیں۔ قطعی دفع ہو جاتے ہیں۔
تشریح۔ دل کو یکسو کرنے کا ایک طریقہ اہل تصوف نے ضبط دم بھی قرار دیا ہے۔ اسکا انتہائی عمل یہ ہوتا ہے کہ سانس کی آمد و رفت نتھنوں کے ذریعہ سے بند ہو کر تالو کے سوراخ سے ہونے لگتی ہے۔ اسوقت دل ایک خاص مرکز پر مستقر ہو جاتا ہے اور اس کے اضطراب و انتشار قطعی معدوم ہو جاتے ہیں۔
قابل مصنف نے اپنے شاگرد پر بھاگ دوڑ کے دریافت کرنے پر دل کو یکسو کرنے کا یہ انتہائی طریقہ بتایا ہے کہ ضبط دم کی مشق کرتے کرتے جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسکا ذکر کیا گیا تو دل کی بیقراری مٹ جاتی ہے۔
نمبر ۲۹۴ و ۲۹۵۔ جو درویش حالتِ مراقبہ میں محو و مبہوت ہو جاتا ہے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اور نفس کی ظاہر آمد و رفت بند ہو جاتی ہے بس یہی درجہ روحانیت کے انکشاف کا ہے۔
نمبر ۲۹۶۔ محض اسوجہ سے روح ابتک اس وادی گیتی میں بھٹکتی پھرتی ہے کہ اس نے جذبات ناقص تخیلات فاسد کو قطعی برطرف کرنے

بھی قطعاً فنا ہو جانا اور اُس کے متعلق خدمات کا کوئی اثر نہ ہونا سمجھنا چاہیئے۔ گویا جسمانیت سے ہی بیزاری ہونی چاہیئے۔ اور یہ اسوقت ممکن ہے کہ جب روح تمام آلائش اعمالی سے پاک ہو کر نجاتِ کامل حاصل کر لیتی ہے گویا کہ ہر روح کا نصب العین نجاتِ کامل ہونا چاہیئے

نمبر ۲۸۵۔ لذاتِ نفسانی کی خواہشات کبھی سیر نہیں ہوتیں اِس لئے اُن کا شعلہ ہر وقت دل کے اندر دہکتا رہتا ہے اس سے بیزار و بے تعلق ہو کر جو شخص کشفِ روحانی کے حصول میں بیخودی اختیار کرتا ہے وہ صبر و سکون کی دولت پاکر مسرت یاب ہو جاتا ہے۔

نمبر ۲۸۶۔ روح صفتاً بے لوث اور بصیر کل ہے۔ لیکن ہمہ دانی کا جوہر اسی وقت دستیاب ہوتا ہے۔ جبکہ تعلقات غیری کا بالکل اندفاع ہو جائے۔

نمبر ۲۸۷۔ جذبات و خواہشات کی ترنگوں سے جس شخص کا دل مضطر و بیقرار نہیں ہوتا۔ وہی یکسوئی سے روحانیت میں محو ہو سکتا ہے اور اسی کے اندر صفاتِ روحانی کا کشف و کمال ظہور میں آنا ممکن ہے۔

نمبر ۲۸۸۔ جو درویش اپنے نفس امارہ کو مغلوب کر کے ذاتِ کامل کے ساتھ تعلق روحانی پیدا نہیں کر سکتا اُس کیلئے معرفت و مراقبہ کی ضابطہ رائی بیکار ہے۔

توضیح۔ قابل مصنف کا منشا یہ ہے کہ ظاہری طور پر معرفت و مراقبہ کی ضابطہ پوری کرنا محض مکاری ہے جبتک دل پر قابو نہ ہوگا۔ سارے عمل بے سود ہیں۔ اصلی معرفت کا حصول نفس امارہ کو زیر کرنے پر منحصر ہے۔ بقول حضرت ذوق ؎

نہ نفس کو جو خاک ہوا کیمیا بنایا + کر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

نمبر ۲۸۹۔ علم و ادراک کے ماخذ (روح) کو چھوڑ کر جو شخص مادی اشیاء میں اپنا

کہ چونکہ بعد مردن تو اس جسم سے کوئی نفع ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا زندگی میں
ہی اسکو مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور وہ تدبیر صرف یہ ہے کہ
اسکی مدد سے مشق ریاضت کیجائے۔ تاکہ روح کو آئندہ زندگی میں راحت و
مسرت نصیب ہو سکے۔ اگر دنیاوی جہالتوں میں پڑکر نہ زندگی میں اس سے
نفع اٹھایا اور نہ بعد مردن اُس سے استفادہ کی کوئی توقع ہے تو گویا
جسم انسانی کا ملنا ہی لاحاصل اور بے سود ہوا۔

نمبر ۲۷۹ و ۲۸۰ جسم انسانی کو صابن غازہ سے ملنا۔ لباس و زیور سے
آراستہ کرنا۔ مقویات و ملذذات سے تر و تازہ رکھنا ایسا ہی بیکار
ہے جیسا کسی کثیف اور فرومایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ یہ
فطرتاً جیسا تعفن انگیز ہے ویسا ہی رہتا ہے۔ اس کی ماہیت
میں کوئی فرق نہیں آتا۔

نمبر ۲۸۱ و ۲۸۲۔ یہ جسم معائب و معاصی کا آلہ کار۔ رنج و غم کا گنجار
اور نجاست و عفونت کا انبار ہے۔ اس کے ساتھ الفت و
محویت کو شرمناک سمجھکر ترک کرنا اور اُس کے اندر چھپی ہوئی
ضیائے روحانی کی ماہیت حاصل کرنا ہی دانشمندی ہے۔

نمبر ۲۸۳ و ۲۸۴۔ جو شخص ذرا بھی حقیقت آشنا ہوتا ہے وہ اپنے
جسم کو ناشائستہ اور ناکارہ سمجھکر اسکی الفت میں محو نہیں ہوتا۔
بلکہ ریاضت کی کوشش سے جسمانی سان پر جوہر روحانیت
کو چمکاتا ہے۔ اور بالآخر جلوۂ نورانی سے مسرور ہو جاتا ہے۔

توضیح۔ موجودہ جسم سے الفت ترک کر دینا ہی اس بیت میں مقصود نہیں
ہے۔ بلکہ کسی خاص زندگی میں خاص جسم کے حاصل کرنے کی خواہش کا

ہے لیکن ذاتِ کامل کی تجلّی اُسے ہنوز نصیب نہیں ہوئی کیونکہ
مرشدانِ کامل کی ہدایات پر اسکو کبھی اعتقاد نہیں ہوا۔
نمبر ۲۷۵۔ جاہل لوگ جسے اپنا گھر سمجھتے ہیں وہ حقیقت میں ایک قیدخانہ
ہے جسکے اندر پڑکر اُسکو اپنے اعمال سابقہ کے عیوض انواع واقسام کے
درد و رنج اور فکر و غم برداشت کرنے پڑتے ہیں۔
نمبر ۲۷۶۔ جبکہ جسم بھی اپنا نہیں ہے جس سے روح کا تعلق وابستہ ہے
تو زن و فرزند۔ دولت و اسباب وغیرہ تو ظاہر ہی اپنے سے جدا
ہیں اُنکو اپنا سمجھکر اُن کی اُلفت میں سہو نہو جانا چاہیے۔
نمبر ۲۷۷۔ اے درویش! روحانیت شناسی سے ہی نجات ہوسکتی ہے
روحانی صفات کا ہی ہردم تصوّر رکھ۔ دیگر اشیاء کے تفکرات میں
پڑکر اپنی منزل سے گمراہ کیوں ہوتا ہے۔
نمبر ۲۷۸۔ جسم انسانی ظاہر ہی ایک مفید شے معلوم ہوتی ہے لیکن
نظرِ حقیقت سے دیکھا جائے تو یہ کوئی کارآمد چیز نہیں ہے۔
یا تو دفن ہوکر خاک ہوجاتا ہے یا جلکر اسکی راکھ بنجاتی ہے۔ اگر
اسے عمل ریاضت کا تختۂ مشق بنایا جائے تو البتہ اُس سے
کچھ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔
توضیح۔ اجسام حیوانی میں کسی کا گوشت یا پوست۔ کسی کے بال و پر یا
شاخ و دندان کسی کی ہڈی یا چربی وغیرہ کچھ نہ کچھ انسان کے لئے
مفید ہیں۔ اجسام نباتی و جمادی بھی انسان کے لئے کارآمد اشیاء ہیں۔
لیکن انسان کا مُردہ جسم کسی طور پر انسان کے کام نہیں آتا۔ اس لئے یا تو
اسکو دفن کردیتے ہیں۔ یا جلا دیتے ہیں۔ قابل مصنف کا اشارہ یہ ہے

اہلیت نہیں ہوتی۔ اِس لئے مجبوری لاحق ہوجاتی ہے۔ قالب خاکی میں
اگر جسمِ حیوانی ملتا ہے تو غور و فکر کیلئے کافی عقل و دانست نہیں ہوتی۔
نہ نفسانیت و روحانیت میں امتیاز پیدا کرنے والی کوئی تعلیم اُسے میسّر
آتی ہے۔ مگر ہاں اگر روح قالبِ انسانی میں آجاتی ہے تو اس میں قدرتاً
یہ اہلیت موجود ہوجاتی ہے۔ کہ مشق ریاضت کرکے نیک و بد اعمالِ
سابقہ کے اثرات سے اپنی ذاتِ خالص کو قطعاً پاک کرسکے۔ پس
قالبِ انسانی کا پانا اِس ورطۂ تناسخ میں ڈوبتے اُچھلتے نزدیک ساحل آپہنچنا
ہے۔ جہاں سے کنارۂ نجات بہت قریب ہے۔ ترکِ ریاضت کی
جست لگا کر کنارے پر پہونچنا ہے تو بہ آسانی پہونچ سکتا ہے۔
اِس بیت میں قائل مصنف کی یہ ہدایت ہے کہ قالب انسانی
ہی روح کے لئے ایسی نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ جس سے وہ نجات پاسکتی
ہے اگر جامہ انسانی میں آکر بھی وہ اِس خاص فائدہ سے اپنے آپ کو
محروم رکھتی ہے۔ تو گویا بحرِ خار کو تیر کر پایاب کنارہ پر ڈوبنا چاہتی ہے۔
نمبر ۲۶۶۔ حواسِ خمسہ کو شترِ بے مہار کی طرح بے قابو نہیں رکھنا چاہیئے
کیونکہ اُنکی آوارگی روح کو ہمیشہ زندانِ تناسخ میں محبوس و مقید رکھتی ہے
نمبر ۲۶۷۔ قلب کی یکسوئی اسوجہ سے ایک امر محال ہے کہ اسکو ہمیشہ سی
لذاتِ حواسی میں آسائش محسوس ہوتی رہی ہے۔ اور اسیطرف
اُسکی رغبت رہتی ہے۔ تجرد و تجنب کے سرور کا اُسکو کبھی احساس
نہیں ہوا۔ اِس لئے دل کا میلان ادھر نہیں ہوتا۔
نمبر ۲۶۸۔ لذات حواسی کی رغبت سے قلب کو روک کر روحانیت کے
تصور میں محو ہوجانا اصلی مراقبہ ہے۔ اور اسی سے جواہر ثلاثہ کا

نمبر ۲۶۲۔ جو کائنات عالم طلوع آفتاب کے وقت نظر آتی ہے۔ غروب کے وقت دکھائی نہیں دیتی۔ جبکہ دنیا کا رنگ اسقدر جلد فنا پذیر ہے تو پھر انسان صفات حقیقی سے گم گشتہ دولت اسباب کے نشہ میں مدہوش ہو کر کیوں زندگی ضائع کرتا ہے۔

نمبر ۲۶۳۔ جس نے جسم انسانی پاکر بھی رازِ حقیقت کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور ترک و ریاضت سے اپنی عاقبت کو راحت بخش نہیں بنایا۔ اُس نے گویا اس شجر جسمی (جسم) کو موجبِ پیری کی خوراک بنا کر اپنی روح کو مندر جہنم کر دیا۔

نمبر ۲۶۴۔ مرشد ان کامل پر اعتقاد لاکر اور انکی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر دنیاوی آسائش اور اُن کے اسباب کی خواہشات کو دل سے قطعی برطرف کر دینا ہی عاقبت اندیشی ہے۔

نمبر ۲۶۵۔ جس شخص نے تزکیہ قلب کر کے اندرونی اور بیرونی ریاضت کی مشق نہیں کی۔ اس نے قالبِ انسانی پاکر بھی کوئی نفع نہیں اُٹھایا۔

توضیح۔ جب کوئی روح اپنے بد اعمال کی پاداش میں قالب ناری پاتی ہے تو اُسے عذاب جہنم اسقدر شدید اور ناقابلِ برداشت سہنے پڑتے ہیں۔ کہ اسکی توجہ روحانیت کی طرف منعطف نہیں ہو سکتی۔ نہ اُس کے دل و دماغ میں روحانیت کا خیال کبھی جنبش کرتا ہے۔ اور جب جزاء کار خیر سے کسی روح کو قالبِ نوری ملتا ہے تو عالمِ بالا میں اُسے راحت و آسائش کے اسباب اسقدر افراط سے میسّر آتے ہیں کہ وہ ان میں ہمہ تن محو ہو جاتی ہے اور اپنی آئندہ بہبود کے خیال کو سہو کر دیتی ہے اگر خوش قسمتی سے کبھی روحانیت کی طرف اُسکی توجہ بھی ہوتی ہے تو اسمیں مشق ریاضت کی

نمبر ۲۵۹۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہر اہلِ نظر ہمیشہ یہ عمل دیکھتا ہے کہ مرنے کے وقت کوئی چیز بھی روح کے ساتھ نہیں جاتی۔ پھر متعلقین و علائق کے ساتھ من و مائی کے خیالات کیوں ہر وقت رہتے جاتے ہیں۔

توضیح۔ افعال کے تین مدارج ہیں۔ اثراتی۔ جذباتی اور حرکاتی۔ یعنی جو ذاتِ فعلی روح سے وابستہ ہیں۔ وہ اپنا کچھ نہ کچھ اثر رکھتے ہیں اس لئے اثراتی کہلاتے ہیں ان کے زیرِ اثر روح کے اندر کچھ جذبات ناشی پیدا ہوتے ہیں انکو افعال جذباتی کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد جب روح کسی قسم کا عمل کرتی ہے تو افعال حرکاتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ افعال جذباتی اور حرکاتی کسی جسم سے تعلق ہوئے بغیر ظہور میں نہیں آتے۔ لیکن افعال اثراتی کا اشتمال روح سے ہو جاتا ہے۔ اور جبتک ان کا مکمل ازالہ نہیں ہوتا وہ روح کے ساتھ رہتے ہیں۔ بس اگر کوئی چیز انتقالِ جسم کے وقت روح کے ساتھ جاتی ہے تو وہ افعال اثراتی ہیں۔ اس کے سوا سب یہیں چھوڑ جانا پڑتا ہے۔ لیکن چونکہ افعال اثراتی بھی روح سے علیحدہ ہو سکتے ہیں اور روح کسی وقت میں خالص بالذات ہو کر بھی جسم کو چھوڑ سکتی ہے۔ اسلئے وہ افعال اثراتی بھی جنس بشری ہیں۔ اور اس انتہائی نقطۂ نگاہ سے مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ روح کے ساتھ کوئی چیز بھی جانیوالی نہیں ہے۔

نمبر ۲۶۰ و ۲۶۱۔ مرشدانِ کامل کے مجسمے۔ انکی ہدایات کے صحیفے۔ رہنمایانِ حقیقت کا وجود اور مقاماتِ مقدسہ کی ہستی۔ یہ سب اگرچہ سکونِ قلبی کے باعث ہیں لیکن عارضی و فانی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ روحِ پاک کے علاوہ ہر رسہ عالم میں جو کچھ موجودات ہیں وہ سب ملک الموت کی غذا ہیں۔

میں من و مائی کے خیالات رکھنا جہالت ہے کیونکہ روح بذاتِ خود
دائم الحیٰ ہے۔ اور باقی یہ تمام فنا پذیر ہیں۔ اُن کے ساتھ اُلفت
ہونا گویا راہِ نجات سے گمراہ ہونا ہے۔ اُن کے ترک سے ہی
حریت دائمی حاصل ہو سکتی ہے۔

نمبر ۲۵۵۔ متعلقین کی خاطر معائب و معاصی کا ارتکاب تو کیا جاتا ہے
لیکن انکی پاداش میں تکالیف و محن تنہا مرتکب کو ہی برداشت
کرنا پڑتی ہیں۔

نمبر ۲۵۶۔ دُنیاوی کاروبار کے سلسلہ میں دوسرے جانداروں پر جسقدر
جور و ستم کئے جاتے ہیں اُنکی سزا اُنکی مقدار سے کئی گونا
بھگتنی پڑتی ہے۔

توضیح۔ ناظرین اسکو محض بیان مہیب نہ سمجھیں بلکہ اسکی واقعیت کا
اندازہ اس سے لگالیں کہ سرکاری عدالتوں میں بھی ایک روپیہ کی چوری
کرنے والے کو سو روپیہ جرمانہ کی سزا ملتی ہے۔

نمبر ۲۵۷۔ دوسرے کی جان کو خطرے میں ڈالنے اور اُنہیں دیگر طور پر ستانے سے
عذابِ دوزخ کا سامنا ہوتا ہے اور دیگر ذی روح کو امن و عافیت
میں رکھنے اور آرام دینے سے سرور و جنت ملتا ہے۔ پس ہر شخص کے
لئے یہ دونوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ آگے اُسکی پسند رہی۔

نمبر ۲۵۸۔ روح پاک کے سوا جسقدر اشیاء اور موجودات ہیں وہ سب
فانی ہیں۔ انکی الفت بھی صرف اعارضی ہونے کی وجہ سے رنج و
کلفت کا باعث ہے۔ اس لئے ان سب کی گرویدگی سے
آزاد ہو کر ذاتِ خود میں محو ہونا ہی عرفان حقیقی ہے۔

مسرتِ کلی - ان افعال کے اثر سے روبہ انکشاف نہیں ہوتیں - بلکہ محجوب و مکسور رہتی ہیں - اس لئے فلسفہ اعمال کی اصطلاح میں ان کو افعال مہلک کہتے ہیں -

(۵) بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن کے اثر سے مختلف قالبوں کی صنعت اور اعضائی ساخت کریہہ و حسین ہوتی ہے - وہ افعال تشکیلی کہلاتے ہیں -

(۶) جن کے اثر سے زندگی کی مدت کا استقرار و تعین ہوتا ہے - وہ افعال حیاتی ہیں -

(۷) جن کے اثر سے اعلیٰ و ادنیٰ حسب و نسب میسر آتے ہیں - وہ فعل تباری کہلاتے ہیں - اور

(۸) جن سے معمولی رنج و خوشی اور تکلیف و آرام کے آثار ظہور میں آتے ہیں انہیں فعل کیفی کہتے ہیں -

اور ان آخری چاروں قسم کے افعال کو اسوجہ سے کہ انکا کوئی اثر صفاتِ روحانی پر نہیں ہوتا - اصطلاح میں غیر مہلک کہتے ہیں -

نمبر ۲۵۱ - دنیاوی مشاغل میں توجاہلانہ مصروف ہوکر ہر شخص آٹھوں قسم کے افعال کا ارتکاب کرتا ہے مگر ان سے نجات پانے کیلئے خود شناسی کی طرف کوئی رجوع نہیں ہوتا -

نمبر ۲۵۲ - جبتک غیر اور خود کا امتیاز ہوکر معرفت حقیقی حاصل نہیں ہوتی - انسان متعلقین و علائق کی الفت میں مبتلا ہوکر ہر قسم کے رنج اٹھاتا ہے -

نمبر ۲۵۳ و ۲۵۴ - مکان و جائداد - خاندان و متعلقین جسم اور دیگر اسباب

نہیں بناتا تو تعجب کی بات ہے۔

نمبر ۲۴۹ و ۲۵۰ - وادی تناسخ میں گردش کرتے ہوئے جو ہر قسم کی تکالیف لاحق ہوتی ہیں اُن سے بچنے کی آسان تدبیر یہی ہے کہ ہشتگانہ ذراتِ فعلی سے روح کو پاک کر لیا جائے یعنی اگر کوئی شخص متواتر رنج والم برداشت کرتے رہنا پسند نہیں کرتا تو وہ ذراتِ فعلی کو جو ہر قسم کی تکالیف کا سبب ہیں - روح سے کیوں مشتمل ہونے دیتا ہے۔

توضیح - جو افعال سرزد ہوتے ہیں اُن کے اثرات کو علماء نے حسب ذیل آٹھ قسموں پر منقسم کیا ہے۔

(۱) کچھ ایسے افعال ہیں جنکے ذرات روح سے مشتمل ہو کر اُس کی ذاتی صفت ہمہ دانی میں حارج ہو جاتے ہیں - اُن کو حاجز البصیرت کہتے ہیں۔

(۲) کچھ ایسے افعال ہیں جنکے ذرات کے اشتمال سے روح کی حقیقت نظری محجوب ہو جاتی ہے - ان کو حاجز العقیدت کہتے ہیں۔

(۳) جن افعال کے اثر سے روح علائق دنیاوی میں محو گرویدہ ہوتی ہے اور وہ ترک و تجرد کی جانب میلان نہیں کرتی - جس سے اسکی عاقبت رو بہ بہبود ہو سکے وہ حاجز الطریقت کہلاتے ہیں۔

(۴) جن ذراتِ فعلی کے اثر سے روح کی مسرور بالذات رہنے کی صفت منکشف نہیں ہوتی - اور مقصد کی کامیابی اور کوششوں کی تاثیر نمکی رہتی ہے وہ حاجز المسرت کہلاتے ہیں۔

چونکہ روح کی ذاتی صفاتِ اربعہ ہمہ دانی - ہمہ بینی حریت کلی و

نمبر ۲۴۵ و ۲۴۶۔ جو ذاتِ کامل رغبت و نفرت کے جذبات سے قطعی پاک ہو چکی ہے اُس کے تصور میں جذب ہو کر اُلفتِ دُنیاوی کو جو تحصیلِ بصیرت کی ہادج ہے ترک کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ مبتلائے اُلفت ہستیاں اسیطرح انواع و اقسام کے رنج و آلام سہتی ہیں جسطرح تیل کے تعلق کی وجہ سے تلوں کو کولھو میں پلنا پڑتا ہے۔

نمبر ۲۴۷۔ وہ شخصیت نہایت مبارک ہے جو کشتیِ معرفت میں سوار ہو کر دریائے شباب کو پار کر جائے۔

توضیح۔ کسی گرگِ جہاں دیدہ کا عالمِ پیری میں جبکہ وہ دُنیا کے ہر گرم و سرد سے سیر ہو چکا ہے اور اُسے دوسری دُنیا کا راستہ ناک کی سیدھ میں دکھائی دے رہا ہے۔ اور مزید عیش پرستی کی قابلیت نہیں رکھتا اس کا بحالتِ مجبوری و معذوری یادِ الٰہی میں مشغول ہو جانا تعریف کی بات نہیں۔ لیکن عین جوانی میں جبکہ دریائے نفسانیت میں لذائذ حواسی کا مدوجذر قدرتاً جوش پر ہوتا ہے۔ کسی شخص کا دل پر اسقدر قابو پانا کہ وہ لذاتِ دُنیاوی اور خواہشاتِ نفسانی سے برگشتہ و بیزار ہو کر حصولِ معرفت میں جذب و غرق ہو جائے۔ بلاشبہ قابلِ آفریں ہے۔

نمبر ۲۴۸۔ جنید شور دیوانے باوجود ایک عظیم الشان حکمراں ہونے کے تمام حشم شہنشاہی کو ترک کر کے نجاتِ ابدی حاصل کی۔ اگر کوئی سگِ دُنیا درویش بے نوائی کی حالت میں بھی لذاتِ نفسانی سے باز نہیں آتا۔ اور حصولِ نجات کو اپنا نصب العین

حقیقت پر غور کرنا اُن کی صفاتِ ذاتی کا اُن کے تعلقات کے اسباب و اثرات کا معرفت حقیقی و حصول روحانیت کے ذرائع کا تصور کرنا تصورِ عرفانی ہے اور کشف و کمال روحانی میں قطعاً محو و سہو ہو جانا۔ اور اپنی روحانیت میں جلوۂ کامل کا نظارہ کرنا تصورِ سبحانی ہے ان ہر دو قسم کے تصورات میں غرق ہونا پانچویں قسم کی ریاضتِ باطنی ہے۔ جسے تصور کہتے ہیں۔

(۶) علائق ظاہری و باطنی کا ترک اور اُن کے ساتھ کسی قسم کی گرویدگی کا نہ ہونا چھٹی قسم کی ریاضت تجرد ہے۔

نمبر ۲۴۲۔ قوتِ باصرہ کی ہوس سے پروانہ۔ قوتِ شامہ کی ہوس سے ہرن۔ قوتِ لامسہ کی ہوس سے ہاتھی۔ قوتِ ذائقہ کی ہوس سے مچھلی۔ قوتِ شامہ کی ہوس سے بھونرے کو جان سے گذرتے دیکھتے ہیں۔ پھر نہ معلوم انسان جو حواس خمسہ کی لذات پر ہر وقت شیفتہ و فریفتہ رہتا ہے۔ کس طرح فنا ہونے سے بری رہ سکیگا۔

نمبر ۲۴۳ و ۲۴۴۔ طمع کا جذبہ قابل ترک ہے۔ طامع شخص کو اس دنیا میں رنج و کلفت سہتے ہوئے بظاہر دیکھتے ہیں۔ جیسے آگ میں تپے ہوئے سونیکو ضرور چوٹیں کھانی پڑتی ہیں۔

توضیح۔ بقول حضرت انشؔ۔

طالب کو اپنی رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار ۔ زر کی طمع سے چھانتی ہیں خاک نیارے

بقول حضرتِ شیخ سعدی

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی

اور اسکی پابندی بجز عنایت کرنا حواس خمسہ اور غلبۂ جذبات کو روکنا اپنے سے زیادہ مستطیع درویشوں کی تعظیم کرنا غیر مستطیع درویشوں کیساتھ منافرت نکرنا۔ ہادیان طریقت کا دل سے ادب کرنا کتب مقدسہ میں اگر کوئی تحریری غلطی ہو اُسے صحیح کر دینا۔ درویشوں کو تنہائی کی جگہ پہنچا دینا اُن کے ساتھ شیریں کلامی سے مُودبانہ گفتگو وغیرہ کرنا دوسری قسم کی باطنی ریاضت **ادب** ہے۔

(۳) ہادیان شریعت۔ فلسفیانِ حقیقت۔ پیروانِ معرفت اور ہمنایانِ صداقت کی وقتِ ضرورت خلوص قلبی سے خدمتگذاری کرنا باطنی ریاضت کی تیسری قسم **خدمت شعاری** ہے۔

(۴) کتبِ مقدسہ کا آموختہ و مطالعہ کرنا دوسروں کو اسکی ہدایت کرنا اقوال و اصول مقدس کے معنی و مطلب دریافت کرنا اور ان پر غور کرنا باطنی ریاضت کی چوتھی قسم **مطالعہ** ہے۔

(۵) علالتِ جسمانی یا نامرغوب شے کے حصول پر متعلقین یا دیگر مرغوب شے کی مفارقت پر۔ بھوک پیاس وغیرہ کی شدت پر موجودہ و آئندہ زندگی کے لئے آرام و آسائش کی تمنا یا گذشتہ زندگی کے اسباب راحت کی یادگاری پر مضطرب ہونا تصور پراگندہ ہے اور دوسرے کی مال و دولت لینے کا خیال۔ دوسرے کو ایذا پہنچانیکا ارادہ۔ جھوٹ بولنے۔ ایذا پہونچانے۔ مال و اسباب فراہم کرنے کاروبار دُنیاوی انجام دینے یا اور ایسے ہی کاموں کے اندر ہمہ تن مشغول رہنے میں مسرت کا احساس تصور ناخندہ ہے۔ اِن دونوں قسم کے تصوراتِ ناقص سے قطعاً پرہیز کرنا اور روح و ماسوائے روح کی

نمبر۳۔ دودھ۔ دہی گھی۔ تیل میٹھا۔ نمک یا چرپرا۔ کڑوا کھٹا میٹھا نمکین کسیلا۔ یہ چھ قسم کے ذائقے ہیں۔ اِن میں سے سب کو یا کبھی کسی کو اور کبھی کسیکو چھوڑ کر ذائقہ کی خواہشات کو کم کرنا اور بے ذائقہ کھانے کو صبر و خوشی سے سیر ہو کر کھا لینا تیسری قسم کی ریاضت ترکِ ذائقہ ہے۔

نمبر۴۔ درویش لوگ جب کھانے کی خواہش سے بستی میں جاتے ہیں تو اپنی قسمت آزمائی کے لئے ایسی شرطیں دل میں قائم کر لیتے ہیں کہ آج اِس قسم کا کھانا یا اِس حالت میں ملیگا تو کھائینگے۔ ورنہ صبر سے واپس چلے آئینگے۔ یہ چوتھی قسم ریاضت کی ہے جسے تناول مشروط کہتے ہیں۔

نمبر۵۔ کھڑے رہکر تصور کرنا ایک کروٹ سے بلا حرکت سونا دوزانو یا چہار زانو استقلال سے بیٹھا رہنا یا اور طرح سے جسمانی حرکتوں کو روک کر دل کو یکسو کرنا۔ پانچویں قسم کی ریاضت محن جسمانی ہے۔

نمبر۶۔ ویرانی بدھنی کی جگہ۔ عورتوں کے رہنے کے مقام اور بغض پرست انسانوں کی گذرگاہ کو درویش سونی بیٹھنے اور تصور کرنے کے لئے استعمال نہیں کرتے ہیں بلکہ قابل ترک سمجھتے ہیں یہ چھٹی قسم کی ریاضت محن جسمانی ہے

ریاضت باطنی کے چھ اقسام یہ ہیں۔

(۱) دورانِ ریاضت میں اگر کسی امر میں بے ضابطگی واقع ہو جائے یا کسی قسم کا نقص آجائے تو اسپر اظہار افسوس کرنا اور اسکی پاداش میں خود کوئی مزید سزا اپنے اوپر ریاضت یا نفس کشی کے متعلق عائد کرنا کفارہ ہے۔

(۲) راسخ العقیدت میں نقص نہ آنے دینا کتب مقدسہ کی ہدایات کو نہ ٹھکرانا

توضیح۔ آب و خورش کا براہ راست اثر جسم کی تر و تازگی پر ہوتا ہے جبکہ درویش اپنے جسم کے ساتھ محبت نہیں رکھتا نہ اس کے بن سنور کی طرف توجہ کرتا ہے۔ تو اس کے نحیف و شحیم ہونے کا کیوں خیال ہونا چاہیئے۔ بلکہ وہ اپنے جسم کو روح کی گاڑی سمجھتا ہے جس کے ذریعہ سے ریاضت کے بارہ مرحلے طے کر کے نجات کی منزل مقصود پر پہونچیگا۔ ہاں جسطرح گاڑی کو اونگھ وغیرہ لگا کر متحرک رکھنا ضروری ہے اسیطرح درویش اپنے جسم کو وقت ضرورت کھانا دیکر قائم رکھتا ہے اسکو بارونق اور تر و تازہ رکھنے سے اسے کوئی خاص نفع نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ممکن ہے کہ جسم کی محبت میں پڑکر اپنی اصلی راہ سے گم ہو جائے۔ بارہ قسم کی ریاضت مذکورہ بالا میں چھ قسم کی ظاہری اور چھ قسم کی باطنی ہے۔ ظاہری اقسام ریاضت حسب ذیل ہیں۔

نمبر۱۔ آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل اور غروب ہونیکے بعد کسی قسم کے کھانے پینے کی اجازت نہیں۔ صرف دن میں ہی ایک مرتبہ دوپہر کو بشرط ضرورت کھایا جا سکتا ہے اگر کوئی مرد درویش دن میں بھی ایکمرتبہ نہ کھائے اور بے کھائے پیئے صبر و قرار کے ساتھ رہ سکے تو یہ اسکی ریاضت ہے جسے روزہ کہتے ہیں۔

نمبر۲۔ ایک مرد درویش کی ایکمرتبہ کی غذا کی مقدار ۳۲ لقمے ہیں اگر ان میں سے کچھ کم لقمے کھا کر وہ صبر و سکوں سے رہ سکتا ہے تو یہ دوسری قسم کی ریاضت ہے جسے کم خوری کہتے ہیں۔ اس سے طبیعت میں سستی اور جسم میں کسل کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ بلکہ تندرستی کا ایک سبب ہے۔

شخص بصیرتِ حقیقی حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شعلۂ افکار دل کو
اپنا مرکز اور جسم کو اپنی خوراک بنا لیتا ہے۔ اور جب دل و جسم دونوں
کسی شخص کے قابو سے باہر ہوں تو روحانیت شناسی کی طرف
رجحان اور ریاضت کی جانب میلان کسطرح ممکن ہے۔

نمبر ۲۳۷۔ جب روح پاک سے جذباتِ فاسد کا تعلق ہو جاتا ہے
تو اسکی وجہ سے روح کو ہی صدمات اٹھانے پڑتے ہیں۔
جسطرح لوہے کو آگ کے ساتھ تعلق جگری پیدا کر لینے پر
ہتوڑوں کی چوٹیں سہنی پڑتی ہیں۔

نمبر ۲۳۸۔ درویش کامل یہ دیکھکر کہ دنیا دی لوازمات میں گرویدہ و
مبتلا ہو کر ہر دنیادار طرح طرح کے رنج و آلام اٹھاتا ہے۔ بجز روحانیت
کے اور کسی شے سے گرویدہ نہیں رہتا۔ بلکہ صفاتِ روحانی کے
تصور میں محو ہو جانے کو ہی وجہ سرور سمجھتا ہے۔

نمبر ۲۳۹۔ جب کسی شخص نے فقیری اختیار کر کے جسم کی غور و پرداخت
چھوڑ دی اور اُس کو جسم مُردہ کی طرح بے رونق کر دیا تو پھر بھیک کے
ٹکڑوں میں ذائقہ تلاش کرنا نہایت شرمناک ہے۔

نمبر ۲۴۰ و ۲۴۱۔ بارہ قسم کی ریاضت کر کے جنت و نجات کی آسودگی
چاہنے والے درویش کو آب و خور کے ساتھ گرویدگی ترک
کر کے اپنی روحانیت میں جذب ہو جانا چاہیئے۔ اگر وہ تر مال
سے آسودہ اور نان خشک سے رنجیدہ ہوتا ہے تو وہ گدھے
کی مانند ایک جانور ہے۔ حقیقت شناس انسان
نہیں ہے۔

حالات میں ہے اصلیت میں نہیں۔ جوہر اصلی کے اعتبار سے اپنی روح کی مانند ہر روح کو سمجھنا جذباتِ فاسد کی پیدائش کو روکتا ہے اور یہی کشفِ بصیرت کی بنیاد ہے۔

باب سوئم

دربیانِ صفاتِ روحانی

نمبر ۲۳۵۔ درویش کامل جو ہمیشہ روحانیت پر نظر رکھتا ہے اشیاء غیر سے ترک تعلق کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ ذاتِ کامل کے تصور میں ہارج ہوتا ہے۔

توضیح۔ روحانیت کے علاوہ جو اشیاء غیر موجود ذاتِ عالم میں ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ظاہری و باطنی۔ جذباتِ نفسانی۔ علائق باطنی کہلاتے ہیں۔ اور جسم استخوانی و دیگر اشیاء دنیاوی چاہے وہ جاندار ہوں یا بیجان علائق ظاہری ہیں۔ چونکہ درویش کامل کا مقصد اپنی روحانیت شناسی ہے۔ اس لئے وہ سب سے اول ہر دو قسم کے علایق سے اپنی گردیدگی ترک کر دیتا ہے۔ بغیر اس کے تصورِ روحانی میں محویت ناممکن ہے۔

نمبر ۲۳۶۔ درویش کامل اشیاء غیر میں من و مائی کے خیالات نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آتشِ افکار سے خرمنِ روحانیت سوخت ہو جاتا ہے۔

توضیح۔ حیات و ممات اور سود و زیان وغیرہ کے تخیلات میں ہرگز کوئی

جذبات پیدا ہونے پاویں۔ بزرگی و خوردی کا خیال چاہے وہ کسی اعتبار سے ہو ضرور جذبات فاسد پیدا کر دیتا ہے۔ اچھی چیز سے رغبت کرنا اور بُری چیز سے نفرت کرنا انسانی طبیعت کا خاصہ ہے۔ لیکن جب اچھی اور بُری ہونے کا خیال ہی پیدا نہوگا تو رغبت و نفرت کا جذبہ بھی ظہور میں نہیں آسکتا۔ اِس لئے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ عارضی اصناف پر نگاہ نہ ڈالکر صفاتِ ذاتی کے اعتبار سے سب کو ایک سمجھنا ہی ہدایت اور حقیقت شناسی ہے۔ جن پاک ہستیوں کو عرفان حقیقی کی طلب ہے وہ ظاہری تفصیلات میں نہ پڑکر مساویت پسندی کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں۔ تاکہ کبھی رغبت و نفرت کے جذبات سے مغلوب نہوں۔

نمبر ۲۳۳ و ۲۳۴۔ ذراتِ فعلی کے اشتراک کی وجہ سے روح کو مختلف قسم کے قالب اور درجے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اور یہ ذراتِ فعلی روحانیت سے قطعی غیر ہیں۔ کیونکہ موقعہ پاکر وہ روح سے جدا ہو جاتے ہیں اسلئے ہر روح کو روحانیت کے لحاظ سے اپنی روح کی مانند سمجھنا ہی دانشمندی ہے۔

توضیح۔ اگرچہ ذراتِ فعلی کا اور روح کا باہمی تعلق لا ابتداء زمانہ سے چلا آتا ہے لیکن خاص ذرات کا تعلق خاص زمانہ میں خاص وجوہات سے ہوتا ہے اور ان کا خاص وقت میں خاص اسباب سے انفکاک بھی ہو جاتا ہے۔ اِس لحاظ سے موجودہ ذرات کا تعلق عارضی ہے۔ اصولاً عارضی سبب کا نتیجہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ اِس لئے اہلیت پر نگاہ رکھنے والے حقیقت شناس عوارضات پر نظر نہیں ڈالتے۔ جو کچھ فرق کسیکو دو روحوں میں نظر آتا ہے وہ محض عارضی اسباب کی وجہ سے عارضی

اعمال کے ہٹ جانے پر ان کا انکشاف ہو سکتا ہے اگر فرق ہے تو صرف اسقدر ہے کہ کسی روح میں صفاتِ ذاتی بالفعل نہیں اور کسی میں بالقوۃ۔ تاہم وجود ذاتی کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نمبر ۲۲۶ و ۲۲۷ جو عارفِ حقیقی روحوں میں تقسیم و تفصیل نہیں کرتا وہ اپنی ذاتِ خاص کے اندر جلوۂ کامل کا نظارہ دیکھتا ہے اور وحدانیت کے تصوّرات میں محو ہو کر نجات پا جاتا ہے۔

نمبر ۲۲۸۔ جو حقیقت شناس ہر روح کی صفت ہمہ دانی و ہمہ بینی یقین کرتا ہے۔ وہ جسمانی ساخت کے تفاوت کے لحاظ سے کسی روح کو دوسرے سے مختلف نہیں سمجھتا۔

نمبر ۲۲۹ و ۲۳۰۔ جو شخص اجسام کی مختلف ساخت کے لحاظ سے روحوں کی تفصیل کرتا ہے وہ روحانیت شناس نہیں کیونکہ لطیف و کثیف اور خوب و زشت اجسام طفلی و پیری کے مدارج۔ امارت و افلاس کے اصناف اعمال سابقہ کے نتیجے ہیں۔

نمبر ۲۳۱ و ۲۳۲۔ بظاہر اس دنیا میں ایک ذی روح دوسرے کا دوست یا دشمن اور یگانہ یا بیگانہ نظر آتا ہے۔ قطع نظر اس کے جو شخص صفاتِ روحانی کے لحاظ سے ان میں وحدانیت کا تصوّر رکھتا ہے وہ عارف ہے۔ اور جو وحدانیت کو نظر انداز کر کے تفصیلات میں پڑ جاتا ہے وہ جاہل ہے۔

توضیح۔ اِن ابیات میں قابل مصنف نے ہر طور پر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ کسی تفصیل میں پڑ کر محبت و نفرت کے خیالات و

کا لحاظ کرتے ہیں۔ عارضی اعزاز کا نہیں۔ اگر کوئی شخص آج بادشاہ ہی تو وہ آج سب سے فوق العزت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کل اگر تخت سے اُتار دیا جائے تو لوگوں کی نگاہ میں اس کا کوئی مرتبہ نہ ہوگا۔ روحانی صفات کے کم و بیش انکشاف کے لحاظ سے بھی بزرگی و خوردی کا خیال ہوتا ہے لیکن یہ زاویہ نگاہ بھی جاہلانہ ہے عرفانِ حقیقی کے متلاشی ہر روح اور ہر ذی روح میں یکساں صفاتِ ذاتی کے وجود کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی تفاوت نہیں مانتے۔

نمبر ۲۲۲ و ۲۲۳۔ جواہر ثلاثہ سے مزین روح تمام روحوں کو صفات ذاتی کے لحاظ سے برابر جانتی ہے انہیں بزرگی و خوردی کا امتیاز جسم کے عرض و طول پر نہیں کرتی۔

نمبر ۲۲۴ و ۲۲۵۔ عالم ارواح صفتاً ہمہ داں۔ دائم الحیٰ اور مساوی الحدود ہونے کی وجہ سے یکساں ہیں۔ جنکی چشم باطن روشن ہو جاتی ہے وہ ہر روح میں حق النظری اور صادق العلمی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

توضیح۔ جو ارواح دور تناسخ میں سرگرداں ہیں اُن میں جسمانی صنعت کا تفاوت بظاہر دکھائی دیتا ہے۔ اُنکی حیثیت اور حالت میں بھی بہت کچھ فرق نظر آتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ان کی ذراتِ فعلی کے ساتھ اشتغال کا نتیجہ ہے چونکہ ذرات فعلی کا روح کے ساتھ اشتغال عارضی ہے اِس لئے اسکا نتیجہ بھی عارضی ہے اور فرق بھی عارضی ہے۔ روشنضمیر ہونے پر کوئی شخص عوارضات پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ذرات فعلی کا تعلق جب اور روحوں سے جُدا ہو جائیگا تو وہ بھی میری طرح روشنضمیر ہو جائیگی۔ ہمہ دانی وغیرہ کے جوہر سب روحوں میں یکساں ہیں۔ پردۂ

نمبر ۲۱۷۔ جس نے علائق دُنیا سے ترک و تجرد کر کے سر کے بال بھی نوچ پھینکے ہیں اگر اسکی طبیعت شمہ برابر بھی کسی دُنیاوی شے سے گرویدہ رہگئی تو اُس نے خود اپنے ساتھ دھوکا کیا۔

توضیح۔ ظاہر و باطن کا یکساں نہونا ریاکاری اور مکاری کہلاتی ہے اگر کوئی شخص ظاہر اطور پر دُنیا کو ترک کر دیتا ہے لیکن باطن میں اسکی گرویدگی کسی شے سے بنی رہتی ہے۔ تو اس کے لئے ترکِ دُنیا بیکار ہے اُس کے اِس عمل کو اہلِ دانش مکاری سے منسوب کرتے ہیں۔ قابل مصنف کی ہدایت یہ ہے کہ جو شخص ظاہر اطور پر ترک دنیا کرتا ہے اُس کو کسی شے کے ساتھ باطن میں بھی گرویدگی نہیں رکھنا چاہئے۔

نمبر ۲۱۸۔ جو شخص لذاتِ نفسانی اور اسباب دنیاوی کو ترک کر کے بھی اُن کے دلدادہ رہتے ہیں۔ یا پھر اُن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ نہایت ذلیل ہستیاں ہیں کیونکہ وہ قے کر کے نگلتے ہیں۔

نمبر ۲۱۹۔ جو شخص دنیاوی جاہ و اعزاز اور شہرت و آسائش کیلئے ذاتِ کامل کا تصور چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ ناعاقبت اندیشی سے اپنی زندگی تلف کرتے ہیں۔

نمبر ۲۲۰ و ۲۲۱۔ جو شخص اسباب ظاہری کی افزونی کو اپنی بزرگی کا باعث سمجھتے ہیں وہ عاقبت اندیش نہیں ہیں۔ کیونکہ عارف کی نگاہ میں صفاتِ ذاتی کے اعتبار سے سب روح مساوی ہیں۔ ان میں خوردی و بزرگی کا خیال کرنا بھی جہالت ہے۔

توضیح۔ جو لوگ دُنیا دار ہیں وہ اسباب ظاہری کے اعتبار سے کسی کو بڑا اور کسی کو چھوٹا تصور کرتے ہیں لیکن حقیقت شناس صرف صفاتِ ذاتی

درویش صورت ہو ان دونوں میں بہت بڑا تفاوت ہے
کیونکہ اول الذکر اپنی جسمانیت اور نفسانیت کو روحانیت سے
غیر سمجھکر ان پر فریفتہ نہیں ہوتا۔ لیکن آخر الذکر اپنی شان ظاہری
پر ہی شیفتہ رہتا ہے اور اسی کو اپنی بہبود کا باعث یقین کرتا ہے
نمبر ۲۱۴ و ۲۱۵۔ جاہل آدمی اصول دین کی پابندی اس تمنا سے کرتا ہے کہ
اسکو دنیاوی جاہ و حشمت اور عیش و راحت نصیب ہو۔ لیکن
مرد عارف بندگی سے برہا ہو کر نجات ابدی پانے کی کوشش کرتا
ہے اور نیز یہ کہ جاہل شخص اسباب ظاہری اور افراد متعلقین کی
افزونی سے خوش ہوتا ہے لیکن مرد عارف انکو وبال زندگی
سمجھتا ہے۔
نمبر ۲۱۶۔ اجتماع کتب مقدسہ۔ ہجوم شاگردان اور وجود لوازمات درویشوں
کے دل میں فریفتگی کا جذبہ پیدا کر کے گمراہ کر دیتے ہیں۔ اسوجہ
سے قابل ترک ہیں۔
توضیح۔ یہ درویش کی ابتدائی شان ہے کہ اس کے پاس مطالعہ کرنیکے
لئے کتب مقدسہ کا انبار رہتا ہے۔ اس سے تعلیم پانے کیلئے شاگردوں کا
گروہ حلقہ بگوش رہتا ہے اور ان کو اپنی ضروریات کیلئے کشکول (کمنڈل)
اور مورچھل (مرچھی) وغیرہ اپنے پاس رکھنے پڑتے ہیں۔ لیکن انتہائی درجہ پر
پہونچکر ان چیزوں کی اسے حاجت نہیں رہتی۔ اور وہ ان تمام اشیاء کو
گردیدگی کا باعث سمجھکر ترک کر دیتا ہے۔ ہوائے ذات کامل میں جذبیت
کے اور کوئی شغل اسکو نہیں رہتا۔ اسی نقطہ نگاہ سے قابل مصنف نے
ان چیزوں کو طالبِ ترک قرار دیا ہے۔

توضیح۔ ہادیان راہِ نجات نے کتب مقدسہ کے اندر جا بجا یہ تعلیم دی ہے کہ دنیاوی دلدگی سے دستکش ہو کر محو روحانیت ہو جانے سے ہی نجات ابدی حاصل ہوگی اگر اس ہدایت پر کوئی شخص کاربند نہیں ہوتا۔ اور جذباتِ نفسانی سے تزکیہ قلب نہیں کرتا۔ تو زیارتیں کرنے سے ذاتِ کامل کی تجلی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مقامات مقدسہ کی زیارت کا اصول تو محض یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر خانگی کاروبار سے فرصت ملجاتی ہے سوائے تزکیہ قلب کے اور کوئی مشغل میسر و میسّر کا نہیں ہوتا۔ کتب مقدسہ کے مطالعہ کا اور رازِ حقیقی کے مسائل پر کافی غور کرنے کا موقعہ ہوتا ہے نیز علمائے دین اور مرشدانِ طریقت کی صحبت کا فیض بھی حاصل ہونا ممکن ہے۔ اس لئے بہبود عاقبت کی امید جو زیارت سے وابستہ ہے لیکن بغیر تزکیہ قلب کے محض زیارت سے حصول روحانیت کی امید رکھنا عبث ہے۔ وہ زیارت نہیں بلکہ سیاحت ہے۔ زمین کی پیمائش کرنا روحانیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ جلوہ کامل کوئی ایسی محسوس چیز نہیں ہے۔ جو کسی خاص مقام پر نظر آجائیگی اور اس سے شرفِ مقبولیت آناً فاناً حاصل ہو جائیگا۔ وہ تو خود اپنے کل خود اپنے باطن میں مخفی ہے۔ جو نفسانیت کا پردہ ہٹ جانے پر خود منور ہو جاتی ہے۔ اس تنویر حقیقی کے لئے محض صفائی قلب درکار ہے خواہ وہ مکان کے اندر ہو سکے یا جنگل میں۔ ریاضت کے ذریعہ سے ہو یا زیارت سے۔ یہ فروعات ہیں۔ ان پر توجہ کرنا دانشوری نہیں ہے۔ بلکہ اصل اصول پر نظر رکھنا ہی عقلمندی ہے۔

نمبر ۱۲۱۔ کوئی راسخ الاعتقاد درویش سیرت ہو اور کوئی ضعیف الاعتقاد

جبتک ذاتِ کامل کی صفاتِ حقیقی سے آشنا نہیں ہوتا قیدِ تناسخ سے رہائی نہیں پاسکتا۔

نمبر ۲۱۰۔ عالم العلوم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص جذباتِ نفسانی سے مغلوب رہتا ہے تو اُسے اپنے اندر کبھی ذاتِ کامل کا جلوہ نظر نہیں آتا۔

نمبر ۲۱۱۔ اِس عالمِ آفاق میں کسی شے کی ماہیئت کامل حاصل کرنے کا بیرونی ذریعہ صرف کتب مقدسہ ہیں۔ ان پر عبور حاصل کرکے بھی اگر کسی کو خود شناسی کا جوہر نصیب نہیں ہوتا۔ تو اُسے جاہلِ مطلق ہی سمجھنا چاہیئے۔

توضیح۔ جن کے اندر تھوڑی بہت جھلک۔ روحانیت کی پیدا ہو جاتی ہے وہ رہنمایانِ طریقت کی ہدایت کو جو انہوں نے اپنے ذاتی تجربہ سے کتب مقدسہ میں تحریر کی ہیں۔ سمجھکر اور اُن پر غور کرکے اپنی ذاتی صفات سے آشنا ہو جاتا ہے اور اُن کے انکشاف میں لانے کی تدابیر اختیار کرتا ہے لیکن جو شخص جہل مرکب ہیں جنکی روحانی طاقتیں سلب ہو گئی ہیں اور روحانیت کو اُن کی نفسانیت نے مغلوب کر رکھا ہے وہ چاہے جسقدر کتب مقدسہ کا مطالعہ کریں اور چاہے جسقدر دنیاوی علم کے ماہر ہو جائیں خود شناسی کی طرف اُن کا رجحان بھی نہیں ہوتا۔ وہ مثل اُس گدھے کے ہوتے ہیں جس پر کتابوں کا انبار لدا ہوا ہے۔

نمبر ۲۱۲۔ کتب مقدسہ کا عالم ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اُن پر عمل نہیں کرتا۔ یا وہ مقامات مقدس کی زیارتیں تو کرتا پھرے اور جذباتِ نفسانی سے دل کو پاک نہ کرے اُسے جلوہ کامل کہیں دکھائی نہ دیگا۔

کرتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ذراتِ فعلی جب طالع ہوتے ہیں تو اُن کے مطابق رنج و خوشی کے عارضی اسباب رونما ہو جاتے ہیں - اگر اُن کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کر لیا جاتا ہے اور ان کے احساس سے کوئی خاص جنبش قلب و روح میں نہیں ہوتی اور رغبت و نفرت کا کوئی جذبہ ظہور میں نہیں آتا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سابقہ ذراتِ فعلی طلوع ہونے کے بعد فنا ہو جائینگے - روح سے آئندہ مشتعل نہ رہینگے اور کسی قسم کی حرکت نہ ہونیکی وجہ سے نئے ذراتِ فعلی کا روح سے اشتعال نہ ہوگا - گویا روح جزواً پاک ہو جائیگی - برخلاف اِس کے اعمالِ سابقہ کی طلعت پر واویلا و آہ و زاری کرنے سے سابقہ ذراتِ فعلی سے بھی جو اپنا اثر دکھا کر ضرور دفع ہو جائینگے - زیادہ نئے افعال و حرکات کے ذرات روح سے پیوست ہو جائینگے - اِس امر کو سمجھ کر ہر شخص کو ہر وقت محتاط رہنا چاہیئے -

نمبر ۲۸ - کتب مقدسہ کا مطالعہ کرنے سے بہت کچھ علمِ روحانی حاصل ہو جاتا ہے اور اُن کی ہدایات کے بموجب اُن پر عمل پیرا ہونے والا شخص علائق دنیاوی سے ایک حد تک بیزار اور بے لوث ہو جاتا ہے - لیکن جبتک شمہ برابر بھی گرویدگی بنی رہتی ہے اُسے بصیرتِ کامل حاصل نہیں ہوتی -

توضیح - ذراتِ فعلی جو روح کی ذات پاک سے مشتعل ہوتے ہیں اُن میں چند اِس قسم کے ہوتے ہیں جو روحانی صفات راسخ الاعتقادی اور صادق البصیرت کے انکشاف کو روکتے ہیں - جبتک تھوڑی بہت علائق دنیا سے گرویدگی بنی رہتی ہے - روحانی صفات سے مکمل طور پر پردہ نہیں ہٹتا - اِس لئے ضوئے روحانی کامل طور پر انکشاف پذیر نہیں ہوتی -

نمبر ۲۹ - کوئی شخص کتب مقدسہ کا عالم اور آدابِ ریاضت کا ماہر

بس اسی علمِ روحانی کو بصیرت کہتے ہیں۔

نمبر ۲۰۴ و ۲۰۵۔ علوی صفاتِ اربعہ کا مجموعہ روحانیت ہے۔ اہل انشرح کے نزدیک وہی ذاتِ کامل کا جلوہ ہے اس روحانیت کے علاوہ اہلِ بصیرت کو اور کسی شے کے اندر محویت نہیں ہوتی جیسے اہلِ نظر یاقوت والماس کو چھوڑ کر کانچ کے ٹکڑوں پر نگاہ نہیں کرتے۔

توضیح۔ ہمہ دانی۔ ہمہ بینی۔ قدرتِ مطلق۔ اور مسرتِ کامل یہ اعلیٰ پایہ کی چار صفات ہیں جنکا مجسمہ روح ہے۔ ان کے علاوہ اور روحانیت کوئی شے نہیں ہے۔ جن پاک نفس ہستیوں کی یہ صفات روحانی منکشف ہوجاتی ہیں اُن میں نفسانیت کا شائبہ نہیں رہتا۔ بلکہ اُن کی ذات مقدس خالص روحانیت کا پیکر بنجاتی ہے۔ جن شخصوں کو اپنی بہبود عاقبت مدِ نظر ہے وہ تمام مافیہات سے قطع نظر کرکے انہیں صفات کے حصول کو یا روحانیت کے انکشاف کو اپنا نقطۂ نگاہ بنالیتے ہیں۔ اور اسی مقصود ذہنی میں ہمہ تن محو و مستغرق ہوجاتے ہیں۔

نمبر ۲۰۶ و ۲۰۷۔ اعمالِ سابقہ کا ثمرہ پانے کے وقت جس کے دل میں رغبت و نفرت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے وہ اور زیادہ اعمال کی کڑی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے اور جو شخص اطمینان اور صبر کے ساتھ رنج و کلفت سہہ لیتا ہے وہ نئے اعمال کی زد سے بچا رہتا ہے۔ اور سابقہ اعمال کے اثرات سے اپنی روح کو پاک کرلیتا ہے۔

توضیح۔ جب کسی قسم کا کوئی عمل کیا جاتا ہے تو اُس کے مطابق ذراتِ فعلی روح سے مشتمل ہوتے ہیں۔ اسبابِ بیرونی یا امتدادِ زمانہ کے لحاظ سے روح اِن ذراتِ فعلی کے زیرِ اثر آتی ہے۔ اور مکافاتِ عمل برداشت

ایک صورت سمجھنا چاہیئے جبتک کہ چشم بصیرت وانہیں ہوتی

توضیح ۔ محض علم باطن یا ہیئت روحانی سے چشم بصیرت روشن نہیں ہوتی ۔ تا وقتیکہ اعتقاد راسخ و واثق نہو اسی خیال سے قابل مصنف نے اس کے اندر یہ راز پوشیدہ رکھا ہے ۔ اور یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ راسخ الاعتقادی کے ساتھ جب حقیقت عالم سے واقفیت ہو جائے تب ریاضت کا لطف ہے ۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہ سمجھنے چاہئیں کہ ریاضت کی ابتدائی مشق چھوڑ دیجائے دنیاوی جنجال میں پھنسے ہوئے شخص کو تو اعتقاد مستحکم کرنے اور بصیرت روحانی حاصل کرنے کا بہت کم موقعہ ہوگا ۔ اس لئے ریاضت کے ابتدائی مرحلے ترک و تجرد ۔ بے علائقی و بے لوثی ۔ نفس کشی ۔ تصور ۔ تصوف وغیرہ کی مشاقی قائم کرنا چاہیئے ۔ اسی دوران میں عقیدت و بصیرت کی استواری ممکن ہے

نمبر ۲۰۳ ۔ جس علم و دانش کے بڑھنے پر روحانیت کے متضاد و متغایر خواہشات المضاعف ہو جائیں وہ بصیرت نہیں ہے کیونکہ آفتاب بصیرت نہیں ہے کیونکہ آفتاب بصیرت کے روشن ہو جانے پر خانۂ دل میں جذبات نفسانی کا اندھیرا باقی نہیں رہ سکتا ۔

توضیح ۔ ہر قسم کے علم و دانش کو بصیرت نہیں کہتے ۔ ہندی ۔ سنسکرت ۔ انگریزی اردو ۔ ریاضی ۔ سائنس ۔ حکمت و فلسفہ وغیرہ میں ماہر ہو جانے پر بھی کوئی شخص اہل بصیرت نہیں کہلاتا ۔ کیونکہ ان علوم کی روشنی میں نفسانیت کی ظلمت دونوں پہلو بہ پہلو دیکھی جاتی ہیں ۔ لیکن واقعات عالم اور کائنات گیتی کی اصل حقیقت جانکر اسپر سچا عقیدہ قائم کرنے سے جو روح کے اندر علمیت کا نور چمکتا ہے وہ جذبات کی سیاہی کو دفع کر دیتا ہے

توضیح - اگر خیالات میں پاکیزگی نہیں ہے تو مقاماتِ مقدس کی زیارت اور ذکاۃ و ریاضت کا عمل محض نمائشی ہے - اِس سے روحانیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا - مگر ہاں! اگر خیالاتِ فاسد اور جذباتِ ناقص کے اثرات سے قلب پاک اور مجلی ہو جائے تو حصول روحانیت کی جانب اُس کی رجوعیت ضرور ہو سکتی ہے -

نمبر ۱۹۸ - عبادت - زیارت - ریاضت وغیرہ نیک اطوار ہیں - خواہشات حاسی و جذبات قلبی وغیرہ بد اطوار ہیں - اور اِن دونوں سے روح کا بے لوث ہو جانا پاک اطواری ہے - اِسی آخری درجہ میں پہونچکر بندہ عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے

نمبر ۱۹۹ - خیرات و ذکاۃ کے آخر میں عشرتِ حاسی کے ساز و سامان کی فراہمی ہوتی ہے - اور ترکِ ریاضت کے ثمر میں عالمِ بالا کی راحت و حشمت میسّر آتی ہے - لیکن پاک اطواری سے سرور و ائی حاصل ہو جاتا ہے -

نمبر ۲۰۰ - جنکو تعارفِ روحانی ہو گیا ہے وہی بصیرتِ کامل سے مستفیض ہوتے ہیں اور جو عرفانِ روحانیت سے بے بہرہ ہیں وہ وادیِ آفاق میں منزلِ مقصود کی بھٹکے ہوئے پھرتے ہیں -

نمبر ۲۰۱ - چشمِ بصیرت کے روشن ہوئے بغیر محض ریاضت و مشقت یا ظاہری شکل و صورت سے گوہرِ مقصود دستیاب نہیں ہو سکتا جسطرح پانی کے متھنے سے گھی نہیں نکل سکتا -

نمبر ۲۰۲ - اشیاء دنیوی یا ہیئت مادی سے واقفیت اور کتبِ مقدسہ سے ماہیئت ہو جانے پر بھی ریاضت کو مشقت جسمانی کی

اسپر غور کرنا پشیمان ہونا اور آہ وزاری کرنا تضرع ہے۔ اس کے بعد یہ عہد کرنا کہ آئندہ اس قسم کی غلطی کا کبھی بھول کر بھی ارتکاب نہ ہوگا توبہ ہے اور اس غلطی کے عیوض کوئی جبرہ تشدد بطور سزا کے اپنے اوپر عائد کرنا کفارہ ہے

نمبر ۱۹۳ جس شخص کا اپنی نفسانیت پر قابو نہیں ہے اس کے خیالات میں عبادت، تضرع، توبہ و کفارہ کے قرینے سے پورا کرنے پر بھی پاکیزگی نہیں آسکتی اس سے ریاضت ہوئی، اس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

توضیح۔ زمانہ گذشتہ میں جو لذات نفسانی حاصل ہوئیں انکو وقتاً فوقتاً یاد کرنا یا زمانہ حال کی لذاتِ نفسانی کو دلفریب سمجھنا اور فرحت بخش جانکر ان میں محو ہونا یا زمانہ آئندہ میں بھی لذاتِ نفسانی کے حصول کی تمنا کرنا نفسانیت ہے۔ جو وقت انسان کے خیالات پر نفسانیت غلبہ پاتی ہے۔ روحانیت کا خیال پرواز کر جاتا ہے۔ اور پھر اس سے عبادت ریاضت، صلوٰۃ و زکات کوئی کار خیر بن نہیں آتا۔

نمبر ۱۹۴ جو شخص محو روحانیت ہو جاتا ہے۔ اور خواہشات حاسی اور جذباتِ قلبی پر قابو پالیتا ہے۔ اسی کو روشنضمیری کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور وہی بندعمل سے رستگاری کا مستحق ہے۔

نمبر ۱۹۵ و ۱۹۶۔ تمام جذبات غیری سے رہا ہو کر فنافی الذات ہو جانا ہی روحانیت ہے۔ اور یہی تناسخ عالم سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ بغیر اس کے سرور دائمی ہرگز میسر نہیں آسکتا۔

نمبر ۱۹۷۔ کوئی شخص چاہے جس جگہ جائے اور چاہے جو عمل کرے لیکن بلا تزکیہ قلب روحانیت شناسی کی اسکو تعداد بھی پیدا نہیں ہو سکتی

توضیح۔ قابل مصنف کا یہ بیان ملاحت انگیز بھی عرفان حقیقی کے طالب کیلئے انتہائی نقطہ نگاہ سے ہے معمولی دنیا داروں سے جو کامل ترک و تجرد کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس بیان کا اطلاق نہیں ہے۔

نمبر ۱۸۸ و ۱۸۹۔ راسخ العقیدت کے ساتھ ذات کامل کا تصور۔ کتب مقدسہ کا مطالعہ اور بنہایان صادق کا ادب و لحاظ کرنا۔ نجات کا فوری سبب نہیں ہے مگر ہاں بنیادی سبب ضرور ہے اور ان سے نفرت و پرہیز کرنا عذاب النار کا باعث ہے۔

توضیح۔ جبوقت تک کوئی شخص نیک خیالات اور نیک امور میں مصروف رہتا ہے۔ خیالات فاسد کا دورہ اس کے دل میں نہیں ہوتا۔ اسواسطے ان خیالات و امورات کو نیک انجام کہا گیا ہے لیکن محض اتنے سے ہی نجات نہیں ہوسکتی۔

نمبر ۱۹۰۔ کارہائے عذاب کے اثر سے حیوانی و جہنمی قالب ملتا ہے اور کارہائے ثواب کے اثر سے عیش جنانی حاصل ہوتا ہے۔ عذاب و ثواب کے مشترک ثمرہ سے انسانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اور عذاب و ثواب دونوں کے مٹ جانے پر نجات ابدی ہوجاتی ہے۔

نمبر ۱۹۱ و ۱۹۲۔ عبادت و تضرع اور توبہ و کفارہ سے تزکیہ قلب ہوتا ہے۔ جو منزل نجات کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ لیکن عابد کامل اس عمل کو بھی اپنے لئے کچھ زیادہ نفع بخش نہیں سمجھتا۔

توضیح۔ معبود حقیقی کی صفات کا تصور کرنا اسکی ہدایات کا ذہن نشین کرنا اور ہادیان طریقت کی ہدایات پر عمل کرنا سچی عبادت ہے۔ ان میں سے کسی عمل میں سہو۔ بے احتیاطی یا ارادے سے کوئی غلطی ہوجائے تو تنہائی میں

سہنا ہے۔ بہرحال دونوں حالتیں تناسخ کے اصناف ہیں۔ اور نجات اسبابِ تناسخ کے زائل ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ طالبِ نجات نیک عملی و بدعملی دونوں کو یکساں طور پر تناسخ کا سبب اور نجات کا مزاحم سمجھکر قابلِ ترک قرار دیتا ہے۔ اور خالص روحانیت میں ہی محو و مستغرق ہوجانیکی طرف رجوع کرتا ہے

نمبر ۱۸۳ و ۱۸۴۔ جن عذابوں سے خوف زدہ ہوکر کسی شخص کو نجات پانے کی فکر دامنگیر ہوجائے۔ اور وہ بدکرداریوں کو چھوڑکر نیکی کا راستہ اختیار کرلے۔ وہ گنہگاری بھی اچھی ہے۔ برخلاف اِس کے اگر کارہائے ثواب کے ثمرہ میں حکومت و حشمت پاکر کوئی شخص بدکرداریوں میں مبتلا و مصروف ہوجائے تو وہ نیک عملی بھی بُری ہے۔

نمبر ۱۸۵ و ۱۸۶۔ راسخ العقیدت حاصل کرنے کی کوشش میں لقمۂ اجل ہوجانا بہتر ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ ضعیف الاعتقادی ہوتی ہوئی عیش و راحت میسر آئے کیونکہ راسخ العقیدت سے انسان کی آئندہ فلاح و بہبود وابستہ ہے اور ضعیف الاعتقادی سے عاقبت خراب ہوتی ہے۔

نمبر ۱۸۷۔ کارہائے ثواب اور خوش عملی سے دولت حاصل ہوتی ہے۔ دولت سے تکبر پیدا ہوجاتا ہے۔ تکبر سے عقل میں فتور آجاتا ہے اور فتورِ عقل سے بدکرداریوں کی طرف رجحان ہوتا ہے اور بدعملیاں آئندہ سخت مصائب و تکلیفات کا سبب بنجاتی ہیں۔ اِس لئے نیک اعمالی بھی قابلِ ترک ہے۔

نہیں لاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ جانتا ہے کہ ان چیزوں کا روحانیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

نمبر ۱۷۹۔ عارفِ کامل قبول وحصول اور ترک و تجرد کے متعلق جذبات فاسد کا شکار نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ان خیالات کو بھی نیک و بد اعمال کا آفریندہ سمجھتا ہے۔ نہ کہ حقیقی روحانیت کا باعث۔

توضیح۔ اس بیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خوش کرداریوں کو اختیار کرنا اور بدکرداریوں سے پرہیز کرنا بیکار ہے۔ لیکن دنیاداروں کے لئے یہ ابتدائی اطوار ہیں۔ انتہائی نظر سے روحانیت میں محو ہو جانے والے اشخاص کارہائے عذاب و ثواب کی جانب بھی متوجہ نہیں ہوتے۔

نمبر ۱۸۰۔ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ نجات روح کی صفت بالذات ہے اور بند عمل روح کا جذبہ بالغیر ہے۔ وہی عذاب و ثواب کے چکر میں رہتا ہے۔

نمبر ۱۸۱۔ جو شخص یہ یقین نہیں کرتا کہ صادق العقیدت صادق البصیرت اور صادق الطریقت مجموعی طور پر ہی اصلی روحانیت ہے۔ وہی نیک اعمالی کو اختیار اور بداعمالی کو ترک کرنا باعثِ نجات سمجھتا ہے۔

نمبر ۱۸۲۔ جو شخص نیک و بداعمال کو یکساں نہیں سمجھتا۔ وہ ہمیشہ دورِ تناسخ میں گردش کرتا اور مصائب اٹھاتا ہے۔

توضیح۔ اس بیت میں مصنف نے یہ راز مخفی کیا ہے کہ اصولاً نیک اعمالی کا ثمرہ دنیا کے اعلیٰ طبقات میں یا عالم جنات میں پیدا ہو کر دنیاوی و جسمانی عیش و راحت۔ جاہ و حشمت۔ مال و دولت کا میسر آنا ہے۔ اور بداعمالی کا نتیجہ ادنیٰ طبقات دنیاوی یا گیہان جہنی میں رنج و کلفت

توضیح۔ حواسِ خمسہ کی خواہشات سے پاک ہو کر ترک و تجرد کی حالت میں استغراق روحانی کو مساویت پسندی کہتے ہیں۔ کیونکہ انسان اسی حالت میں پہونچکر فقیر و شاہ۔ خاک اکسیر۔ ہجو و ثنا۔ شادی و غم اور نیک و بد سب کو یکساں تصور کرنے لگتا ہے۔ اس کو کسی کے ساتھ رغبت ہونے کا جذبہ دل میں آتا ہے۔ نہ کسی سے نفرت کا خیال ہوتا ہے

نمبر ۱۷۵۔ جب کوئی درویش بہ اطمینان کلی اور بہ قرار واقعی محو ریاضت ہو جاتا ہے۔ تو اصلی مسرتِ روحانی کو خود ہی محسوس کرتا ہے۔ اس احساس کے لئے نہ تو درس و تدریس کے مشغلہ کی ضرورت ہے۔ نہ ہجو گوئی یا شکر گذاری کا موقعہ درکار ہے۔

نمبر ۱۷۶۔ عارفِ کامل کے دل میں علایق اندرونی و بیرونی کے ساتھ فریفتگی کا خیال بھی نہیں آتا۔ کیونکہ وہ ان سب کو صفاتِ روحانی سے جدا تصور کرتا ہے

توضیح۔ بطلان۔ شہوت۔ پسندیدگی۔ ناپسندیدگی۔ مذاق۔ گرویدگی۔ بیزاری۔ رنج۔ خوف۔ کراہیت۔ غصہ۔ غرور۔ مکر اور طمع یہ چودہ قسم کے جذبات باطنی علایق اندرونی کہلاتے ہیں۔ اور جائداد۔ مکان۔ مویشی۔ سواری۔ زیورات دولت۔ غلہ۔ ملازمان۔ ظروف اور پارچہ جات یہ دس قسم کے اسباب ظاہری علایق بیرونی کہلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ فریفتگی کے خیالات روحانیت کے قطعی متغائر ہیں۔ اس لئے عارف کامل ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ بلکہ حصولِ روحانیت میں مستغرق ہونکو ہی سود مند یقین کرتا ہے۔

نمبر ۱۷۷ و ۱۷۸۔ عارف کامل حواسِ خمسہ کی سیر کرنے والی اشیاء کے ساتھ یا خوب و زشت جسمانی صفت سے رغبت و نفرت کا جذبہ دل میں

یہ بالیقین جان لیتا ہے کہ حصول روحانیت کا جادۂ مستقیم کیا ہے اسلئے وہ اہل عالم کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ میں صحیح راستہ پر ہوں تم میری تقلید کرو تاکہ تم بھی میری طرح منزل مقصود پر پہونچ جاؤ۔ اس کے خیال و یقین سے وہ لوگ جو کثافت روحانی سے پاک ہو کر شاہراہ نجات پر گامزن ہیں بہتر ہیں اور وہ دنیا دار جو بیکار اور بیفائدہ نیکی بد اعمال کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور گہرے گہرے پھنسے چلے جاتے ہیں۔ اسکی دانست میں اچھی حالت میں نہیں ہیں۔

نمبر ۱۷۳۔ جب اہل عالم کے لئے رات ہوتی ہے تو درویش کیلئے وہ جاگنے کا وقت ہے۔ اور جو وقت کہ اہل عالم کی بیداری کا ہے تب درویش سوتا ہے۔

توضیح۔ جبکہ دنیا کے لوگ کفر و بدعقیدت کی ظلمات میں پڑے ہوتے ہیں۔ درویش کامل کی روشن ضمیری کا آفتاب نصف النہار پر ہوتا ہے۔ اور چار دانگ عالم میں روشنی پھیلاتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا دار لوگ دنیاوی جد و جہد میں کوشاں و سرگرداں پھرتے ہیں۔ لیکن درویش دنیاوی جاہ و حشم کی جانب سے آنکھ بند کئے رہتا ہے۔ قابل مصنف نے دن اور رات کی جو تشبیہ اس بیت میں دی ہے۔ اس سے یہی مضمون مترشح ہوتا ہے۔

نمبر ۱۷۴۔ عارف کامل روح اور سوائے روح میں امتیاز کرتا ہے لیکن مساویت پسندی کے سوائے اور کسی قسم کا جذبہ دل میں نہیں رکھتا اسی وجہ سے وہ نجات ابدی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مساوات پسندی اسکی چشم بصیرت کو روشن کر دیتی ہے۔

بنا دینا عیب اور نقص کی بات ہے۔ ان دونوں عیوب سے کسی درویش کامل کو نسبت دینا اسکی صریح ہجو ہے۔ لیکن قابل مصنف نے اس ہجو آمیز طرز کلام میں ایک باریک۔ مدحت خیز ملاحت کو پوشیدہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ روح سے ذرات فعلی اور جذبات نفسانی کا جو تعلق قدیم سے چلا آتا ہے اسکو درویش کامل فنافی الذات ہوکر زائل کرنے لگتا ہے۔ اور اس کے کشف و کمال کو دیکھکر اہل عالم اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ اور مجنونانہ اسکی تقلید کو اپنی بہبود عاقبت کا باعث سمجھنے لگتے ہیں۔ گویا درویش کامل کے ذات پاک میں اس قسم کے دو سحر سامری پیدا ہوجاتے ہیں۔

نمبر ۱۷۱۔ جو درویش کامل عادتاً محو ریاضت رہتا ہے اس کے اندر یہ نقص آجاتا ہے کہ اپنے دشمنوں کی طرف سے بے پروا ہوکر خود امن و مفر کا محتاج رہتا ہے۔

توضیح۔ اس بیت میں قابل مصنف کا طرز کلام ہجو ملیح کے انداز میں ہے۔ صل، مطلب اس بیت کا یہ ہے کہ جذبات نفسانی جو کشف روحانی کے دشمن ہیں اُن کی کوئی پروا محو ریاضت ہستی کو نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکو یہ دھن سوار رہتی ہے کہ جسقدر جلد ممکن ہو اُن تمام بلیات سے درگذر کرکے نجات ابدی حاصل کرلے جو ایک پُر امن اور پُر سکون کیفیت ہے۔

نمبر ۱۷۲۔ جو درویش کامل فنافی الذات ہوجاتا ہے اسمیں خود ستائی کا عیب آجاتا ہے اور وہ اور لوگوں کو اپنے سے حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

توضیح۔ اگرچہ دنیا میں اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا اپنی تعریف کرنا اور دیگر دنیا داروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا تحت معیوب ہے لیکن اس ہجو میں ملاحت یہ ہے کہ درویش کامل فنافی الذات ہوکر اپنے ذاتی تجربہ کی

غیری کی آمد و آورد کا انسداد کلی کر دیتا ہے اور بند ہائے سابقہ کا ازالہ از خود ہوتا رہتا ہے۔

نمبر ۱۶۵ و ۱۶۶۔ خود شناس مرتاض کامل اعمال سابقہ کے اثرات کو زائل کرتا ہے اور تازہ بند عمل کا تخمیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکی ذات سے نفسانی روحانی جذبات و علائق دور ہو جاتے ہیں۔ یہ کمال اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۱۶۷ و ۱۶۸۔ عارف روحانیت کو طمانیت کلی حاصل ہونا ضبط نفسی اور ابن الدنیا کا جذبات طبعی کے زیر اثر رہنا نفس پرستی کہلاتی ہے [illegible] اشیاء دنیا کے ساتھ گرویدگی اور وابستگی پیدا کرنے والے افکار و تخیلات کو دور کرنے سے جو کوئی روح نفسانیت سے پاک ہو جاتی ہے تو اسکو وہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جس سے امید رغبت و نفرت کے خیالات سے لغزش نہیں آتی۔

نمبر ۱۶۹۔ عارف کامل قابل قبول روحانیت اور قابل ترک نفسانیت میں امتیاز کر کے جذبات نفسانی کو ترک اور صفات روحانی کو حاصل کرتا ہے اور بالآخر تقدس مآب روحانیت میں جذب ہو کر اس دار المحن میں ہی مسرت نصیب ہو جاتا ہے۔

نمبر ۱۷۰۔ جو درویش کامل رغبت و نفرت کے خیالات سے پاک ہو کر مساوات پسند ہو جاتا ہے اس کے اندر دو نقص پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے تعلقات قدیمی کو زائل کرنے لگتا ہے اور دوسرا یہ کہ وہ دنیا کو مجنون بنا دیتا ہے۔

توضیح۔ دستور دنیا کے مطابق پرانے تعلقات کا مٹانا اور دوسرے لوگوں کو باؤلا

توضیح - سامی نجات کیلئے صادق العقیدت ایک امر ناگزیر ہے۔ اور معرفت روحانی صادق العقیدت کا جوہر ہے جو کسی حالت میں قابل فروگذاشت نہیں لیکن قابل مصنف نے اس کو پس پشت رکھکر اور سوائے روح اشیاء کی ماہیت کو مقدم قرار دیکر اپنی بلاغت کا ثبوت دیا ہے۔ جب کسی شخص کو سوائے روح کا علم اس طور پر ہو جائیگا کہ کل اشیاء روح کے علاوہ عالم موجودات میں ہے جسکی صفات روحانیت کے متغائر ہیں اور جس کے تعلق سے روح کو آلام دنیا برداشت کرنے پڑتے ہیں تو اسے روح کی ذاتی صفات اور اصل حقیقت خود بخود دریافت ہو جائیگی۔ ماوراء اس کے جو دیگر اشیاء ہیں وہ تو چشم ظاہری سے نظر آسکتی ہیں۔ لیکن چند سوائے روح عناصری ایسے غیر متشکل و بے جسامت، وارالوجود میں ہیں جو محض تصور باطنی سے ہی ذہن نشین ہو سکتے ہیں پس تصور باطنی کو حقیقت عناصر سے چسپاں کرنا حقیقت بینی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اسی کے ورد اور عشق سے چشم بصیرت وا ہوتی ہے جس سے منازل نجات کی شاہراہ دکھائی پڑتی ہے۔

نمبر ۱۶۱ - روح کو کسی شے کا علم حقیقی حق النظری کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی شے کو بہر طور دیکھ لینے پر ہی اسکی تفصیلات و خصوصیات بساط فہم پر شکل پذیر ہوتی ہیں۔ اور علم حقیقی میں کسی قسم کے شک و شبہ وہم و گمان اور حرص و ہوا کا دخل نہیں ہوتا۔

نمبر ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ - جو روحانیت شناس تارک الدنیا مراقبہ روحانی میں جذب ہو کر دنیاوی راحت و کلفت کو مساویت پسندی سے بلا کسی خیال ملال کے برداشت کرتا ہے اور علائق ظاہری و باطنی کو ترک کر کے محو ریاضت ہو جاتا ہے وہی نیک و بد جذبات

ہے۔ بلا کسی حرص و وہم اور اشتباہ کے حقیقی ماہیّت حاصل کر لینا صادق البصیرت ہے جو روح کا بالخاصیت جوہر ہے۔

توضیح۔ عناصر ستہ میں وجودیت بھی ایک جوہر ہے۔ جس کا کسی صورت اور کسی حالت میں انعدام نہیں ہوتا۔ ظہور و بقاء فنا عوارض ہیں۔ جن سے کوئی عنصر کسی حالت میں خالی نہیں رہتا۔ بس عنصر کی تعریف یہ ہے کہ جس شے کے اندر جوہر پائے جاویں۔

نمبر ۱۵۶۔ صادق البصیرت ہونے پر روح سوائی روح کی عنصری ماہیت کا حاصل ہونا اور صادق العقیدت کی وجہ سے ان کو وہبی یقین لانا اور بعد ازاں جملہ جذبات و تعلقات غیری کو ترک کر کے روحانیت میں غرق ہو جانا صادق الطریقت ہے۔

نمبر ۱۵۷ و ۱۵۸۔ وہ شخص جواہر ثلاثہ کا متمنی کہلانے اور نجات پانیکا مستحق ہے۔ جو کسب روحانیت میں مصروف ہو کر دیگر اشیائے عالم سے اپنا ظاہری و باطنی تعلق ترک کر دیتا ہے اور جواہر ثلاثہ کے حصول کو ہی روحانیت یقین کر کے ان کی یافت و دریافت میں محو ہو جاتا ہے۔

نمبر ۱۵۹۔ جو شخص اپنی روح کو صفات اربعہ (ہمہ دانی۔ ہمہ بینی۔ طاقت کل مسرت کل) سے متصف اور تعلقات غیری سے پاک سمجھ کر اسی کے تصور میں انہماک رکھتا ہے وہی یقیناً نجات ابدی حاصل کر لیتا ہے۔

نمبر ۱۶۰۔ سوائے روح اشیاء کی ماہیّت صادق العقیدت کے لئے معرفت روحانی سے بھی مقدم ہے۔

نمبر ۱۵۱۔ جملہ عناصر کی موجودگی خلائے آبلو میں پائی جاتی ہے۔ جہانکہ یہ سب عناصر ایک دوسرے سے مخلوط واقع ہیں۔ مگر اپنی اپنی جوہریت کے اندر فرداً فرداً قائم رہتے ہیں۔ ایک عنصر دوسرے کی جوہریت میں ممتزج نہیں ہو جاتا ہے۔

نمبر ۱۵۲۔ روح کو باقی پانچ عناصر کے تعلقات جنسی۔ جنتی۔ حیوانی و انسانی چاروں قسم کی زندگیوں میں لئے پھرتے ہیں۔ جبتک اُن کی باہمی واسطہ داری رہتی ہے۔ روح تناسخ سے نجات نہیں پاتی۔

توضیح۔ مادہ کے تعلق سے یہی روح مختلف قالب اختیار کرتی ہے۔ جذبات کا پیدا ہونا بھی تعلق مادی کا نتیجہ ہے۔ عناصر امتزاجی و استقراری کے تعلق سے روح کے اندر حرکت و سکون کا عمل رہتا ہے۔ خلا کے تعلق سے اُس کو سمانے کے لئے جگہ ملتی ہے۔ اور وقت کے تعلق سے اُس کی جسامت و ہیئت۔ سیرت و عادت میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بس اسیطرح پر عناصر کے تعلقات تناسخ روح کا سبب ہیں۔

نمبر ۱۵۳۔ روح کو چاہئے کہ بقیہ پانچ عناصر کو اپنے سے غیر سمجھکر اُن کے تعلقات سے جو آلام و شدائد کا سبب ہیں سبکدوش ہو کر اپنے وجود و صفات میں محو و مستغرق ہو جائے یہی حصول نجات کا سیدھا راستہ ہے

نمبر ۱۵۴۔ ان تمام عناصر کی تفصیلات کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے اُن پر پختہ اعتقاد جمالینا صادق العقیدت ہے۔ ایسا ہو جانے پر یعنے صادق العقیدت کے بعد حقیقت عنصری سے بکمال واقفیت اور اُس کے مطابق صادق العملی حصول نجات کا ذریعہ ہے۔

نمبر ۱۵۵۔ ان جملہ عناصر کے متعلق جنکا وجود عالم موجودات میں ازلی و ابدی

اور استقراری و خلا احد التعداد ہیں۔ لیکن اپنے حدود میں لاتجزی ہیں
نمبر ۱۴۹۔ روح اور مادہ اِن دو عناصر میں سکون و حرکت کی تو بتیں ہیں
باقی چار عناصر میں سکون و حرکت کا کوئی عمل نہیں ہے اہل بصیرت
نے ایسا ہی تحقیق کیا ہے۔

توضیح۔ روح میں سکون و حرکت کا عمل صرف اِس لحاظ سے کہا ہے کہ جب تک
کوئی روح دورِ تناسخ میں ہے اور اُس کے ساتھ لطیف و کثیف
ذراتِ فعلی کا اشتراک ہے۔ اِس کے اثر سے روح میں حرکت و سکون کا
عمل موجود ہے۔ لیکن جب روح ذرات فعلی کے اشتراک و امتزاج سے
قطعی پاک ہو کر نجات پا جاتی ہے تو عرش معلیٰ پر پہونچکر جس حالت
میں قرار پائی ہے اسی حالت میں رہتی ہے۔ پھر اس کے اندر فتن و ماذن
کا عمل نہیں رہتا۔

نمبر ۱۵۰۔ استخراجی و استقراری اور روح اِن تین عناصر کی حدود بیشمار
ہیں۔ خلا کی حدود بے انتہا ہیں۔ مادہ کی حدود چند قسم کی ہیں۔
یعنی مادی ذرات منفرداً واحد الحدود ہیں اور اُن کے جمود
قابلِ شمار ناقابلِ شمار اور بے انتہا حدود والے ہیں۔

توضیح۔ ذرہ مادہ کا وہ چھوٹے سے چھوٹا حصّہ ہے جس کے اجزا نہیں
ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی لاتجزا شے کی حدود بھی واحد ہی ہو سکتی ہیں
لیکن اُن کا جمود مختلف قسم کا ہو سکتا ہے اگر چند قابلِ شمار ذرات کا
مجموعہ کوئی جمود ہے تو اُس کے حدود قابلِ شمار ہونے چاہئیں۔ اگر
ناقابلِ شمار تعداد کے ذرات کا مجموعہ کوئی جمود ہے تو اسکی حدود ناقابل
شمار ہونگی اور اسیطرح بے انتہا ذرات کے جمود کی حدود بھی بے انتہا سمجھنی چاہئیں۔

والوں کی تیج سرائی کرنا اور اُن کے ساتھ دلی ارادت کا اظہار کرنا۔
نازِ بیجا ۸ قسم۔ نازِ حسب۔ نازِ نسب۔ نازِ دولت۔ نازِ حشمت۔ نازِ قوت
نازِ علم۔ نازِ حسن۔ نازِ ریاضت۔
بدعقیدت ۸ قسم۔ اشتباہ۔ آرزو۔ نفرت۔ نادانی۔ غیبت۔ بے اعتنائی
(گمراہانِ دین کی جانب سے) بے سلوکی (ہم مذہب لوگوں کے ساتھ) عدمِ
اشاعت (اقوال و مراسمِ دینی کی)۔
نمبر ۱۴۲ و ۱۴۳۔ یہ عناصر ستہ جن سے لا ابتدا زمانہ سے عالم کا لا انتہا
وجود ہے۔ جان لینے کے قابل ہیں۔ اُن میں ایک روح ہے جو
مدرک ہے۔ اور روح کے علاوہ پانچ اور یعنی مادہ کشش استخراجی
کشش استقرائی وقت اور خلا ہیں۔ جو غیر مدرک ہے لیکن
یہ چھیوں اپنے اپنے وجود میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔
نمبر ۱۴۴ و ۱۴۵۔ روح غیر منشکل۔ ہمہ تن بصیرت۔ مسرور بالذات
دائم الحیٰ۔ اور تقدس مآب جوہر ہے۔ اور مادہ ایک منشکل و
مجسم جوہر ہے۔
نمبر ۱۴۶ و ۱۴۷۔ دھرم یعنی کشش استخراجی اور ادھرم یعنی کشش استقراری
ایسے عنصر ہیں جو مچھلی کو پانی اور مسافر کو سایہ کی طرح چلنے اور
اور ٹھیرنے کی کشش کرتے ہیں۔ خلا وہ عنصر ہے جس کے اندر
تمام عناصر سمائے ہوئے ہیں۔ اور وقت ایک ایسا عنصر بالوجود
ہے جس کے اثر سے تمام عناصر اپنی شکل و ہیئت میں تبدیلی
اختیار کرتے رہتے ہیں۔
نمبر ۱۴۸۔ روح۔ مادہ اور وقت یہ تین عنصر کثیر التعداد ہیں۔ دیگر عناصر استخراجی

توضیح۔ اکثر مرشدان متقدمین کی رائے میں ارکان سبعہ عقیدت و ماہیت ہی صادق العقیدت کہلاتی ہے لیکن اس بیت میں قابل مصنف نے عناصر ستہ (روح۔ مادہ۔ کشش ہائے استخراجی و استقراری وقت و خلا) کی حقیقت شناسی کو صادق العقیدت بتلایا ہے۔ بظاہر ناموں کی وجہ سے کچھ فرق معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ روح اور سوائے روح کی اصلیت سے واقفیت اور اُن کے تعلقات کا پیدا ہونا اور دور ہو جانا ہی ارکان سبعہ کے مصدر ہیں۔ عناصر ستہ میں بھی روح کے علاوہ باقی پانچ عناصر سوائے روح کی تفصیل ہیں۔ پس ہر دو اصول کے مطابق اول روح اور سوائے روح کی اصلیت سے دانست ہونا چاہیئے۔ اور پختہ یقین ہونا چاہیئے کہ تمام موجودات عالم کا وجود روح اور سوائے روح کے تعلقات باہمی ہونے اور نہونے کا نتیجہ ہے۔ انہی دونوں کے تعلقات کا وجود دنیاوی زندگی کا باعث ہے اور اُن کی واسطہ داری کا عدم حیات جاودانی کا سبب ہے۔ ایسا سمجھ لینا یقین کر لینا صادق العقیدت ہے۔ معمولی طریقہ پر تو ہر اُمر اور ہر شے کی نسبت دلی یقین کر لینا عقیدت کہلاتی ہے لیکن صادق العقیدت کے یہ معنی ہیں کہ یقین میں کسی قسم کا نقص باقی نہ رہے۔ عقیدہ کے اندر لغزش پیدا کرنے والے پچیس نقص ہیں۔ جن سے بچنا چاہیئے اور وہ یہ ہیں۔

نوٹ۔ کور ایمانی ۳ قسم۔ گمراہی ۹ قسم۔ نازیبا ۸ قسم۔ بدعقیدت ۸ قسم۔

کور ایمانی ۳ قسم۔ معبود حقیقی۔ کتب مقدسہ اور رہنمائے صادق کی تحقیق و تصدیق کئے بغیر جانے جیسے بطور معبود و کتب مقدسہ و رہنمائے صادق ایمان لے آنا۔

گمراہی ۹ قسم۔ معبود حقیقی و کتب مقدسہ اور رہنمائے صادق کے علاوہ جو معبود و کتب مقدسہ و رہنمائے کور ایمانی سے مانے جاتے ہیں۔ ان کی اور اُن کے ماننے

ان جواہر ثلاثہ کا جو صفاتِ روحانی ہیں۔ ایک دم کسی روح کے اندر جلوہ نما ہونا ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

توضیح۔ بالبداہت تو ان صفاتِ ثلاثہ کا انکشاف باعثِ نجات ہے لیکن چونکہ یہ صفات روحانی ہیں۔ محض اُن کے انکشاف پر نجات ہوتی ہے اس لئے فی الحقیقت روح خود ہی اپنی نجات کا باعث ہے۔

نمبر ۱۳۹۔ جو حقیقت بیں شخصیت اپنی چشمِ باطن سے روحانیت کے جوہر کو دیکھتی ہے اور علمِ ذاتی سے اپنی ذاتِ خالص کی ماہیت حاصل کر لیتی ہے۔ اور اسی کے ہموار عمل پیرا ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی نجات کا باعث بنجاتی ہے۔

نمبر ۱۴۰۔ صادق العقیدت۔ صادق البصیرت اور صادق الطریقت اِن جواہر ثلاثہ کی بدیہی تعریفات کو ہمیشہ مدِنظر رکھنے اور اُن کے جان لینے سے اُنکی حقیقی معنیوں میں بالوضاحت ماہیت ہوجاتی ہے۔

توضیح۔ ارکان سبعہ (روح۔ غیر روح۔ آمد عمل۔ بند عمل۔ انسداد عمل۔ ازالہ عمل اور نجات) کا یقین کتب مقدسہ کے ذریعہ سے ان کا علم اور بدکرداریوں سے پرہیز کرنا جواہر ثلاثہ کی بدیہی تعریفات ہیں اور اُن کی حقیقت شناسی معرفت حقیقی کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ جسطرح بمقابلہ کثیف کے صاف کپڑے پر زیادہ خوشنا رنگ چڑھتا ہے۔ اسیطرح جواہر ثلاثہ کی ابتدائی شناخت ہوجانے پر روح جلد حقیقت آشنا ہوجاتی ہے۔

نمبر ۱۴۱۔ عناصر ستہ کی اصل حقیقت کو جانکر یہ عقیدہ کرنا کہ عالم سہ گانہ کا وجود اُن کی ہی تحلیل و ترکیب کا نتیجہ ہے۔ صادق العقیدت یا حق النظری ہے۔

پاکر عرش معلیٰ پر جلوہ افروز رہتی ہیں۔ اگر مقام نجات کی مسرت میں
کوئی لغزش ہوتی یا اسمیں کلفت کا شمہ بھی ہوتا تو ہمہ دان ہستیاں
جو ہر شے کی اصلیت سے آگاہ ہو جاتی ہیں وہاں اقامت پذیر نہ ہوتیں
توضیح۔ نجات یابندگان ارواح کے ساتھ کوئی ذرات فعلی ایسے لگے نہیں رہجاتے ہیں
جو اُن کیلئے باعثِ کلفت ہو سکیں بلکہ وہ مسرور بالذات ہستیاں جہاں
کہیں رہتی ہیں وہ مقام بھی دارالسرور کہلاتا ہے۔
نمبر ۱۳۴۔ دنیا میں جسقدر عظیم ہستیاں تر تھنکر چکرورتی بلدیو یا سدیو مہادیو
کامدیو وغیرہ ہو گذری ہیں وہ سب ہی کامل رستگاری اور نجات ابدی
کے درپے رہی ہیں۔ پس حالتِ رستگاری کے بہترین ہونے کی
یہ بدیہی دلیل ہے۔
نمبر ۱۳۵۔ بڑے بڑے مرشد و مرتاض اور فقرائے کامل وامِ دُنیا سے رستگاری
کے ہی متمنی اور آرزومند ہیں اور اسی حالت کو مسرت بخش یقین کرتے
ہیں اس لئے ہر شخص کو جو سرور دائمی کا خواہشمند ہے حصول نجات کا
کوشاں رہنا چاہیئے۔
نمبر ۱۳۶۔ آلائش اعمال سے صاف ہو کر جلوۂ کامل سے روح کا معمور
ہو جانا ہی نجات ہے۔ اسی ایوان نجات کے در سے جو ٹکے
ہوئے (لو لگائے ہوئے) ہیں وہ درویش و درآویز کہلاتے ہیں۔
نمبر ۱۳۷۔ روح مقدس کی صفاتِ اربعہ۔ ہمہ دانی۔ ہمہ بینی۔ ہستبرگ نیرو و
بزرگ خرمی میں بعد حصول نجات کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی
پس یہی نجات کا ثمرہ ہے۔
نمبر ۱۳۸۔ صادق العقیدت۔ صادق البصیرت اور صادق الطریقت

کی وجہ سے اور علم و ہنر کسب کے ذریعہ سے دولت و حشمت اور اسباب دنیاداری میسر آتے ہیں۔ اِس لئے یہ زمانہ دنیاداری کا کہلاتا ہے اِس کے بعد اُن کے استعمال اور حظِ نفسانی کا دور شروع ہوتا ہے خواہش زن و فرزند اور شوق خویش و پوشش کے پورا کرنیکی کوشش ہونے لگتی ہیں۔ اِس لئے یہ زمانہ نفس پرستاری کا ہے۔ یہ تینوں مدارج دنیاوی داروگیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِن کے علاوہ آخری مرحلہ رستگاری کا ہے جو جملہ خواہشاتِ نفسانی و اسباب دُنیاوی کے ترک سے طے کیا جاتا ہے۔ قابل مصنف کا اِس بیت میں یہ صریح ایما ہے کہ دُنیاوی داروگیر سر و رِ اصلی کا سبب نہیں ہیں۔ بلکہ ترک و تجرد سے ہی طمانیت خاطر نصیب ہوتی ہے۔

نمبر ۱۳۰۔ اگر رستگاری حصول مسرّت کا باعث نہوتی تو جنید رویو اور دیگر بزرگ منش اور فرشتہ خو حقیقت بیں ہستیاں زندگی کے تینوں آغازی مدارج کو عبور کر کے آخری منزل میں پناہ گزیں نہوتے۔

نمبر ۱۳۱۔ جبکہ معمولی عقل و فہم رکھنے والے طیور و وحوش بھی حبس و بندش سے آزاد ہونا پسند کرتے ہیں تو طائر روح کیلئے جو روزِ ازل سے دامِ اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔ رست و خیز کیونکر وجہ سرور نہوگی۔

نمبر ۱۳۲۔ مقام نجات کا ہر سہ عالم سے بالاتر ہیں ہونا اِس امر کی بیّن دلیل ہے کہ وہاں ہر جگہ سے زیادہ مسرّت اور بہترین صفات کا حصول ممکن ہے۔

نمبر ۱۳۳۔ کثافتِ اعمال سے پاک شدہ ہمہ دان ہستیاں نجات

اُسیوقت روک سکتا ہے جب اس کے اندر ذاتِ کامل کی اہمیت اور اُس کے صفات کی دانست پیدا ہوجاتی ہے - اِس علم باطن کی جھلک سے قلب کی صفائی - ترک و تجرد کی استعداد اور حصول رضائیت کا انہماک اُس کو نجاتِ آبدی کا بلاشبہ مستحق بنا دیتا ہے - اسکے سوائے اور کوئی ذریعہ حصول نجات کا نہیں ہے -

باب دویم

دربیان نجات

نمبر ۱۲۷ و ۱۲۸ - اپنے شاگرد پربھاکر بھٹ کے مودبانہ سوال کرنے پر استاد حقیقی شری یوگیندر آچاریہ نے نجات ذریعہ نجات اور سرور نجات کے متعلق ارشاد فرمایا -

نمبر ۱۲۹ - انسانی زندگی کے چار مدارج پرہیزگاری - دُنیاداری نفس پرستی اور رستگاری ہیں - انہیں سے اہل علم و دانش رستگاری کو ہی مسرت اصلی کا باعث بتلاتے ہیں کیونکہ دیگر مدارج میں سرور کامل حاصل نہیں ہوتا -

توضیح - آغاز زندگی میں جو انسان کیلئے تحصیل علم اور حصول تربیت کا زمانہ ہوتا ہے - ہر شخص عام طور پر اصولاً پرہیزگار رہتا ہے - یہ زمانہ پرہیزگاری کا کہلاتا ہے - بعد ازاں عنفوان شباب میں اسکو زندگی ہا سابقہ کی نیکیوں

سے دیکھنے والوں کو اس ذات پاک کا دیدار مندر یا مورت میں ہرگز بعید نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس نور اعلیٰ کی جھلک تو واقعی کسی تارک کامل اور حقیقت آشنا کے اندر ہی کچھ دکھائی دے سکتی ہے۔ امر حقیقت کا اظہار قابل مصنف نے یہاں انتہائی نقطۂ نگاہ سے کیا ہے۔ ابتدائی نظر سے نہیں۔

نمبر ۱۲۵۔ اگر خانۂ دل جلوۂ کامل سے معمور ہو جائے تو پھر دونوں میں کوئی حد امتیازی نہیں رہیگی۔ اور یہ پتہ لگانا بھی مشکل ہوگا۔ کہ کون عابد تھا اور کون معبود۔

توضیح۔ پوجا و عبادت کا عمل اسیوقت تک ضروری ہے جبتک کہ دل میں اصلی روشنی کی جھلک پیدا نہیں ہوتی جسوقت کوئی روح اپنی اصلی روحانیت کو حاصل کر لیتی ہے تو وہ خود معبود بنجاتی ہے اس کو کسی کی عبادت کی ضرورت رہتی ہے۔ نہ عبودیت کی۔ بقولیکہ

من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی
تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

یعنی روح عابد ترقی کر کے روحانیت کا درجہ پاتی ہے تو روح معبود کے جملہ اوصاف حاصل کر لیتی ہے گویا کہ دونوں ایک اور یکساں ہو جانے میں کسیکو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ کون ہے اور وہ کون۔

نمبر ۱۲۶۔ خواہشات و جذبات کو دل سے ہٹا کر ذاتِ کامل میں محو ہو جانا ہی بامِ نجات کا زینہ ہے۔ اِس کے سوائے اور کسی تدبیر یا تعویذ کی تلاش بیکار ہے۔

توضیح۔ کوئی شخص اپنے دل کو خواہشاتِ دنیاوی اور جذبات بیرونی سے

کے باعث باوجود سخت تر ریاضت کے بھی اصلی سرور سے ہنوز بہرہ مند نہیں ہوا۔

نمبر ۱۲۰ و ۱۲۱۔ جبکہ ابر وغیرہ سے مطلع صاف ہوتا ہے تو مہر عالمتاب صاف دکھائی دیتا ہے اسیطرح جب غرور و غصہ اور مکر و طمع۔ شہوات و خواہشات اور رغبت و نفرت کے جذبات جو ہر روح کے محیط ہیں۔ دور ہو جاتے ہیں تو روح کی اصلیت بھی صریح نمایاں ہو جاتی ہے جسطرح غبار آلود آئینہ میں کسی شکل کا بعینہٖ عکس نہیں آتا۔ اسیطرح روح کے اندر بھی جو ناقص جذبات سے مملو ہے۔ ذاتِ کامل کا جلوہ نور افشاں نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۱۲۲۔ جس دل کے اندر حور العین اور پری جمال معشوقہ کا خیال صورت پذیر ہے اُس کے اندر جلوۂ کامل کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ایک میان میں دو تلوار نہیں سما سکتیں

نمبر ۱۲۳۔ جسطرح ہنس (شاہین) مان سرور میں ہی بیفکری و آسائش سے رہتا ہے اسیطرح ذاتِ حقیقی کا تصور بھی حقیقت شناس کے دل میں ہی جگہ پاتا ہے۔

نمبر ۱۲۴۔ اُس ذاتِ پاک اور ہستی لایزال کا وجود نہ عابد میں موجود ہے نہ مجسمہ میں نہ کسی نقش و نگار میں پر تو افگن ہے۔ نہ عکس و تصویر میں بلکہ وہ پیکر علم و سرور صرف مساویت پسند متلاشیان حقیقت کے دل میں ہی جھلکتا ہے۔

توضیح ۔ معابد و مجسمہ میں ذات باری کا وجود محض دنیاوی نقطۂ نگاہ سے فرض کر لیا ہے جو کہ حقیقت شناسی کا ابتدائی مرحلہ ہو سکتا ہے لیکن نظر حقیقت

کے تجسس میں غرق ہو سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ہی وہ اصل مسرت کا احساس کر سکتا ہے۔

نمبر ۱۱۸۔ فنافی الذات ہو کر جو مسرت کسی فقیر کامل کو محسوس ہوتی ہے وہ شاہِ جنت کو بھی ہر قسم کے یارائے قدرت اور لذائذ نفسانی میسر ہونے پر نصیب نہیں۔

توضیح۔ چونکہ اہلِ جنات کے حشم و نعم بھی مدت مدید کے بعد تمادی عارض ہو جاتے ہیں اور اُن کو اپنی نئی زندگی میں نئی قسم کی فکریں لاحق ہو جاتی ہیں پس اُن کی مسرت بھی عارضی مسرت ہونیکی وجہ سے واقعی مسرت نہیں کہی جا سکتی ان سے بہتر تو وہ فقیر کامل ہیں جو بے غل و غش اپنی ذات میں فنا ہو کر اور منزل مقصود میں نقش راہ بنکر ماضی و مستقبل کی تمام کلفتوں کا نشان مٹا چکے ہیں اب اُن کے شریک حال جو مسرت ہے وہ ہی حقیقی اور دوامی مسرت ہے۔

نمبر ۱۱۹۔ اسباب دُنیا کی اُلفت دل سے دور ہو جانے پر جو مسرت معمولی درویش کو محسوس ہوتی ہے وہی فقر و فاقہ کی شدائد برداشت کرنے والے مرتاض کو ذاتِ حقیقی میں محو ہونے پر ملتی ہے۔

توضیح۔ اِس جملہ میں بھی اعجوبہ کو گنجائش نہیں۔ یہ ایک حالت کی دو ہیئتوں میں مقابلہ کا مضمون ہے اگرچہ ان کی طرزِ ریاضت میں مشرق و مغرب کا فرق ہے مگر اس کا مسرت اور حصول مسرت پر کچھ اثر نہیں۔ مصنف کا عقیدہ ہے کہ حصول مسرت کا انحصار محض الفتِ دُنیا کے ترک پر ہے۔ معمولی ریاضت کرنے والا فقیر اگر دل سے ترک الفت کر دے تو اِس درویش مرتاض سے زیادہ حصول مسرت میں کامیاب ہوگا۔ جو ترک الفت کا کوشش

ترک سے ہی یکسوئیت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسکی مثال اُن متبرک شخصوں کی زندگیاں ہیں جو اسی شاہراہ پر کامزن ہو کر منزل مقصود پر پہونچ چکے ہیں۔ اور جن کے نقشِ قدم رہروان پسین کو مینار روشنی کا کام دے رہے ہیں۔

نمبر ۱۱۔ روح کو اپنی روحانیت کے تصور میں محو ہو جانے پر جو اصلی مسرت محسوس ہوتی ہے۔ عالم سہ گانہ میں وہ بجز ذات کامل کے اور کسی کو میسر نہیں۔

توضیح۔ دنیادار لوگ جو معمولی عقل و فہم رکھتے ہیں عام طور پر دولت و حشمت اولاد اور جائداد وغیرہ کے حصول پر ہی مسرت محسوس کرتے ہیں اور اسی عارضی مسرت کو واقعی مسرت سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت اِن چیزوں میں مسرت کا شائبہ نہیں ہے۔ اگر بھوک لگنے پر انواع و اقسام کی نعمتوں کا طشت سامنے آئے تو اسکی مسرت محض عارضی ہے کچھ دیر بعد پھر بھوک لگیگی۔ اور کھانے کی تلاش میں کلفت پیدا ہو جائیگی۔ ہاں اگر کسی عمل سے بھوک کی بیماری ہی دور ہو جائے اور کبھی کھانے کی خواہش نہو۔ نہ فکر طعام میں سرگرداں ہونا پڑے تو اس حالت دوامی کو مسرت کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اصلی مسرت وہ ہے جو کسی آئندہ کلفت کا پیش خیمہ نہ ہو۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی اسباب و نعم میں بمقابلہ مسرت کے کلفت صدگونہ ہے تو اُن کو مسرت کا باعث کہنا ہی غلطی ہے۔ غور کرنے سے ہر اہلِ عقل و دانش اسی نتیجہ پر پہونچیگا کہ علائق دنیاوی کا دار و گیر کلفت کا باعث ہے۔ اور اُن کا ترک و قطع حصول مسرت کا سبب۔ پس قابل مصنف کا اشارہ اسی طرز عمل کی جانب ہے کہ ترک دنیا و قطع علائق ہونے پر ہی کوئی ذی روح اپنی پاک روحانیت

نمبر ۱۱۴۔ روح کے علاوہ مادہ دھرم (کشش استخراجی) ادھرم (کشش استقراری) خلا اور وقت یہ پانچ اشیاء بے جان موجودات عالم میں اور نمایاں ہیں جنکے اندر من و مائی کے خیالات کبھی پیدا نہونے چاہئیں۔

توضیح۔ روح اور ان اشیاء میں باعتبار وجود ذاتی بین فرق ہے۔ کیونکہ ایک کا وجود دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ بلحاظ صفاتِ اصلی نمایاں تفاوت ہے کہ روح مدرک ہے۔ بقیہ اشیا غیر مدرک ہیں۔ روح کی ان کے ساتھ وابستگی اسکی تمام خرابیوں کا باعث بن رہی ہے۔ یہ کسی سے پوشیدہ نہیں توجبکہ مسرت روحانی کا حصول دریائے روحانیت میں غرق ہوجانے پر بھی موقوف ہے۔ تو سوائے روح جسقدر عناصر و جواہر بسائط عالم کے ٹھہرے ہیں۔ متلاشیان روحانیت کیلئے وہ ہرگز آلہ کار نہیں ہوسکتے۔ اسواسطے بزرگ منش مصنف نے ان سب کے ساتھ واسطہ داری کو ترک کردینے کی ہدایت کی ہے۔

نمبر ۱۱۵ جسطرح ایک شرار آتش بڑے سے بڑے نخلستان کو خاک سیاہ کردینے کے لئے کافی ہے اسیطرح ذات کامل کی صفات میں ایک لمحہ کو جذب ہوجانا جملہ معائب و معاصی کے فنا کردینے کو بالکل کافی ہے۔

نمبر ۱۱۶۔ جملہ خواہشات و لذات کو ترک کرکے حصول کاملیت کو اپنا زاویۂ نگاہ بنانا چاہئے۔ اور جس پاک ہستی نے درجہ کاملیت حاصل کرلیا ہے اسکو بطور نمونہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

توضیح۔ کسی مقصود ذہنی یا مقصد اعلیٰ کے حصول میں محویت اسوقت تک ناممکن ہے جبتک کہ قلب کو یکسوئی نصیب نہو۔ چنانچہ جملہ خواہشات و لذات کے

ہے مگر اصل میں عالم کے معنی کیفیت و حالت کے ہیں۔ سب سے اعلیٰ و ارفع کیفیت و حالت روح کی یہی ہے۔ کہ وہ اپنی صفات اعلیٰ کے انکشاف پر ہر عاقبت اندیش متفکر کے لئے نصب العین اور معیار مرکزی بنجائے لہٰذا اس روح کامل کو جو متلاشیان حقیقت کا مرکزِ قلب بنگئی ہے۔ حقیقی معنوں میں عالم علوی کہنا بیجا نہیں ہے۔ جین عقائد کے بموجب سب سے ارفع مقام وہ ہے جہاں نجات یافتہ روح قیام گزیں ہوتی ہیں اور جسے ہندی زبان میں موکش استھان کہتے ہیں۔ قابل مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ موکش استھان کے تلاش کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ روح سے باہر کہیں نہیں ہے۔ جب روح لوثِ اعمال سے بری ہوکر عالم کُل ہوجاتی ہے۔ وہ خود موکش کا استھان بنجاتی ہے۔ جو خصوصیات مقام ارفع کی ہیں وہ اُس کے اندر سب نمایاں ہوجاتی ہیں۔ اسی حالت میں روح مقدس کو مجسم نجات کہدینا قطعی درست ہے۔

نمبر ۱۱۲۔ جس شخص کا خیال خواہشات و جذبات سے ہٹکر ترکِ علائق اور خودشناسی میں محو ہو رہا ہے۔ وہ ہی ذاتِ اعلیٰ کہلاتا ہے۔ کیونکہ جس کا آغاز اچھا ہے اُس کا انجام بھی بہتر ہوگا۔

توضیح۔ بمصداق اس امر کے کہ خیال جنیں بدآں جناں۔ جب کوئی شخص خودشناسی کے خیال میں ہمہ تن مصروف ہے اُس کے لئے مقصدِ اعلیٰ کی کامیابی ایک یقینی امر ہے۔

نمبر ۱۱۳۔ دائمی مسرت کا حصول صفاتِ ذاتی کے انکشاف کا نتیجہ ہے۔ اِس لئے ہر شخص کا نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ تعلقاتِ غیری کو منقطع کرکے دریافت خود میں محو ہوجائے۔

اکثر علمِ باطن سے بے بہرہ پائے جاتے ہیں تو یہ تعجب دور ہو جاتا ہے
یہ ضرور ہے کہ ابتداءً ترک و تجرد اور انضباط و ریاضت سے علمِ باطن کے
حصول میں کچھ سہولیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جبتک نیکی کے جذبات
اور حصولِ مقصد کی تمناؤں سے قصرِ روحانیت آراستہ ہے۔ علمِ حقیقی کا
اسمیں گذر نہیں ہو سکتا۔ قابل مصنف کا اصول یہ ہے کہ خواہشات
اور تمنائیں خواہ دُنیاوی ہوں یا دینی سب ہی قابلِ ترک ہیں
اِن کا ترک کئے بغیر علمِ باطن کا حصول ناممکن ہے۔

نمبر ۱۰۔ جس روح کی صفت علمِ صادق ہے اُسکو کوئی شخص جو علمِ
حقیقی سے بہرہ ور نہیں ہے۔ نہیں جان سکتا۔ روحانیت
شناسی تو علم سے ہی ہو سکتی ہے۔

نمبر ۱۱۔ وہی روح جو تقدس مآب اور بے لوث ہو کر اپنی صفاتِ اصلی
کے انکشاف کو پا جاتی ہے۔ کامل مقدس اور ذاتِ اعلیٰ
کہلاتی ہے۔

توضیح۔ اصلی صفات تمام روحوں کی یکساں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جو روح دورِ تناسخ
میں سرگردان ہیں اُن میں شانِ ایزدی بالقوۃ ہے اور جنہوں نے درجہ
ہمہ دانی حاصل کر لیا ہے۔ اس کے اندر کمال کبریائی بالفعل موجود ہے
المختصر ہر روح میں ذاتِ کامل ہو جانیکی قوت ہے۔

نمبر ۱۱۱۔ بڑے بڑے تارکانِ دُنیا۔ فقیرانِ کامل۔ تخت آرایانِ جنت شہنشاہانِ
ربع مسکون اور خداوندانِ جاہ و جلال کے کعبہ ہائے قلوب میں اعلیٰ و اکمل
ذاتِ پاک کا جلوہ سما رہا ہے۔ وہی عالمِ علوی ہے۔

توضیح۔ وسطی دُنیا کے علاوہ جو جنتاتی آبادی ہے۔ وہی عام طور سے عالمِ علوی کہلاتی

سوا اس کے کچھ نہیں کہ روح جو کہ بادی النظر میں کم و بیش علم کے مدارج طے کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ فی الحقیقت علم بالذات اور ہمہ تن علم ہے۔

توضیح۔ روح کو جو عالم کل بالخاصیت ہے۔ یہاں علم کہہ دیا گیا ہے۔ اسمیں کوئی شبہ کی بات نہ سمجھنا چاہئے جبکہ علم روح کی صفت ہے تو نہ روح بغیر علم کے ہو سکتی ہے۔ نہ علم کا وجود بغیر روح کے کہیں ممکن ہے۔ اس لئے جو روح کہ عالم کل ہے وہ ہمہ تن علم بھی ہے۔ صرف ابتدائی اور انتہائی نظروں سے اس کے دیکھنے میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

نمبر ۱۰۷۔ اہل حقیقت کا مسلک علائق دنیاوی سے تسکیں اور حظ نفسانی کی تمنا خواص روحانی سے بالکل غیر ہیں۔ ان تمام جذبات سے پاک ہو کر ہی خود شناسی ہو سکتی ہے۔

نمبر ۱۰۸۔ روح اور اسکی اصلیت صرف علم باطنی سے ہی معلوم ہو سکتی ہے اسلئے عمل ریاضت علائق دنیاوی اور حظ نفسانی کو ترک کر کے علم باطنی کے حصول کی ہی کوشش کرنا فرض اولیٰ ہے۔

توضیح۔ علائق دنیاوی اور حظ نفسانی تو بیشک روح کو دام تناسخ میں پھنسانے کے ذرائع ہیں ان کے ترک کی ہدایت تو بہر طور صحیح یقین کی جا سکتی ہے۔ لیکن مصنف کے اس بیان کی نزاکت کہ طرز ریاضت بھی علم باطن کا سبب نہیں ہے۔ اور قابل ترک ہے غرور تعجب خیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب اس عمیق مسئلہ کو انتہائی نظر سے اسطرح دیکھا جاتا ہے کہ کافی سے زیادہ مشقت اٹھانے والے ضرورت سے زیادہ شدائد جسمانی میں مبتلا اور زیادہ آداب ریاضت بجا لانے والے تارک الدنیا درویش بھی

کہ میں کیا نہیں ہوں۔ پس یہ جان لینا کہ میں کیا ہوں اور کیا نہیں ہوں
تمام موجودات عالم کے علم حقیقی پر بسیط ہو جائیگا۔

نمبر ۱۰۲۔ جسطرح آسمان پر طلوع ہو کر خورشید انور خود کو اور دیگر اشیاء عالم
کو چمکا دیتا ہے۔ اسیطرح روح بھی ہمہ تن عالم ہو کر اپنی ذات خاص کو
اور دیگر کائنات عالم کو نمایاں کر دیتی ہے۔

توضیح۔ جب کوئی روح نفرت و رغبت کے خیالات و جذبات سے مبلوث ہو کر
روحانی حقیقت کے دریافت میں ہمہ تن مصروفیت اختیار کر لیتی ہے تو
پردۂ اعمال جو اسکی صفت ہمہ دانی کو ڈھکے رہتا ہے۔ دور ہو جاتا ہے۔
اور جوں ہی کہ اس کا حامل مقصد علم کل روشن ہو جاتا ہے۔ جملہ موجودات
عالم ایک دم اس کے اندر عکس فگن ہو جاتے ہیں۔

نمبر ۱۰۳۔ جسطرح سیارگان کا عکس صاف پانی میں بظاہر نظر آتا ہے اسیطرح
کفر و بطلان وغیرہ جذبات کثیف سے پاک شدہ روح کے اندر تمام
موجودات عالم منعکس ہو جاتی ہیں۔

نمبر ۱۰۴۔ جس روح کی ماہیت دریافت ہو جانے پر کوئی شخص خود و ماسوا
کی اصلیت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ اسی کو علم باطن کے ذریعہ سے
جاننے کی کوشش کرنا چاہیئے یعنی روح کا خاصہ رغبت و نفرت
جذبات کثیف سے پاک اور مسرور بالذات جان لینا ہی ہمہ
موجودات عالم کی شناسائی کا سبب ہے۔

توضیح۔ قابل مصنف نے اپنے شاگرد کو خود شناسی کی تلقین کی ہے۔ اور اسی کو
اپنے مستقبل کی بہتری کا ذریعہ بتایا ہے۔

نمبر ۱۰۵ و ۱۰۶۔ وہ علم صادق کیا ہے جس سے خود شناسی کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے

پاک و صالح ہیں تو یہ نیک اعمالی کا موجب ہونگے۔ اگر فاسد و ناقص ہیں تو بد اعمالی کا باعث ہونگے۔

نمبر ۱۰۰۔ اپنی روحانی حقیقت کو بکمال جان لینا تمام موجودات عالم کی واقفیت کا سبب ہے۔ کیونکہ اس سے درجہ ہمہ دانی حاصل ہوتا ہے اور آئینہ علم کل ہی ایک جام جہاں نما ہے جس کے اندر ہر سہ عالم کی اشیاء و کیفیات ایک ہی وقت میں عکس فگن رہتی ہیں۔

نمبر ۱۰۱۔ جو شخص صفاتِ روحانی کے یافت و دریافت میں محو و سہو ہو جاتا ہے اسکو دنیا و مافیہا کے تمام موجودات کا علم حقیقی حاصل ہو جاتا ہے۔

توضیح۔ قابل مصنف کے اس بیان میں ایک عجیب نزاکت سربستہ ہے۔ بظاہر یہ ایک وہم سا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو ہستی اپنی روحانیت میں جذب ہو جائیگی اس کو تمام موجودات عالم کا علم کس طرح ممکن ہے لیکن حقیقت پر غور کرنے سے یہ معمہ بآسانی حل ہو جاتا ہے موجودات عالم کی تقسیم صرف دو عنوان یعنی روح سوائے روح پر کیجا سکتی ہے۔ روح کسی قالب اور کسی ہیئت میں ہوں ذاتی اوصاف کے لحاظ سے ایک اور یکساں ہیں جو اپنی روح کی اصلیت سے واقف ہے وہ گویا تمام روحوں کے راز سے ماہر ہے۔ وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ سوائے روح کیا چیز ہے جس کے تعلق سے روح اب تک اپنی اصلیت سے منحرف اور برگشتہ رہی۔ کسطرح یہ تعلق باہمی روح و سوائے روح کا پیدا ہوتا ہے اور کیونکر دور ہو سکتا ہے۔ پس یہی راز کائنات ہے اصولاً یہ بیان قطعی قابل یقین ہے کہ جسکو اپنی روح کا اصل راز معلوم ہو گیا اسے تمام کائنات اور موجودات عالم کے اسرار حقیقی پر عبور ہو جاتا ہے۔

جو شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میں کیا ہوں اسے اس پہلو پر بھی غور کرنا ہوگا

نمبر ۹۶۔ جو روح تمام اعمال و جذبات کی کثافت سے بالکل پاک ہو گئی ہے اس کے ماہو اکسی تیرتھ یا مقامِ مقدس پر ناصیہ فرسائی کرنے کسی مرشد کامل کی ہدایت لینے یا کسی دوسری ہستی کو معبود سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے گویا روح پاک ہی قابل پرستش ہے۔

نمبر ۹۷۔ جہت حقیقی کے لحاظ سے روح کی ذات خاص ہی حق النظری کا مجسمہ ہے حقیقت شناسی کیلئے دوسری ہستیوں کا وسیلہ ایک جہت مجازی ہے اس لئے روح پاک ہی قابل تصور و مراقبہ ہے جو عالم ہستی میں ایک بہترین ہستی ہے۔

نمبر ۹۸۔ اپنی ذاتی حقیقت کو دریافت کرنا اور روحانیت کا علم حاصل کرنا اعلیٰ مراقبہ ہے جس کے عمل سے چشم زدن میں نجات ہوتی ہے۔ دُنیا کی اور چیزیں بالکل اس سے جُدا ہیں۔ انی یافت و دریافت میں محو و مشغول ہونے سے کیا فائدہ۔

نمبر ۹۹۔ دُنیا سے بیزاری جذبات سے پاکیزگی اور روحانیت سے شناسائی اگر کسی ذی روح کو نہیں ہے تو کلام پاک کی قرأت اور زہد و ریاضت کی مشقت اس کو نجاتِ ابدی حاصل کرنیکے لئے کارآمد نہیں ہیں۔

توضیح۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کتب مقدسہ کا پڑھنا اور ریاضت کرنا سوں نجات کیلئے قطعی بیکار ہیں۔ دُنیا سے بیزاری جذبات سے پاکیزگی روحانیت سے شناسائی ایسی معمولی باتیں نہیں ہیں جو ہر شخص کو یوں ہی حاصل ہو جائیں جن لوگوں کو یہ قدرت حاصل نہو۔ کیا انہیں کتب پڑھنا اور ریاضت کرنا بے سود ہے؟ نہیں لیکن اگر محض اتنے ہی کوئی طالبِ نجات ہے تو اس کی تمنا بیکار ہے۔ ورنہ اگر کتب پڑھنے اور ریاضت کرنے کے وقت خیالات

اسیقدر حق النظری کا انکشاف ہوتا جاتا ہے اور اسی سے رفتہ رفتہ خود شناسی ہو جاتی ہے۔

نمبر ۸۷ نہایت ۹۲۔ روح بذاتِ خود سرخ۔ سفید یا زرد۔ سیاہ نہیں ہے موٹی یا دبلی بھی نہیں ہے۔ برہمن۔ چھتری وغیرہ اسکی کوئی قوم ہے۔ نہ جنس ہے نہ اس کی سادھو سنت۔ زاہد و مرشد۔ امیر و فقیر وغیرہ کوئی قسم ہے۔ نہ استاد ہے نہ شاگرد۔ نہ آقا ہے نہ ملازم۔ پہلوان ہے نہ کمزور۔ شریف ہے نہ رذیل۔ نہ جن و ملک ہے۔ نہ حیوان یا انسان۔ دوزخی ہے نہ حشرات الارض۔ نہ عالم ہے۔ نہ جاہل۔ نہ قادر ہے نہ بیکس۔ نہ طفل و جوان ہے۔ نہ پیر ناتوان یہ تمام کیفیات اجسام مادی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسکی ذات پاک ہمہ تن علم و ادراک کا مجسمہ ہے اور اسقدر لطیف ہے کہ حقیقت ہیں نگاہ سے ہی دکھائی دیتی ہے۔

نمبر ۹۳۔ روح قوتِ احساس و ادراک کے علاوہ کارہائے ثواب و عذاب زمانہ ہائے ماضی و حال و مستقبل و محرم۔ ادھرم اور نہ ہی مادی اجسام کی صورت نہیں ہے۔

نمبر ۹۴۔ روح اپنے جوہر ذاتی سے متصف علم و ادراک کا ایک مجسمہ ہی ضبط نفسی ترک شہوات۔ شغل اتقا اور مشق ریاضت کے ذریعہ سے ہمہ دانی ہمہ بینی مسرت کلی و طاقتِ کلی ان کمالات کے اظہار کا سبب اور حقیقت خود کی شناسائی کا ذریعہ خود روح ہی ہے۔ اور خود ہی مجسم نردبان نجات ابدی ہے

نمبر ۹۵۔ روح کی ذات سعیدہ اور صفاتِ ستودہ کے علاوہ اور کوئی شئے نگاہ حقیقت کا زاویہ یا حق النظری صادق العلمی اور واثق العلمی کا مرکز نہیں ہے۔

بلکہ اُن کو اپنا کر ذات خود کا لاینفک جُز سمجھتی ہے۔
نمبر ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ - میں گوری ہوں - کالی ہوں - یا میرے مختلف رنگ ہیں - نحیف ہوں - جسیم ہوں - برہمن - چھتری - ویش یا شودر ہوں - مذکر - مؤنث یا مخنث ہوں - جوان یا پیر ہوں - حسین یا بہادر ہوں - عالم یا زاہد ہوں - اسطرح مادی اقسام کی کیفیات میں انانیت اور ذاتیات کا تصور کرنے والی روح کو جاہل و باطل النظر کہتے ہیں۔
نمبر ۸۴ - والدین - بیوی - دختر و پسر - احباب و آشنا - مکان و جائداد - دولت و جواہرات - مویشی و ملازمان - سواری اور دیگر سامان کو جنکا حصول محض ثمرہ اعمال کیوجہ سے ہے - جاہل و باطل النظر ذی روح اپنی سمجھتا ہے
نمبر ۸۵ - حواس خمسہ کی لذات کو جو درحقیقت تکالیف کا سبب ہیں باعث راحت سمجھکر اُن میں محو ہونے کا شائق باطل النظر دنیا میں کیا کچھ گناہ نہیں کرتا۔
توضیح - لذات حواسی کی سیری کے لئے اِنسان دوسرے جانداروں کو ستاتے ہیں - جھوٹ بولتے ہیں - دوسروں کا مال مارتے اور چوری کرتے ہیں - بدمستی اور بوالہوسی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں - جن سے اکثر گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے - اور ان کا ثمرہ سخت تکالیف و مصائب کی شکل میں اُٹھانا پڑتا ہے - گویا لذات حواسی آخر کار رنج و محن کا باعث ہیں - پھر ان کو راحت بخش اور آرام دہ سمجھنا اور اُن کے حصول میں از خود رفتہ ہو جانا - جہالت اور باطل نظری نہیں تو اور کیا ہے۔
نمبر ۸۶ - موقع پاکر جس قدر حرص و ہوا اور خواہشات دُنیاوی کم ہوتی جاتی ہیں

نمبر ۷۴۔ افعال ماضیہ کے اثر سے جو جذبات نفسانی پیدا ہوئے ہیں یا جسم وغیرہ اسباب بیرونی میسر آئے ہیں۔ نظر حقیقت سے دیکھا جائے تو وہ ذات وصفات روحانی سے بالکل جدا ہیں۔

نمبر ۷۵۔ ہر ذی روح کو روحانی ذات مجسمہ اور صفات حمیدہ کا ہی ہر وقت تصور کرنا چاہیئے۔ ان کے علاوہ جو کچھ بھی عالم موجودات میں ہے سب روحانیت کا منافی اور قطعی غیر چیز ہے۔

نمبر ۷۶۔ روح در حقیقت آٹھ قسم کے افعال اور مختلف نوع کے معائب و معاصی سے پاک اور حق النظری۔ صادق العلمی اور دائق الکلی ان تین صفات سے موصوف ہے۔

نمبر ۷۷۔ علم روحانی سے حقیقت روحانی کو جان لینا ہی حق النظری ہے۔ جو روح کے لئے باعث نجات ہے۔

نمبر ۷۸۔ جو روح جسمانی و بیرونی علائق میں محو ہو کر انانیت اور ماومن کے خیالات میں مستغرق ہو جاتی ہے وہ کوتاہ بین ہے اور انواع واقسام کے افعال کا ارتکاب کرتی ہے جسکی وجہ سے دور تناسخ میں سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔

نمبر ۷۹۔ روح کے اوپر ذرات فعلی کا نقاب اتنا گہرا پڑا ہوا ہے کہ اُس نے اُس کے اندر نور کو چھپا رکھا ہے جسکی وجہ سے یہ باوجود بالقوۃ ہمہ دان ہمہ بین ہونے کے نابینا و لایعلم کی طرح گمراہ ہوئی پھرتی ہے

نمبر ۸۰۔ یہ روح گمراہ ہونیکی وجہ سے عناصر ستہ کی خاصیت و حقیقت کو جوں کا توں نہیں جانتی۔ بلکہ کچھ کا کچھ سمجھتی ہے جسم مادی اور دیگر اشیاء دنیاوی کو جو خاص خود کردہ اعمال کے نتیجے ہیں اپنے سے غیر نہیں جانتی

ذرات فعلی کے زیر اثر ہے اور جبتک اِس کے اوصاف ذاتی پر اعمال کا
نقاب پڑا ہوا ہے۔ اِسکی تمام طاقتوں کا انکشاف و ظہور ثمرہ اعمال پر
موقوف ہے۔ قابل مصنف نے اِس بیان میں اِس اصول کو مدنظر رکھا ہے

نمبر ۶۸۔ روح کی اپنی حقیقی کائنات صرف اُس کے ذاتی صفات ہیں
اِسکا قریب ترین واسطہ دار جسم بھی نظر حقیقت سے دیکھا جائے
تو غیر اور بالکل غیر چیز ہے اِسکی صفاتِ حمیدہ اسکی روحانی ہستی ہی
کبھی متغائر نہیں ہیں۔ نہ اسکی ہستی سے متغائر کوئی جذبہ
اس کی صفاتِ ذاتی ہو سکتا ہے۔

نمبر ۶۹ و ۷۰۔ درحقیقت یہ روح نہ تو پیدا ہوتی ہے اور نہ مرتی ہے نہ اسکو
شیب و مرض لاحق ہوتے ہیں۔ نہ کسی بند میں مقید ہوتی ہے۔
اور نہ کبھی آزاد ہوتی ہے۔ نہ اسمیں تذکیر و تانیث کا نشان ہے
نہ رنگ ہے۔ نہ اِس کا کوئی نام ہے۔ یہ سب جو کچھ ہیں امور مجازی
ہیں۔ حقیقی نہیں ہیں۔

نمبر ۷۱ و ۷۲۔ قالبوں کا بدل جانا۔ ان کا نشو و نما پانا۔ بالآخر فنا ہو جانا۔ نوع
بہ نوع کی رنگتیں اختیار کرنا۔ اخلاط کی افراط و تفریط کے باعث
علالت سے تکلیف اُٹھانا۔ مذکر و مؤنث یا مخنث ہونیکی علامتوں کا
ظاہر ہونا یہ سب مادّی اجسام کے علایق ہیں۔ ان بیرونی کیفیات
سے روحانیت کا کوئی نقصان نہیں۔

نمبر ۷۳۔ چاہے جسم پارہ پارہ اور زخمی کر دیا جائے یا نذر فنا ہو جائے تو بھی
روح کو خائف ہونیکی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اِسکو اپنی نفیس الوجود
ذات خاص کا ہر وقت دھیان رکھنا چاہئے۔ اِسی پر اسکی بہبود منحصر ہے

اُن کا اصل علاقہ روح سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل جنس غیر ہیں
انکی وجہ سے جو عارضی رنج و راحت حاصل ہوتے ہیں روح کی ذاتیات سے
واسطہ نہیں رکھتے۔ بلکہ اُن کا جو کچھ تعلق ہے وہ گذشتہ افعال اور
مادی اجسام سے ہے۔

نمبر ۶۵۔ جہت حقیقی کے لحاظ سے روح کا کوئی ذاتی فعل نہ بند اعمال کا سبب ہے
اور نہ ازالہ اعمال کا باعث ہے۔ ماضیہ اعمال کے اثر سے جو نوع بہ نوع
تازہ اعمال ہوتے ہیں۔ بندوبستگاری اُنکا ہی ثمرہ ہے۔ روح تو اپنی ذات
خاص کے لحاظ سے نہ کسی بند میں مقید ہے۔ اور نہ آزاد ہونے کا قول
اُسپر صادق آتا ہے۔

توضیح۔ یہ کہنا کہ کوئی روح آزاد ہو گئی۔ اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ کسی بند میں مقید تھی لیکن
جب روح کی بے لوث ذات اپنی حقیقی ہستی کے لحاظ سے بند اعمال سے قطعاً پاک ہے
تو ظاہر ہے کہ اسکا آزاد ہو جانا بھی نہیں کہہ سکتے اِس بنا پر ایک سُلوک کو مصنف نے نہایت خوبصورتی سے بیان

نمبر ۶۶۔ یہ روح اپنی اصل حقیقت سے گمراہ ہو کر اور ہادیان طریقت کی ہدایت کے
مطابق کاربند ہو کر اِس گیتی دوران کے زیریں۔ وسطی اور بالائی
حصوں میں ہمیشہ متناسخ اور سرگردان ہر قسم کے قالب اختیار کرتی
ہوئی بھٹکتی پھرتی ہے۔ کوئی جگہ عالم سہ گانہ میں ایسی نہیں۔ جہاں
روح کو حیات و اموات کے شدائد نہ اُٹھانے پڑے ہوں۔

نمبر ۶۷۔ یہ روح اپاہج کی طرح نہ خود کہیں جا سکتی ہے اور نہ کہیں سے آسکتی ہے
اِس کے ساتھ خود ذرات فعلی کا اشتمال روز ازل سے ہے اِسی
کے اثر سے اسمیں جانے آنیکی حرکت ہوتی ہے۔

توضیح۔ اگرچہ طاقت کل روح کی ذاتی صفت ہے۔ تاہم جبتک وہ مادی النظر میں

یونہی چلا آتا ہے اسیطرح مادہ و روح کا تعلق بھی ازلی ہے۔ نہ مادہ نے روح سے اول دوستی پیدا کی۔ نہ روح نے مادہ کو اپنی طرف کھینچا۔

نمبر ۶۰۔ روح جہت حقیقی کے اعتبار سے بے لوث اور ہمہ دان ہستی ہے لیکن جہت مجازی کے لحاظ سے ذرات فعلی کے تعلق کے باعث اس کے اندر کبھی نیک اور کبھی بد جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جو افعال خیر و شر کے سبب بنجاتے ہیں۔

توضیح۔ روح کی اس حالت سے بھی تخم و شجر کی مثال چسپاں ہو جاتی ہے۔

نمبر ۶۱۔ وہ افعال جنکی قدرت سے روح کے ذاتی اوصاف پر نقاب آجاتا ہے۔ اور اس کا نور ذاتی ظہور پذیر نہیں ہوتا ہے۔ آٹھ قسم کے ہیں۔

نمبر ۶۲۔ خواہشات و جذبات کی وجہ سے کچھ نہایت لطیف ذرات بوالہوس روح کے ساتھ مشتمل ہو جاتے ہیں۔ اسی کو بند عمل کہتے ہیں۔ اور ان ذرات فعلی کا ہجوم جسم افعالی کہلاتا ہے۔

توضیح۔ جسطرح تیل لگے ہوئے جسم پر ذرات خاکی جم کر میل اور غلاظت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اسیطرح حرص و ہوس سے آلودہ روح سے ذرات فعلی مشتمل ہو کر جسم افعالی کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔

نمبر ۶۳۔ روح کی ذات پاک سے حواس خمسہ ظاہری جذبات اور چاروں قسم کی زندگیاں قطعاً جدا ہیں۔ ان سب کا وجود جذبات نفسی ہیں۔ مبتلا شدہ روح کے خود کردہ اعمال کے نتائج ہیں۔ روح کے ذاتی اوصاف نہیں ہیں۔

نمبر ۶۴۔ چونکہ مادی ذرات فعلی روح کی ذات پاک سے ظہور پذیر نہیں ہوئے بلکہ افعال ماضیہ کے برے نتیجہ کے طور پر [illegible] اس لئے

پے در پے امواج کی شکل اختیار کرتا ہے جو ساعت بساعت اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن پانی آخر کار پانی ہی رہتا ہے۔ وہ لہروں کے فنا ہونے سے فنا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جسم ہائے مادی بھی جنہیں روح اختیار کرتی ہے۔ حباب اور امواج کی طرح فانی ہوتے ہیں۔ مگر روح اپنی ہستی کے اعتبار سے جوں کی توں قائم و باقی رہتی ہے۔ وہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔

نمبر ۵۷ عنصر وہ اصل و مفرد شے ہے جس کے اندر جوہر اور عرض دونوں موجود ہوں جوہر ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والا کسی شے کا قدیمی وصف ہے اور عرض کسی شے کی بیرونی و ظاہری ہیئت و صورت کا نام ہے۔ جو ہمیشہ نوع بہ نوع تبدیل بدل ہوتی رہتی ہے۔

نمبر ۵۸۔ روح ایک عنصر ہے۔ ہمہ دانی و ہمہ بینی اُس کے ذاتی جوہر ہیں اور انسانی حیوانی جہنمی اور ملکوتی اجسام اس کے عوارض ہیں۔

نمبر ۵۹۔ ذرات فعلی کا روح کے ساتھ اختلاط باہمی ہمیشہ سے ہے۔ نہ افعال نے روح کو پیدا کیا۔ نہ روح سے افعال کی صنعت ہوئی۔ یہہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ہیں۔ اُن کی پیدائش کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ اِس لئے اُن کا تعلق بھی بادی نہیں دائمی ہے۔

توضیح۔ یہ بیان خصوصیت کے لحاظ سے نہیں ہے۔ کہ اس وقت کسی روح سے جو ذرات فعلی ممتزج ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہیں بلکہ عمومیت کے لحاظ سے بھی ہے کہ روح و مادہ کا تعلق دائمی ہے۔ مثلاً تخم سے شجر اور شجر سے تخم کا پیدا ہونا دائمی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اول تخم تھا یا شجر۔ اگر شجر تھا تو بلا تخم کیونکر تھا اور تخم تھا تو بلا شجر کہاں سے آیا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ تخم نے شجر پیدا کیا۔ نہ شجر نے تخم۔ دونوں کا سلسلہ لا ابتدا زمانہ سے

پھیلا ہوا تھا۔ اور ڈھکنے سے محدود ہو گیا۔ جب محدودیت کا باعث دور ہو گیا وہ اصلی حالت میں آگیا۔ روح کبھی اس حالت میں نہ تھی کہ اُسپر اعمال کا پردہ نہ پڑا ہو۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ روح کی فطرت بھی انبساط کی ہے۔ چونکہ ہمیشہ سے اپنے اختیار کردہ اجسام کی ہیئت کے مطابق محدود رہتی ہے۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ جسامت اختیار کرنے کے لحاظ سے محدودیت اسکی فطرت میں داخل ہے۔ اور جب جسم کے اندر داخل رہنے کا سبب زائل ہو جائیگا تو اسکی جسامت کے تنگ و فراخ ہونے کا سبب بھی باقی نہیں رہیگا۔ لہذا جس آخری جسم کو نجات حاصل کرنیکے وقت روح ترک کریگی۔ اسکی جسامت کے لحاظ سے اسکی ہیئت و شباہت اور جسامت تا ابد قائم رہیگی

نمبر ۵۵۔ جب روح پاک اور کامل ہو جاتی ہے تو اعمال کا کوئی اثر اُس پر نہیں رہتا۔ ذرات فعلی سے اُس کا تعلق قطع ہو جاتا ہے۔ اعمال کی وجہ سے جو نفسانی جذبات۔ نفرت و رغبت کے خیالات پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اُسکی ذات سے دور ہو جاتے ہیں۔ پس باوجود اس کے کہ روح خالص نور علم سے منور موجود ہے جہالت و بطلاق کے زیر اثر ہونیکے لحاظ سے اسکو بحالتِ نفی کہہ سکتے ہیں

نمبر ۵۶۔ روح کسی قسم کے عناصر کی آمیزش کا نتیجہ نہیں ہے اور نہ اس سے عنصر دنیاوی کی پیدائش ہوتی ہے۔ یہ اپنی جوہر ذاتی کے لحاظ سے ازلی و ابدی ہے۔ اور اُس کے اختیار کردہ اجسام و اشکال برائے چند سے ہوتے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً فنا ہوتے رہتے ہیں۔

توضیح۔ اسکی مثال فلسفہ دانوں نے سمندر کی لہروں سے دی ہے یعنی روح سمندر کے پانی کی مثال ہے جسمیں مختلف طرح کی موجیں اٹھتی ہیں۔ گو باسمندر کا مادہ

احساس کے لحاظ سے حس و مس نہیں رہتا۔ اور چونکہ مادہ بھی طاقتِ حس و خبر سے خالی ہوتا ہے۔ پس اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ روح کامل مادہ کی طرح بیحس و بیخبر ہے تو اس حیثیت کلام میں کوئی نقص یا اعتراض عائد نہیں ہوتا۔

نمبر ۵۴ ۔ جو اعمال جسامت کے انبساط کا سبب ہوتے ہیں اُن کے دور ہو جانے سے روح کامل کی شباہت کم و بیش نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے روح کامل کو آخری جسم کی پیمائش کے مطابق بسیط کہنا بے معنی نہیں ہے۔

توضیح ۔ مختلف قسم کے سرزدہ اعمال میں ایک قسم ایسی بھی ہے جس کے اثر و نتیجہ سے روح کو چھوٹا بڑا لطیف یا کثیف۔ خوب و زشت جسم میسّر آتا ہے۔ لیکن جب جملہ قسم کے اعمال سے روح بری ہو جاتی ہے تو جسم عطا کرنے والے اعمال کا اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اور روح جس آخری حالت سے نجات پاتی ہے اُس سے قدرے کم شباہت و جسامت میں اسکی تصویر رہجاتی ہے۔ اور جسم کے اندر ردّ و بدل کرنے والے اعمال کے معدوم و فنا ہو جانے سے کبھی کوئی ترمیم اس کے اندر نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کامل اپنے کالبد آخری کی پیمائش کے اندر محدود الجسامت ہے

ممکن ہے اسمیں کسی کو اعتراض ہو کہ جبتک چراغ ڈھکا رہتا ہے اُس کا اُجالا محدود رہتا ہے اور جب ڈھکنا اُٹھا دیا جائے تو وہ خود پھیل جاتا ہے اسیطرح روحانی جسامت کالبد کے اندر محدود تھی جسم کا ڈھکنا ہٹ جانے سے اسکو تمام عالم وجود میں پھیل جانا چاہیئے لیکن یہ مثال حسب حال نہیں ہے۔ کیونکہ چراغ پر ڈھکنا رکھنے سے پہلے اُس کا اُجالا

واب ہونے پر روحانیت سرایت کر جاتی ہے۔

نمبر ۵۰ و ۱۔ کوئی فلاسفر روح کو آسمان کی طرح بسیط کل مانتا ہے اور کوئی مادی طرح بیحس و بیخبر کوئی حکیم اُس کے وجود سے ہی منکر ہے اور کوئی اُسکو بالبداہت بپائش جسم تک محدود اور فی الحقیقت وسعت عالم تک بسیط یقین کرتا ہے۔

اے پرجا کر! تو اِس قسم کے تذبذب دل میں نہ آنے دے کیونکہ کسی نہ کسی لحاظ سے متذکرہ بالا چاروں جدا گانہ اصول صحیح ہیں۔

نمبر ۵۲۔ جب روح سے ہر قسم کا پردۂ اعمال دور ہو جاتا ہے اور اُسکی ذاتی صفات ہمہ دانی۔ ہمہ بینی مکمل طور پر منکشف ہو جاتی ہیں تو اُس کے خورشید علم کی شعاعیں مُلک وجود اور عدم آباد کے ذرے ذرے تک پہنچ جاتی ہیں یعنی جملہ کیفیات عدم و وجود اس کے آئینۂ علم میں صحیح طور پر روشن اور عکس فگن ہو جاتی ہیں۔ اِس لحاظ سے روح کا کل کو بسیط کل کہنا کچھ بیجا نہیں ہے۔

نمبر ۵۳۔ جب روح زنجیر عمل سے آزاد ہو کر عالم کل اور مسرت انتہا ہو جاتی ہے تو جسم میں قید رہنے کی حالت میں جو علم و حس اُسکو تو اس عشرہ کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا۔ زائل ہو جاتا ہے۔ اِس لحاظ سے اُسکو مادہ کی طرح بیحس و بیخبر کہنا بھی غلط نہیں ہے۔

توضیح۔ علم کل کا انکشاف ہونے پر اسکو حس و مس کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر کیفیت اسپر خود بخود روشن ہو جاتی ہے۔ حس و مس سے جو علم ہوتا ہے وہ جسمانی حواس عشرہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جب روح پاک ہو جاتی ہے تو جسمانی

نمبر ۴۷۔ جہاں تک مٹی کا سہارا ہوتا ہے وہیں تک بیل چلتی ہے۔ آگے نہیں جاتی۔ اسیطرح کائناتِ عالم میں جہاں تک اشیاء ہستی کا وجود ہے علم روحانی وہیں تک حاوی اور بسیط ہوتا ہے پس جس روح کامل کو علمِ کل کا انکشاف نصیب ہوگیا ہے اُسی کو دریافت کرنا واجب ہے۔

توضیح۔ مٹی کے ختم ہو جانے پر بیل کے آگے نہ بڑھنے سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیل کے اندر آگے چلنے کی طاقت نہیں رہی بلکہ یہ مطلب ہے کہ اُس کو آگے بڑھنے کا سہارا نہیں رہا۔ اگر سہارا ملجائے تو بیل ضرور بڑھیگی۔ اسیطرح علمِ کل کا موجوداتِ عالم تک ہی بڑھنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ محدود ہے جملہ واقعات و کائنات ماضی و حال و مستقبل ایک ہی وقت میں مرآت علم کل میں عکس فگن رہتے ہیں۔ اُن کے علاوہ اور کوئی شے جاننے کے قابل نہیں رہتی جسپر علم حاوی ہو۔ اِس حدِ نفی میں بھی اثبات کے طور نمایاں ہیں۔ اور محدودیت کے بیان میں لامحدودیت کی شان موجود ہے۔

نمبر ۴۸۔ دانش بینش اور طاقت و مسرت روح کی فطرتی صفات ثمرہ اعمال کی وجہ سے پیدا۔ تبدیل یا فنا نہیں ہوتیں۔ البتہ پردۂ اعمال سے برائے چندے اُن کا ظہور رُک جاتا ہے۔ اور جوں جوں وہ پردہ حائل اُٹھتا جاتا ہے اُن صفات کا از خود انکشاف ہوتا جاتا ہے یہ مسئلہ ذہن نشین کرکے صفاتِ روحانی کی دریافت میں مستغرق ہونا چاہیئے۔

نمبر ۴۹۔ مسرور الفطرت روح ریسمانِ عمل سے جکڑی ہوئی رہنے پر بھی مثل ذراتِ عمل کے مادی نہیں ہو جاتی۔ نہ ملوی ذراتِ عمل کے اندر انکی مدتِ مدید تک روح سے

نمبر ۴۲۔ جو ذات پاک روح جسمِ مادی کے اندر آباد ہے اُسکی ماہیئت کو نذر اور نارائن جیسی عظیم ہستیاں بھی علائق بیرونی اور جذباتِ نفسانی کو ترک کئے بغیر اور صفاتِ روحانی کی دریافت میں مستغرق ہوئے بدون نہ پاسکیں۔

نمبر ۴۳۔ جو روح بادی النظر میں موت و زندگی کے عوارض سے علیل دکھائی دیتی ہے وہ حقیقت میں اُن عارضی عوارض سے قطعی طور پر بری ہے اِس روح کی ذات خاص اور صفات پاک کو جسم خاکی کے اندر موجود رہنے کی حالت میں بھی تھیوسوفی جیسی پاک ہستیوں نے سربسر دریافت کرلیا ہے۔

اے پرجاکر! تو بھی اسیطرح معرفت روحانی میں خود کو وقف کردے۔

نمبر ۴۴۔ جس روح کے جسم میں رہنے سے تمام حواس عشرہ اپنے اپنے کار منصبی میں مصروف رہتے ہیں اور جس کے جُدا ہوجانے سے جسم کا آباد شہر اُجڑ جاتا ہے اور حواس بیکار ہوجاتے ہیں وہ ہی حقیقت نظری سے روح کامل ہے۔

نمبر ۴۵۔ اگرچہ فی الحقیقت روح علم و ادراک سے متصف ہے اور فی البدیہہ یہ حواس جسمانی کے ذریعہ سے رنگ و بو۔ صورت و ذائقہ اور حس و مس کی ماہیئت حاصل کرتی ہے تاہم اپنی ذات و صفات کی شناخت حواس کے ذریعہ سے نہیں کرسکتی۔

نمبر ۴۶۔ وہ سرت انتما روح جو مرد ان تناسخ میں مبتلا نہیں ہے اور جس سے کثافتِ اعمال جو کہ درحقیقت وجہ تناسخ ہے وابستہ نہیں ہے جملہ علایق بیرونی کو ترک کرکے غور و تصور کرنے کے قابل ہے۔

نمبر ۳۸۔ روح کامل وہ ہستی ہے جس کے علم کُل میں ہر سہ عالم کی تمام موجودات ہر لحظہ اسطرح عکس فگن رہتی ہیں جسطرح وسیع الہیئت چرخ اعظم کے اندر محض ایک سیارہ۔

نمبر ۳۹۔ اپنی ذات خاص میں محو و مستغرق رہنے والے مرتاض کامل جس عالم کُل روح کامل کو اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کا ذریعہ تصوّر کرتے ہیں اُسی کی صفات حمیدہ و ذاتِ ستودہ قابل مراقبت ہے

نمبر ۴۰۔ روح خود کردہ افعال کے نتائج کی وجہ سے مختلف حیوانی و جمادی جسم اور تذکیری و تانیثی جنس اختیار کرتی ہے جس سے دُنیا کے اندر موت و حیات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور وہی روح تناسخ دُنیاوی کے اسباب کو ضایع کرکے کامل ہوجاتی ہے۔ اِس لحاظ سے گویا روح ہی دُنیا کو پیدا اور ضایع کرنے والی ہے۔ اِس کے علاوہ اور کوئی طاقت نہیں ہے۔

نمبر ۴۱۔ روح کامل کے جس آئینہ علم صادق میں ہر سہ عالم عکس فگن ہیں اور جسکی تنویر ہر شے عالم کے اندر موجود ہے وہ دُنیاوی آلائشوں کے ساتھ لاینفک نہیں ہوجاتا ہے۔

توضیح۔ چونکہ روح ہمہ تن علم کُل ہے اسکو ہر شے عالم کی ماہیت ہے۔ گویا ہر چیز میں اسکا علم پاک مبسوط ہے۔ اِس لحاظ سے روح کامل کو بدیکل کہنا ممکن ہے۔ اور طرح سے نہیں۔ قابل مصنف کے بیان کی یہ خوبی ہے کہ باوجود اس کے کہ بلحاظ مذکورہ شے میں روح کامل اور روح کامل میں ہر شے جلوہ فگن ہے تو بھی اشیاء مادہ اور تنویر روحانی باہم تحلیل ہوکر ایک نہیں ہوجاتیں۔ پھر بھی دونوں ایک دوسرے سے منفک اور جدا رہتی ہیں

مادی اسکو چھوتے ہیں۔

توضیح - جب روحانیت کمال پر پہونچتی ہے تو جسم کے اندر رہنے کے باوجود بھی مادی جسم کو نہیں اپناتی۔ نہ مادی جسم اِس نورِ حقیقی کو اپنے ظلمت انگیز اثر سے دھندلا کر سکتا ہے۔ کیونکہ اُس حالت میں روح و مادہ کا باہمی اختلاط ناممکن ہے

نمبر ۳۵ - جو مساویت پسند تارک الدنیا اور مرتاض لوگ بے علائقی کا آبِ حیات نوش کرتے ہیں۔ وہی ظاہرا روح کامل کے نورِ علیٰ سے منور ہو جاتے ہیں۔

نمبر ۳۶ - اے پربھاکر! درآں حالیکہ روح اور مادی ذرات فعلی کا اشتمال ازل سے چلا آتا ہے۔ تو بھی روح کے اندر مادیت نہیں آجاتی۔ حقیقت نظری سے روح متناسخ کو بھی روح کامل کے مانند سمجھ۔

توضیح - اگرچہ کان کے اندر سونا اور آلائش ہمیشہ سے مشتمل رہتے ہیں لیکن تو بھی ذرات طلائی اور دیگر اجزاء مادی ایک نہیں ہو جاتے۔ کیمیائی تدابیر سے دونوں جُدا کئے جا سکتے ہیں۔ اسیطرح روح اور مادہ کا تعلق ازلی سہی۔ مراقبہ و استغراق اور ریاضت و مشقت کے ذریعہ سے ذراتِ فعلی روح سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اور بالآخر ہر روح درجہ کمال حاصل کر کے اقدس و متبرک ہو سکتی ہے۔

نمبر ۳۷ - جس روح کو نظرِ حقیقت سے ہم جسم مادی سے بالکل جُدا اور ذراتِ فعلی سے بھی علیحدہ دیکھتے ہیں اسکو بیخبر اور جاہل لوگ اسکی موجودہ اور ظاہری حالت کو دیکھکر جسمانی اور مادی حرکات پر ہی محدود کر لیتے ہیں۔ اے پربھاکر! تجکو روح پاک اور مادہ کے درمیان امتیاز کر لینا چاہیئے۔

توضیح - قوتِ ادراک اور علم پاک روح کی اصلی صفت ہے لیکن افعالیہ مادی ذرات جب روح سے وابستہ ہوتے ہیں تو اسکی اصلی صفات تبدیل ہوجاتی ہیں - اور اُن کے اثر سے صفات روحانی کے خلاف اسمیں رغبت و نفرت وغیرہ کئی قسم کے ناپاک جذبات پیدا ہوجاتے ہیں - مثلاً شیطان حقیقت اُن عارضی جذبات پر نگاہ نہیں ڈالتے - بلکہ جسطرح مادہ کو روح سے غیر سمجھتے ہیں - اسیطرح ان مادی جذبات کو بھی روحانیت سے جُدا تصور کرتے ہیں - لیکن اِس روح کامل کو جسکی صفات بالفعل بدرجہ کمال منکشف ہوچکی ہیں - اِس روح سے جدا نہیں سمجھتے جو ان صفات علیہ کو بالقوۃ اپنے اندر رکھتے ہوئے ہنوز افعالیہ مادی ذرات کے زیر اثر روحانیت کے خلاف عمل پیرا ہے -

نمبر ۳۱ - روح وہ پاک جوہر ہے جو خود ہمہ تن علم صادق اور صاحب ادراک ہے دل اور حواس خمسہ کی امداد کا محتاج نہیں - باوجود ہوتے ہوئے بھی جسکی کوئی شکل وصورت نہیں ہے اور نہ حواس خمسہ سے پہچانا جاسکتا ہے

نمبر ۳۲ - ہر متنفس جو دنیاوی خواہشات اور نفسانی جذبات سے دل برداشتہ ہوکر روح کامل کے مراقبہ میں جذب ہوجاتا ہے اِس کے نخل تناسخ کی جڑیں کٹ جاتی ہیں -

نمبر ۳۳ - روح وہ عالم کُل ہستی ہے جو بظاہر قلعہ جسم میں مثل بادشاہ کے آباد ہے اور جسکا قابل پرستش اور واجب الثنا وجود فی الحقیقت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا -

نمبر ۳۴ - روح کامل وہ نور حقیقی ہے جو جسم مادی کے اندر مبسوط ہوتے ہوئے بھی اس کے مادی ذرات کو مس نہیں کرتا - نہ ذرات

برائے چندے کسی جسم میں محسوس رہتے ہوئے بھی اُس سے قطعاً جُدا چیز ہے ذرات مادی کا اشتراک اسکی ذاتی صفات کو سلب نہیں کرتا۔ بلکہ ایک مدت کیلئے اُن کے انکشاف کو روک دیتا ہے۔ قابل مصنف کی اپنے شاگرد کو یہ ہدایت ہے کہ بلا لحاظ اِس امر کے کہ کوئی روح کسی قسم کے جسم مادی کے اندر محدود ہے۔ اُس کے اوصافِ ذاتی کا تصور کرنے سے وہ ذرات فعلی جو اتفاقاً اسکی ذات سے پیوست ہوگئے ہیں اور تنویر روحانی کے محاذ میں پردہ حائل بنگئے ہیں۔ زائل ہوجاتے ہیں۔ پس جو شخص اپنے افعال کے اثرات کو زائل کرنے کے درپے ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ روحانی قوتوں سے شناسائی حاصل کرے۔

نمبر ۲۸۔ لذات حواسی کے باعث پیدا ہونے والے رنج و راحت سے جو روح متاثر نہیں ہے اور توہمات قلبی سے بھی مغلوب نہیں رہی ہے اُسی کو روح کامل سمجھنا چاہیئے اِس کے برعکس اور کوئی خیال دل میں لانا فضول ہے۔

نمبر ۲۹۔ بادی النظر میں پاکیزہ صفت روح جسم مادی میں مقید ہے لیکن فی الحقیقت وہ اپنی صفاتِ حمیدہ کے اندر محدود ہے پس روح کی ہی ذات خالص پر نظر رکھنا چاہیئے۔ اِس کے علاوہ کسی شے (خول مادی وغیرہ) سے کیا مطلب۔

نمبر ۳۰۔ اے پربھاکر! روح اور مادّہ کو ہرگز ایک نہ سمجھ۔ دونوں کی صفات جداگانہ ہیں۔ مادی ذات فعلی کے اشتمال سے جو غیر حقیقی تخیلات روح کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کو بھی صفاتِ روحانی سے بالکل مغائر سمجھ۔ مگر ہاں ایک روح دوسری روح سے غیر نہیں ہے۔

ہیں جیسے ایک کمرے کے اندر چراغ کی روشنی میں جہاں ایک چیز کا سایہ پڑتا ہے وہیں دوسری چیز کا بھی سایہ سما جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سایہ دوسرے سایہ میں سما گیا لیکن بلحاظ اپنے وجود کے دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں جب ایک چیز اپنی جگہ سے ہٹیگی اُس کا سایہ بھی فوراً ہٹ جائیگا یہ مثال تو لطیف مادہ کی ہے۔ روح کامل تو اس سے کہیں زیادہ لطیف تر ہے۔

نمبر ۲۶ علم پاک کی منکشف حالت میں جسطرح روح کامل عرشِ معلیٰ پر قیام پذیر ہے۔ ویسی ہی روح ہر کسی زندہ جسم کے اندر موجود ہے ان دونوں میں بلحاظ حقیقت اصلی کے کوئی فرق نہیں ہے۔

توضیح۔ جب کوئی روح ہر قسم کے خود کردہ افعال کے اثرات مادی سے پاک صاف ہو جاتی ہے تو اسکی ہمہ دانی بظاہر منکشف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے اوصاف ذاتی پر اعمال کا پردہ پڑا رہتا ہے جس کی وجہ سے اسکا علم صادق تاریکی میں رہتا ہے۔ جو بالقوۃ اُس کے اندر ہر وقت موجود ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں ان دونوں قسم کی روحوں میں یہ فرق دکھائی دیتا ہے کہ ایک کے اندر علم پاک بالفعل موجود ہے۔ دوسری میں بالقوۃ۔ تاہم نظر حقیقت سے دیکھا جائے تو ہر روح میں علم پاک کا جوہر فطرتاً موجود ہے۔ اوصاف اصلی کے لحاظ سے اُنمیں کوئی فرق نہیں ہے۔

نمبر ۲۷۔ زمانہ سلف سے کئے ہوئے افعال کے اثرات روح کے ذاتی اوصاف کا تصور کرنے سے زائل ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ روح کسی جسم کے اندر ہی محدود کیوں نہو۔ پس اسے پر بھاکر اصفاتِ روحانی کی ماہیت حاصل کر۔

توضیح۔ یہ مسلمہ ہے کہ روح وہ پاک جوہر ہے جو مادی اجسام سے بالکل غیر ہے۔

ہوجاتی ہے اِس لئے اسکی کیفیات احساس و بیان میں نہیں آسکتیں۔
روحانی ماہیئت صرف روحانی تصوّف سے ہی ممکن ہے۔

نمبر ۲۴۔ روح کامل وہ مقدس ہستی ہے جو خود ہمہ دان و ہمہ بیں ہے اور فطرتاً مسرت اِتنا اور قادر مطلق ہے اور چار صفات اعلیٰ سے متصف ہوکر جو روح پاک جسم خاکی میں رہتے ہوئے زندۂ جاوید ہوگئی ہے۔ اس سے بھی بہتر حالت میں جسکا وجود ہے۔

نمبر ۲۵۔ روح کامل ایسی پاک ہستی ہے جس کی ہر سہ عالم کے نبی روح حمد و ثنا کرتے ہیں جو کسی قسم کے جسم کے اندر محبوس نہیں ہے اور جس کا قیام عرش معلیٰ پر ہے۔

توضیح۔ جسطرح کدو کا خول فطرۃً ہمیشہ پانی کے اوپر ہی تیرتا ہے اگر کوئی مٹی یا بھاری چیز اس سے وابستہ ہے تو وہ اسکو نیچے کی طرف جانے پر مجبور کریگی۔ لیکن جسوقت جنس غیر کی وابستگی اس سے دور ہوجائیگی وہ خول اپنی فطرت کے مطابق فوراً اوپر آجائیگا۔ اسیطرح روح کا فطرتی وصف بھی اوپر کی طرف جانے کا ہے۔ ذرات فعلی کے اثرات ہی اُس کو دوسری طرف جانے کیلئے مجبور کرتے ہیں۔ لیکن جب اِس جنس غیر کی وابستگی سے کوئی روح قطعاً پاک ہوجاتی ہے تو وہ اپنی فطرت کے مطابق اوپر کی طرف صعود کرتی ہے۔ اور بالآخر حد آخر پر جاکر ٹھیر جاتی ہے۔ وہی مقام عرش معلیٰ ہے۔ جہاں پر نجات یافتہ ارواح جمع رہتی ہیں۔ چونکہ روح کامل کے کوئی جسم کسی قسم کا نہیں ہوتا ہے۔ اِس لئے وہ کوئی جگہ نہیں گھیرتی۔ بہت سی لطیف چیزیں ایک ہی ظرف میں سما سکتی ہیں۔ لیکن بلحاظ اپنے ذاتی وجود کے سبب جدا گانہ رہتی

رجوع وائل ہے۔ شادی وغم کے زیر اثر نہیں۔ بھوک پیاس وغیرہ سے رنجور نہیں۔ وہی ذات پاک روح کامل ہے۔

توضیح۔ جب روح اندرونی و بیرونی مادہ سے ملوث نہیں رہتی ہے یا جذبات نفسی سے مشتمل نہیں رہتے ہیں تو اندرونی مادہ کی وابستگی سے جو جذبات نفسانی اور خواہشات حیوانی پیدا ہوا کرتی ہیں۔ وہ بھی قطعاً زائل ہو جاتی ہیں اور نیک و بد اعمال کے اثر سے جو بیرونی مادی اجسام میں روح کے عرصہ تک متقید رہنے کا سلسلہ جاری ہے وہ بھی مسدود ہو جاتا ہے پس بس روح کی ذات کے نقائص اور صفات پاک منکشف ہو جاتی ہیں۔ وہی روح کامل و مقدس کہلائی جا سکتی ہے۔

نمبر ۲۲۔ وہی روح کامل لایزال اور دائم البقا ہستی ہے جسکو اپنی ذات پاک میں محو رہنے کے لئے نہ کسی خاص آب و ہوا کی ضرورت ہے نہ تصور کے لئے کسی خاص مورت یا مجسمہ کی حاجت۔ نہ کوئی گنڈہ یا تعویذ ضروری ہے نہ اسم اعظم یا کلمہ پاک لازمی۔ نہ کسی کرۂ باد۔ کرۂ اب۔ کرۂ آتش یا کرۂ ارض سے سروکار ہے۔ نہ کسی جسمانی تصویر یا خاص شکل کی درکار۔

نمبر ۲۳۔ روح کامل وہ ازلی و ابدی ہستی ہے جسے کسی ہمہ دان کی ہدایت سے علماء شریعت کے وعظ سے یا حواس خمسہ اور دل کے ذریعہ سے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اگر اس کا نظارہ نصیب ہو سکتا ہے تو صرف اپنے تصوف ذاتی میں جذب ہو جانے پر ممکن ہے۔

توضیح۔ حواس خمسہ یا لفظی ہدایت سے صرف متشکل چیزوں کی ہی ماہیت ہو سکتی ہے چونکہ اجسام اندرونی و بیرونی سے روح کامل بالکل پاک

روح کے یہ تین درجے ہیں۔ جاہل روح اپنے جسم کو ہی سراپا روحانیت سمجھتی ہے۔ عارف روح خود کو جسم مادی سے بالکل غیر اور علم بالذات تحقیق کرتی ہے۔ اور اپنی ذاتی ماہیت کی متلاشی رہتی ہے۔ مگر جب وہ روح سلسلہ اعمال کو توڑ کر اور اپنی ذات خالص کے علاوہ تمام ماسوائے بے تعلق ہو کر نور حقیقت کی مشعل بجاتی ہے۔ روح کامل ہو جاتی ہے۔

نمبر ۱۶۔ اندر نارائن جیسی عظیم الشان شخصیتیں بھی جس نجات یافتہ روح کامل کے تصور میں اسے اپنا معبود حقیقی سمجھ کر محو ہو جاتی ہیں اسی پاک ہستی کا تصوف یکسو دلی اور استقلال کے ساتھ کرنا واجب ہے۔

نمبر ۱۷۔ جس کا ذاتی وجود دوامی ہے جسکے جذبات نفسانی زائل ہو گئے ہیں جس نے درجہ ہمہ دانی حاصل کر لیا ہے اور جو مسرت کلی پا کر اسمیں محو ہو چکی ہے وہ ہی روح کامل وجہ طمانیت اور باعث مسرت ہے۔ اسی ذات پاک کی ماہیت حاصل کر کے دھیان کرنا چاہیئے۔

نمبر ۱۸۔ وہی روح کامل وجہ سرور اور باعث امن ہے جو ہمہ دانی وغیرہ اپنے ذاتی اوصاف کو علانیہ حالت میں اختیار کئے ہوئے ہے۔ مکر و فریب وغیرہ جذبات فاسد سے بالکل بے لوث ہے اور ہر سہ زمان و ہر سہ عالم کی موجودات و کیفیات سے خبردار ہے

نمبر ۱۹ و ۲۰ و ۲۱۔ جس کے اندر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو نہ آواز ہے نہ احساس نہ موت و زندگی کا سلسلہ ہے نہ غصہ و غرور اور مکر و حلم کے جذبات باقی ہیں جو دل کے روکنے اور انضباط نفس کی غرض سے تصور و تصوف کی عمل پیرا نہیں۔ نہ عذاب و ثواب کی طرف

باب اوّل

(در بیان روحانیت)

نمبر ۸- مذکورہ بالا پانچ قسم کی مقدس ہستیوں یعنے (۱) بندگان نجات (سدھ) (۲) زندگان جاوید (ارہنت) (۳) فلسفیان حقیقت (اپادھیائے) (۴) ادیان شریعت (آچاریہ) اور (۵) روان معرفت (سادھو) کو سجدہ کرکے ایک متلاشی حق درویش پربھاکر بھٹ نے بہ خلوص ارادت اپنے استاد شری یوگیندر آچاریہ سے ذاتِ کامل کی حقیقت بیان کرنیکی درخواست کی - کہ

نمبر ۹ و ۱۰- اے مرشدِ کامل! میں اس دہر ناپائیدار میں لابتدا زمانہ سے رنج و غم اور تکالیف و مصائب اٹھاتا ہوا پھر رہا ہوں - اصلی مسرت کا کبھی کہیں سایہ بھی نظر نہیں آیا - اب جس ذاتِ کامل کا تصور کرنے سے دو تمام صعوبتیں جو جناتی - جہنمی - انسانی - حیوانی زندگیوں میں رہتے ہوئے روزاوں سے جھیلی ہیں - دور و زائل ہو جائیں - براہ مہربانی اسکی ماہیئت مجھے کرا دیجئے -

نمبر ۱۱ و ۱۲- اپنے شاگرد رشید پربھاکر بھٹ کی التجا پر اُس کے استاد کامل نے تلطف آمیز لہجہ میں سنجیدگی و متانت سے فرمایا کہ بطلان پرستی کے خیالات کو قطعی دل سے دور کرکے روح کامل کے علم بالذات ہونیکی ماہیئت کو علم الیقین سے تحقیق کرنا چاہئے -

نمبر ۱۳ و ۱۴ و ۱۵- جذبات اندرونی کے لحاظ سے جاہل - عارف اور کامل

نمبر۔ جو پاک ہستیاں تارک الدنیا ہو کر تصور و مراقبہ میں جذب ہو جاتی ہیں اور علم صادق کے ذریعہ سے حقیقت روحانی کو سمجھ لیتی ہیں جس سے رغبت و نفرت کے جذبات زائل ہو کر کشفِ روحانیت کے باعث انکو مسرت اصلی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اُن رہروان معرفت (سادھو) ہادیان شریعت (آچاریہ) اور فلسفیان حقیقت (اپادھیائے) کے قدموں میں سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

توضیح۔ عالم کامل اور زندہ جاوید ہونے سے قبل جو تارک الدنیا درویش محض حق شناسی اور خود آشنائی کے درپے رہتے ہیں۔ فقر و فاقہ اور ریاضت و اعتکاف میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رہروان معرفت (سادھو) کہلاتے ہیں۔ جب وہ اہلِ معرفت درویش اس درجہ آغازی سے ترقی کر کے احکام شریعت کی خود بحد غایت پابندی کرتے ہوئے دوسروں کو عمل شرعی کی تعلیم دیتے ہیں۔ تو ہادیانِ شریعت (آچاریہ) ہو جاتے ہیں۔ اور جب مذہبی فلسفہ کی کامل ہیئت حاصل کر کے اپنی زبانی ہدایات و تقاریر سے یا کتب مقدسہ کی توضیح و تاویل کے ذریعہ سے فلسفیانہ تدریس و تلقین دوسروں کو کرتے ہیں۔ تب وہ فلسفیان حقیقت کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ سب خواہ کسی درجہ میں ہوں دنیاوی حرص و ہوا سے بیزار و دل برداشتہ ہو کر راہِ صداقت پر چل رہے ہیں۔ اور یقیناً ایک روز اپنی منزل مقصود یعنی نجاتِ ابدی کو ضرور حاصل کر سکینگے۔ اِس لئے قابل مصنف کی نگاہ میں وہ جملہ متبرک ہستیاں قابلِ تعظیم ہیں۔

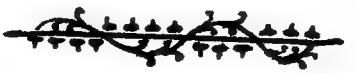

نمبر۵۔ بعدازاں میں ان مقدس ہستیوں کو آداب بجا تا ہوں۔ جو اپنی صفاتِ روحانی میں جذب ہو کر دُنیا و مافیہا کی ہر شے اور ہر حالت کو عالم کُل ہونے کی وجہ سے بلا شبہ پیش نظر رکھتی ہیں

توضیح۔ اِس بیت میں بھی قابل مصنف نے دو متضاد باتوں کو یکجا بیان کر کے اپنی شاعرانہ قابلیت کا اظہار کیا ہے۔ یعنے جو روح اپنی صفات میں محو و جذب ہو جاتی ہے۔ اُسکو دُنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی۔ اور جب کے پیش نظر مختلف اشیاء و حالات کی کیفیات رہتی ہیں۔ وہ اپنے جلوہ میں متصوف نہیں ہو سکتی۔ یہاں مصنف جس پاک ہستی کو سجدہ کر رہا ہے وہ ایسی ہے جو درحقیقت اپنی صفات میں محو ہونے ہوئے بھی ایسا علم صادق رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے دنیا و مافیہا کی جملہ کیفیات علانیہ طور پر بے شک و شبہ اسکے پیش نظر رہتی ہیں۔

نمبر۶۔ میں ان مقدس ہستیوں کو سجدہ کرتا ہوں۔ جو صادق العقیدت صادق البصیرت اور صادق الطریقت حاصل کر کے مسرور بالذات ہو چکی ہیں اور جنہوں نے تمام حالات و موجودات کی ماہیت کو عوام پر روشن کر دیا ہے۔

توضیح۔ اِس بیت میں اُن ہستیوں کو سجدہ کرنا مقصود ہے جنہوں نے ابھی نجات ابدی تو حاصل نہیں کی ہے۔ لیکن قالب بستخوانی میں بقید حیات رہتے ہوئے عقیدہ و علم و سرور کا کمال ور حاصل کر لیا ہے۔ اُس کے نجات پانے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ ہستیاں زندہ جاوید (ذالہنت) ہو چکی ہیں اس جسم خاکی کو ترک کر کے لازمی طور سے نجات ابدی میں داخل ہو جائینگی

(اتسرپنی) کا تیسرا اور دور نصفی نشیبی (اوسرپنی) کا چوتھا حصہ زمانہ خاص ہوتا ہے جس میں تیرتھنکر اور دیگر اعلیٰ ہستیاں عالمِ وجود میں آتی ہیں۔ اور اسی زمانہ میں خطۂ ہند سے پاک روحیں نجات پاتی ہیں۔ باقی حصص زمانی میں باب نجات اِس ملک کی ارواح کیلئے بند رہتا ہے۔

اِس بھرت چھیتر کی طرح پانچ بدیہہ چھیتر اور ہیں۔ جہاں دورِ زمانہ مثل زمانہ خاص کے ہمیشہ یکساں طور پر رہتا ہے۔ اور کوئی حصہ زمانی واقع نہیں ہوتا۔ پس قاعدہ کلیہ کے بموجب بدیہہ چھیتروں میں بیس تیرتھنکر ہمیشہ موجود رہتے ہیں اور اُن کے ہزاروں مقلد و پیرو اُن کی طرح سلسلۂ اعمال کو توڑ کر نجاتِ ابدی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان موجودہ پاک ہستیوں کو بھی جو عنقریب نجات پانے والی ہیں۔ اِس بیت میں سجدہ کیا گیا ہے۔

نمبر۴۔ اس کے بعد میں ان تمام پاک روحوں کی خدمت میں سر جھکاتا ہوں۔ جو نجاتِ ابدی حاصل کر چکی ہیں۔ اگرچہ وہ مقدس ہستیاں جملہ ارواح عالم سہ گانہ کی نسبت علم کامل کے بارگراں سے سب سے زیادہ محمول ہیں تو بھی بحر دنیا میں غرقاب ہونے والی نہیں ہیں۔

توضیح۔ اس بیت میں قابل مصنف نے ایک پُر لطف شاعرانہ رعایت یہ رکھی ہے کہ کلیہ قاعدہ کے بموجب جو چیز بھاری ہوتی ہے وہ اسی قدر جلد پانی میں ڈوب جاتی ہے لیکن نجات یافتہ روح باوجود اس کے کہ دُنیا کی تمام روحوں سے زیادہ علم کامل کے بوجھ سے گرانبار ہیں تو بھی بحرِ دُنیا میں کبھی نہ ڈوبینگی۔ اور اس سے اصول کی بات یہ نکلتی ہے کہ جب روح کو علم کامل حاصل ہو جاتا ہے تو وہ نجاتِ ابدی حاصل کر لیتی ہے۔ اور پھر کبھی زندانِ عالم میں مقید نہیں ہوتی۔

اسوجہ سے یہ کہا گیا کہ اُس نے درجۂ بہ دانی حاصل کرلیا ہے۔ گویا کہ یہ تینوں صفات روح کی ذاتی و جبلّی ہیں۔ لیکن انکا انکشاف اُسوقت ہوتا ہے جب وہ سلسلہ تناسخ سے رہا ہوکر نجات پاتی ہے اِس بیت میں قابل مصنف کا مفہوم اُن تمام ارواح پاک کی خدمت میں سرِ نیاز خم ہونے سے ہے۔ جو دورِ تناسخ سے رستگار ہوکر نجات ابدی حاصل کرچکی ہیں۔

نمبر۲۔ جو بیشمار روحیں زمانہ آئندہ میں جذبات نفسانی سے بیلوث ہوکر اور اپنی لاثانی ذاتِ خالص کے انکشاف سے کامل علم و سرور حاصل کرکے نجات پائینگی۔ اُن کو بھی سجدہ کرتا ہوں۔

توضیح۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کوئی ایک خاص روح ہی تمام عالمِ جاودانی کی شہنشاہ نہیں ہے بلکہ بہت سی روحیں اب تک نجاتِ اَبدی حاصل کرچکی ہیں۔ اور زمانہ مستقبل میں بیشمار روحیں وقتاً فوقتاً دائرہ تناسخ سے رستگاری پاتی رہینگی۔ اِس بیت میں قابل مصنف نے یہ بتلایا ہے کہ رستگاری پانے کا ذریعہ محض جذبات نفسانی (رغبت و نفرت غصہ۔ غرور۔ کرو طمع) سے قطعاً پاک اور بے لوث ہوجانا ہے۔ اسی سے روح کی اصلی صفات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور تب ہی علم کامل اور سرور دائمی میسّر آتا ہے اور روح کی اسی حالت کا نام نجات ہے۔

نمبر۳۔ ان موجودہ پاک ہستیوں کو بھی سجدہ کرتا ہوں جو اصلی صفاتِ روحانی میں جذب ہوکر آتش تصوف سے خاشاکِ عمل کو خاکستر کررہی ہیں اور شاہراہ نجات پر گامزن ہوکر منزل مقصود کے عین قریب آچکی ہیں۔

توضیح۔ ملک ہندو بھرت چھیتر میں ایک مقررہ دور زمانہ دو حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک دور نصفی چھ حصوں میں منقسم ہوتا ہے جنمیں سے تین حصے مکافاتی (بھوگ بھوم) اور تین حصے عملی (کرم بھوم) کہلاتے ہیں۔ دور نصفی افزائی

جنہوں نے آتشِ مراقبت میں افعال سابقہ کو جلا دینے سے حیاتِ جاودانی ۔ جلوۂ سبحانی اور درجۂ ہمہ دانی پاکر نجاتِ ابدی حاصل کر لی ہے۔

توضیح:- یوں تو ہر روح بلحاظ اپنی صفات ذاتی کے فطرتاً قائم الحی ہے ۔ نہ کبھی مرتی ہے نہ جیتی ہے ۔ لیکن مکافاتِ عمل کے لحاظ سے اسکو ہمیشہ نئے نئے مختلف قالبوں میں نزول کرنا پڑتا ہے جو مہبط حیات وممات رہتے ہیں۔ بس پاک ہستی کو یہاں سجدہ کرنا مقصود ہے ۔ نہ وہ جسمی ہے جو خود کردہ نیک و بد اعمال کی وجہ سے پیشتر دم تناسخ میں مبتلا تھی لیکن بالآخر اس اپنی صفات ذاتی میں محو ہو کر تمام لوث عمل کو جو سبب حیات وممات کا تھا زائل کر دیا ہے ۔ اب وہ نجات یافتہ روح جس حالت میں ہے اسی حالت میں رہیگی موت و زندگی کے عوارض اس سے کبھی لاحق نہ ہونگے ۔ اس لئے اسکی حالت کو حیاتِ جاودانی کہا گیا۔

چنانچہ ہر روح اپنی حیثیت سے بالکل پاک و بے لوث ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ نیک و بد اعمال کی کثافت روزِ نزل سے وابستہ تھی ۔ جسکو اس نے ریاضتِ مراقبت کی جاروب سے بالکل صاف کر دیا ہے ، اور اسوجہ سے اب اس کے ذاتی جلال کا انکشاف ہو گیا ہے ۔ لہٰذا اس لحاظ سے یہ کہا گیا کہ نجات یافتہ روح نے جلوۂ سبحانی پالیا ہے ۔ اسیطرح ہر روح بالفعل حیت عالم کل ہے ۔ لیکن اب تک اس کا ذاتی علم یوں ہی پردۂ اعمال سے پوشیدہ ہونیکے سبب نور افشاں نہ تھا جیسے آفتاب کی روشنی اس کے اوپر بادل چھا جانے سے تاریک ہو جاتی ہے ۔ اب چونکہ اس پردے کے اٹھ جانے سے روح کا ذاتی علم منور ہو گیا ہے ۔

جلوۂ کامل

از درخشاں

سپاس و سجود

رُباعی

مشہور اگرچہ عالم الغیب ہے تو
لیکن ہمہ داں بیشک دلاریب ہے تو

میں کیا ترے قدموں پہ زمانہ ہی نثار
وہ راہبرِ مسلکِ بے عیب ہے تو

نمبر ۱۔ میں ان قابلِ قدر ہستیوں کو سجدہ کرتا ہوں

عدتک متلاشی حق کو مزید تحقیقات کی تکالیف سے نجات ملجاتی ہے۔
اسکی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شری برہم دیوجی نے اسکا سنسکرت
میں ترجمہ کیا پھر پنڈت دولتارام جی نے اسے برج بھاشا کا جامہ پہنایا بعدازاں
پنڈت منوہر لعل جی نے اُسے موجودہ مروجہ ہندی بھاشا کے ملبوس سے آراستہ و
پیراستہ کیا۔ اور آنریبل کارانگریزی داں اصحاب کو اُس کے بیشمار فیوض و فوائد سے محروم دیکھکر
اسکا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنا پڑا۔ اب جناب درخشاں صاحب بلند شہری
کی کلک گوہر فشاں نے اسے "جلوۂ کامل" کی صورت میں پیش کیا ہے
قابل مترجم کی سحر طرازی اور جادو بیانی کا زمانہ معترف و قائل ہو چکا ہے لہذا
انکی ہر تصنیف یا ترجمہ کے محاسن کا تذکرہ کرنا تحصیل لاحاصل نہیں تو اور کیا ہے؟
اس خیال سے جناب درخشاں صاحب کو بھی اس کامیاب کوشش پر صرف ہدیۂ مبارکباد
پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے قارئین کرام سے استدعا کرونگا کہ وہ جلوۂ کامل سے مستفیض
ہونیکی پوری پوری کوشش کریں تاکہ قابل مترجم اور فرخندل محرک کی مساعی جمیلہ بارور ہوں

چندولعل چین آنریبل ایل ایل بی ایڈوکیٹ جوائنٹ ایڈیٹر چین پرکاش پبلیکیشنز دہلی

تمہید

شری یوگیندر آچاریہ کا اسم گرامی انکی اعلیٰ اور قابل قدر تصانیف کے باعث دُنیا علم و ادب میں ایک دوامی شہرت حاصل کر چکا ہے "یوگ سار" "نوکار شراوک آچار" "سوتر پرکاش" "سوتر پرکاش سوتر ریکا" وغیرہ کے علاوہ پرماتما پرکاش بھی اُن کے ہی زور قلم کا نتیجہ ہے جو کہ انہوں نے پربھاکر بھٹ کے استفسارات پر برائے افادۂ عوام پراکرت زبان میں ۳۴۵ دوہا چھند میں تحریر فرمایا تھا۔

پرماتما پرکاش کیا ہے؟ یہ جین لٹریچر کا وہ گوہر تابدار ہے جسکی ایک معمولی جھلک سے "روح و خدا" "حیات و ممات" "دُنیا و عاقبت" "عذاب و ثواب" "خوب و زشت" اور غیر و خود کے متعلق جملہ رموز نہاں اور اسرار پنہاں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اور ایک

جین مترمنڈل ٹریکٹ نمبر ۶۱

اوم

شری یوگندر آچاریہ کی تصنیف پاک "پرماتما پرکاش"

کا اردو ترجمہ

جلوۂ کامل

از قلم

دبیر قوم لالہ بھولا ناتھ جینی درخشاں قضا عدالت بلند شہر

جسکو

حسب فرمائش جناب رائے بہادر لالہ پارسداس صاحب رئیس آنریری میجسٹریٹ

دہلی

جین مترمنڈل دہلی نے ان کے صرف ذاتی سے طبع کرا کر

لکشمی پریس دہلی باہتمام پنڈت ہتیارام مالک مطبع شائع کیا

تعداد طبع ۱۰۰۰ سنہ ۱۹۲۸ء قیمت ۳ر

کی دلچسپ اور پُر لطف سیر

پانچویں کتاب

اردو ترجمہ

چلو چاند

از

الحاج الحافظ محمد اسحٰق خطیب فخر الاسلام مسجد شہید گنج

لاہور

اطلاع

اس رنگیشن کی ایک ہزار کاپی اور شاہل بکا چھپوائی
انجمن چھاپی کی طرف سے مفت بکا چھپنگی یاد میں
چھپوائی ہیں، اور ایک ہزار سے زیادہ لانا منظور نہیں
ہیں گورنمنٹ پنجاب و فرسٹ کلاس ہیرٹیج امیر کی
طرف سے خالص کی گئی ہیں۔ منشی ہرمکھ سنگھ
کاتب دل سے خدمت انجام کی ہے۔

سکھ ذی

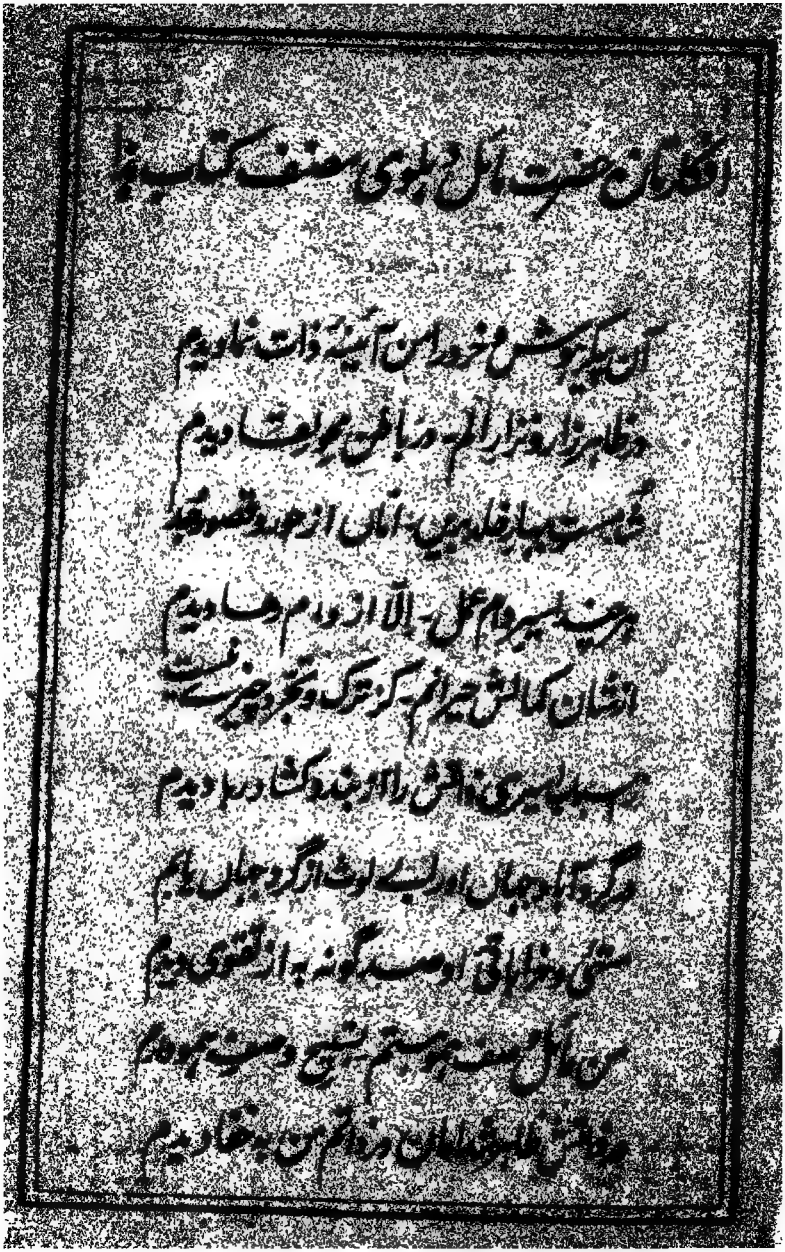

از گفتار حضرت اوّل دہلوی مصنف کتاب ہذا

آن سیہ پوشش خرد من آئینہ ذات نما دیدم
در ظاہر زار و نزار آلم در باطن مرآت دیدم
شہ است بیمار غلامیں آماں از جود فصد بجد
در عین بیہوشم عمل - الّا از وہم وہا دیدم
انسان کمالش حیرانم - کز حرکت و تجرد چیزے نیست
سبب بیسری نالش را از جذبہ کشادہ دیدم
گر کوہ جہاں ارزے لوث از گرد جہاں دارم
مستی و خرابی او صد گونہ بہ از تقوی دیدم
من سائل وصف ہو ستم تسبیح و صف ہو دم
در فاقہ غلیو شادان در زہد من بہ خادیدم

بس بیسری کا سبب اگر بھول ہے میری مگر — وہ بھی مکس غیر ہو نظری خطا مجھ میں نہیں
میری غفلت خود بنی پردہ میرے اوصاف کا — لیکن اک حد تک کہ مطلق تو فنا مجھ میں نہیں
جب تلک آلودہ اعمال ہوں دنیا میں ہوں — پاک ہوں تو میں ہی میں ہوں اور کچھ میں نہیں
سر بسر ہوں، چہرہ پیہم ہوں، شد ہا تا پرہا تا — عبدیت معبودیت: بندہ، خدا مجھ میں نہیں
علم کل ہوں، طاقت کل ہوں، سور کل ہوں — ہوں بسیط کل، رکاوٹ ایک ذرا مجھ میں نہیں
دیکھتی ہوں۔ جانتی ہوں ہر شے ہر جگہ — خود مست شائبہ دوئی و درد کا مجھ میں نہیں

مائل اوصاف خود ہوں۔ ساکن اوصاف خود
واحد و لاشریک ہوں، دخل اور کا مجھ میں نہیں

روح کی حقیقت
روح کی زبانی

ابتدا مجھ میں نہیں ہے، انتہا مجھ میں نہیں
میں بقائی ہوں ہمیشہ ہوں فنا مجھ میں نہیں

غیبت و نفرت نہیں، کبر و دغا مجھ میں نہیں
نفس آماوہ نہیں، حرص و ہوا مجھ میں نہیں

نیک و بد رحم و ستم لطف و غضب سے پاک ہوں
دخل اچھے اور بُرے جذبات کا مجھ میں نہیں

خاکی و بادی نہیں ہوں، آتشی آبی نہیں
تیرگی مجھ میں نہیں، نور و ضیا مجھ میں نہیں

آفتابی ہوں کتابی ہوں نہ خوب و زشت ہوں
کوئی نقشہ ہی نہیں کوئی ادا مجھ میں نہیں

آنکھ کیا دیکھے مجھے، اور ہاتھ کیونکر چھو سکے
پانچ حس میں ایک کا بھی انعکاس مجھ میں نہیں

آتما، ہندوستاں میں ہوں، عرب میں روح پاک
آپ ہوں آپے میں اپنے دوسرا مجھ میں نہیں

قید ہوں گو جسم اعمالی و خاکی میں ہنوز
ہوں مگر سب سے جدا میرے سوا مجھ میں نہیں

جسم میں اس طرح ہوں جس طرح آئینہ میں عکس
میں ذرا اس میں نہیں اور وہ ذرا مجھ میں نہیں

ہوں اگرچہ مختلط غیروں سے مثلِ آب و شیر
لیکن اک ذرہ بھی دخلِ ماسوا مجھ میں نہیں

ادراک۔ لفظ و معانی۔ مراقبہ۔ اور روشنضمیری وغیرہ علوم کی منزلیں طے کر چکتی ہیں۔ باقی دو ہی روح اپنے اپنے مطلب اور منشا کے موافق سمجھ سکتے ہیں۔

پھر رفتہ رفتہ یہ غیر مخرب اعمال بھی نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور روح جسم عنصری کی قید اور دیگر تمام تعلقات سے آزاد ہو کر نجات ابدی حاصل کر لیتی ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی دنیا میں نہیں آتی۔ جبیشہ علم کل۔ نظر کل۔ طاقت کل اور سرور کل وغیرہ اپنی ہی صفاتِ ذاتی میں محو رہتی ہے۔ اور اسی پاک روح کو پرماتما کہتے ہیں ؛

"فقیر مائل" عفی عنہ دہلوی

ہی میں درجہ بدرجہ چڑھتے ہوئے جُدا ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سی لقوۃ الاثبات کے پہلے اور دوسرے درجے میں علٰحدہ ہو جاتی ہیں۔ تیسرے درجے کے شروع ہوتے ہی حجاب العلم۔ حجاب النظر۔ مقلب۔ وجمر اور قاطع یہ چاروں قسم کے مخرب[1] اعمال بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ بس انہی چاروں کا روح سے تعلق تھا۔ یہی اُسکی ذاتی صفات میں خزاں پیدا کرتے تھے۔ باقی حساس۔ اسم ذات۔ اور عمر و نوعیت وغیرہ غیر مخرب اعمال کا روح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محض بیرونی اسباب فراہم کرنے والے ہیں۔

پس اعمال مخرب کے جُدا ہوتے ہی روح کی ہر چہار صفات ذاتی اپنی پوری آب و تاب سے ہویدا ہو جاتی ہیں۔ پھر کوئی حجاب اور خرابی باقی نہیں رہتی۔ اِس کے بعد روح کے علم کل کی ضو بلا روک ٹوک تمام معلوماتِ خفی و جلی پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اسی حالت کو جیون مکتی کہتے ہیں۔ اور اسی عالم میں اِس مقدس روح کے روئیں روئیں سے ایک آواز نہایت خوش آیند نکلتی ہے۔ جس سے دنیا اور دنیا کے اسباب۔ روحوں کی عارضی و ذاتی صفات۔ نجات اور نجات کا طریقہ۔ غرض جملہ راز و اسرار خفی و جلی ہویدا ہوتے ہیں۔ مگر اُس آواز کے حقیقی معنے تو وہی مقدس روحیں سمجھتی ہیں جو خود بھی عنقریب اُسی درجے تک پہنچنے والی ہوتی ہیں۔ اور فہم و

---

[1] اعمالِ مخرب لفظ گھاتیا کرم کا ترجمہ ہے۔ اعمال کی آٹھوں اقسام جلی میں دو حالتیں مانی گئی ہیں۔ ایک گھاتیا۔ دوسرا اگھاتیا۔ یا مخرب اور غیر مخرب۔ مخرب کی تعریف یہ ہے۔ کہ وہ صفاتِ روحی کو خراب کرتے ہیں۔ اور غیر مخرب کی یہ تعریف ہے کہ وہ بیرونی بہتری و بدتری کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ روح کی صفات کا کچھ نہیں کر سکتے۔

میں ہی حاصل ہو چکا ہے۔ اِس کے بغیر تو ایک قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ اب جو منزل طے کرنی ہے وہ بزمچریہ کے حقیقی معنوں میں طے کرنی ہے۔

حقیقی معنے یہ ہیں۔ کہ جس طرح عورت کا مرد سے تعلق ہوتے ہی دونوں کی عصمت خراب ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح روح کا مادے سے تعلق ہوتے ہی۔ دونوں کی حالت اور خاصیت بگڑ جاتی ہے۔ یعنی روح میں جذبات اور مادے میں قوت اعمال فوراً پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب تک ان دونوں میں اتصال و یک جائی رہتی ہے۔ ایک جوہر بھی اپنی اصلی حالت اور خاصیت پر نہیں آسکتا۔

جس طرح آوواراک شریر یا جسم خاکی و نظری اطبائے ہند کے نزدیک گوشت پوست۔ چربی۔ رگ۔ ریشہ۔ خون۔ ہڈی اور منی۔ وغیرہ سات دھاتوں سے بنا ہے اسی طرح کارانہ شریر یا جسم اعمالی بھی بین فلاسفروں کے نزدیک حجاب العلم[1] حجاب النظر۔ مقلب[2] و قاطع[3]۔ حساس[4]۔ اسم و دات[5]۔ عمر[6]۔ و نوعیت[7] وغیرہ آٹھ دھاتوں سے بنا ہے۔ یہی گویا اعمال کی اقسام جلی ہیں۔ اور اقسام خفی ۱۴۸ ہیں جن کی تشریح یہاں باعث طول سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں۔

جب اکنچنیہ و ہرم یا بے ملائمتی تک پہنچکر روح کو کامل اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو ہرم دھیان یا تصور اشٹے کے چاروں مرحلے طے کرنے کے بعد شکل دھیان تصور ذات قائم ہونے لگتا ہے۔

مگر مذکورۂ بالا اعمال کی ۱۴۸۔ اقسام خفی میں سے بہت سی تو تصور اشٹے

---

[1] گیانا ورنی [2] درشنا ورنی [3] بیدنی [4] موہنی [5] نام [6] گوتر [7] آیو اور [8] انتراے۔

ہے۔ جاب علم دور ہونے لگتا ہے، فہم[۱] و ادراک اور علم لفظ و معانی[۲] تو پہلے ہی سے موجود تھا اب[۳] مراقبہ اور مراقبے سے روشن ضمیری[۴] کی منزلیں طے ہونے لگیں۔ آلایش عمل کا ایک بہت بڑا حصہ صاف ہو چکا ہے۔ اور ہوتا جاتا ہے۔

اتم برہمچریہ یا اعلےٰ عمل الروح

لفظ برہمچریہ دو لفظوں سے مرکب ہے برہم اور چریہ۔ برہم آتما یا روح کو کہتے ہیں اور چریہ پر برتی یا عمل کا نام ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے جو لفظ بنا اُس کے معنے ہوئے عمل روحانی۔ یہ تو لفظی معنے ہیں۔ مگر اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے۔ ایک رسمی معنوں میں۔ دوسرا حقیقی معنوں میں۔

رسمی معنی یہ ہیں کہ آتما یا روح نہ بذاتِ عورت ہے۔ نہ مرد ہے نہ مخنث ہے۔ لہٰذا اس کا جسم کی وجہ سے عورت مرد اور مخنث بن کر اُنکے سے افعال نہ کرنا ہی گویا عمل روحانی ہے۔ لیکن برہمچریہ کا یہ درجہ تو روح کو ریاضت کی ابتدا

---

[۱] متی گیان [۲] شرت گیان [۳] اودھ گیان۔

[۴] من پریہ گیان۔ اگرچہ سوکشم لوبھ دسویں گن استھان میں مانا ہے مگر وہ ستو کی اپکرشا سے کہا جاتا ہے اور یہ آٹھواں گن استھان ہے۔ اپشم کی اپیکشا سے کہا گیا ہے۔ اکھنیہ بھاؤ یہاں ضرور ہوتا ہے کیونکہ یہ گن استھان شکل دھیان کے پلٹنیہ کا ہے۔

ساتویں دھیان سے شروع ہوتا ہے۔ آٹھویں میں چار گیان کا دھارن شرت کیولی ہو کر شکل دھیان کا آغاز کرتا ہے۔ اور اپشم پاکشپک شیرنی کا بھی یہیں سے آغاز ہوتا ہے۔

یہی حق اندیشی گویا ایک زبردست لگام تھی جس سے دل یا حسِ مشترک کو فوراً قابو کرلیا گیا۔ اور دل کے ساتھ پانچوں حواس بھی خود بخود بس میں آ گئے۔ لاپروائی دفع ہوئی اور روح اپنے ارادے میں بالکل کامیاب ہوگئی **ریاضت** اور ترک کے ساتھ اُتم سینم وہرم یا اعلیٰ درجے کا انضباط روح کی سطح پر نمایاں ہوا۔

اُتم اکنچنیہ دہرم یا اعلیٰ درجے کی بے لوثی بابے علائقی

اب اس مقدس روح کے لئے بارہ قسم کی ریاضت اور نفس کشی میں کوئی امر یا سبب مانع و سدِ راہ نہیں رہا اور اس نے آزادی کے ساتھ ریاضت میں درجہ بدرجہ ترقی کرکے آلایش عمل کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ تاہم کبھی کبھی کچھ خفیف سی اُلفت ماسوا کی جھلک اسکے حالِ خیالِ باطنی میں آجاتی ہے جسکو یہی خود محسوس کرتی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ یا کم سے کم نجاتہی کی خواہش کبھی کبھی جھلک جاتی ہے مگر باریک سے باریک خطرات بھی اسکے رستہ میں دیوارِ آہنی کی طرح حائل ہیں۔ جو صفائی کامل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ لیکن آخرکار وہی صادق العلمی کا نور وقت اور موقعہ پاکر ان کو بھی دفع کر دیتا ہے اور روح یا آتما میں اُتم اکنچنیہ دہرم یا اعلیٰ درجے کی بے تعلقی جلوہ گر ہوتی ہے۔

یہاں پہنچکر تصور[1] اشے[2] تصور الذات قائم ہوتا ہے۔ درجہ بدرجہ ترقی ہوتی

---

[1] دہرم دہیان۔
[2] شکل دہیان۔

کرنے لگی۔ کبھی کسی کے عطر میں بسے ہوئے ڈوپٹے کی خوشبو نے دماغ معطر کر دیا
کبھی طعام گوناگوں اور لذائذ بوقلموں کے چٹخارے سے منہ میں پانی بھر آیا۔
سردی گرمی۔ اور برسات کے لطف۔ قاقم و سنجاب کے نرم نرم بچھونے یا پھولوں
کی سیج اور خواب راحت کے مزے یاد آنے لگے۔ ساتھ ہی دل نے بھی مختلف
خواہشات کی فہرست بنا کر پیش کر دی۔ اور پھر کسیقدر لاپروائی کی گرد سے روح
کا آئینہ نادیدہ ہو گیا۔ مگر صادق العلمی کا فرشتہ فوراً رومال لیکر اٹھا۔ اور اس نے
اس غبار کو یوں پاک کرنا شروع کیا۔

"یہ لاپروائی۔ لذات حواس خمسہ۔ اور دل کی خواہشات سب مجھ سے جدا
ہیں میرے سخت دشمن ہیں۔ انہوں نے ازل سے لیکر آجتک مجھے خراب و سرگردان
کیا ہے۔ اب بھی اگر میں نے انکو زیر نہ کیا اور یونہی بے لگام چھوڑ دیا تو یہ میرے تمام
پاکیزہ خیالات کو اس طرح پراگندہ کر دیں گے۔ جس طرح کسی باغیچے یا گلبن میں
بہت سے بندروں کو آزادی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ اور وہ اپنی جبلی عادت
کے موافق اُن کو آن واحد میں تباہ و برباد کر ڈالیں۔ لہذا مجھے بھی انہیں بڑی
مضبوطی کے ساتھ قابو کرنا چاہیئے۔ میں دیکھتی ہوں۔ آنکھ بلبل و پروانہ کو۔ زبان
مچھلی کو۔ ناک بھونرے کو۔ کان ہرن کو۔ اور لامسہ ہاتھی کو۔ غرض ہر ایک کو ایک
ایک حس کی لذت۔ صیاد کے پھندے میں پھنسا دیتی ہے۔ حتی کہ جان تک نذر اجل
کرا دیتی ہے۔ اور میرے دو پانچوں حواس سرکش ہیں۔ میں نے اگر ان کو ان کی
لذتوں سے باز نہ رکھا تو یہ مجھے لاانتہا زمانے تک خراب و پریشان رکھیں گے اور پھر
یہ موقع مجھے ہاتھ نہ آئے گا۔

انسانی کے شجر کا پھل کھایا۔ اور دنیا میں آکر جو کچھ کرنا چاہیئے تھا کر لیا۔ لیکن جو غریب محتاج اپاہج اور بے یار و مددگار ہیں۔ اہل ضرورت ہیں اور مستحق ہیں۔ میں اُن پر رحم کر کے اُن کو خیرات دوں اور بڑے شوق سے دوں بلکہ صرف یہی چار چیزیں نہیں اُنکی ضرورتیں ہر طرح سے رفع کرنا میرا فرض ہے۔ ورنہ ع

برسلئے نہادن چہ سنگ و چہ زر

لیکن جب میں دنیا سے کنارہ کروں تو جو کچھ میرے پاس ہے۔ سب کو اصل ضرورت واہل استحقاق میں نہایت منصفی سے تقسیم کر دوں اور خود بڑی مستعدی سے اپنے پیر طریقت کا حلقہ اطاعت آویزۂ گوش بنا کر بالکل آزاد ہو جاؤں۔

اِس پاکیزہ خیالی کے نورانی شعلے نے ہوا و ہوس کے کوڑے کو اِس طرح جلا کر خاکستر کر دیا جس طرح اک ذرا سی چنگاری سے چشم زدن میں جنگل کے جنگل خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر روح کا آئینہ صاف و مجلا ہو کر چمکنے لگا جس میں اُتم تیاگ و ہرم یا ریاضت کا سب سے بڑا حامی اور اعلیٰ درجے کا ترک رونما ہوا

اُتم سینم یا انضباط

ہوش دفع ہوتے ہی ترک اور ترک کے ساتھ ریاضت کا شوق پھر روح کے ایک اک پردیش سے چمکنے لگا۔ مگر افسوس پہلو میں چپکے چپکے حواس خمسہ اور دل یا حس مشترک نے پھر ٹپکیاں لینی شروع کر دیں۔ کبھی کسی کی پیاری پیاری صورت کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ گیا۔ کبھی کسی کی سریلی اور دلکش آواز۔ دعوتِ گوش

خاکی وجود کو بھی خاک میں ملا دوں۔ اور جسمانی خودی کو فنا کر کے روحانی خودی میں محو ہو جاؤں۔ جب تک مجھے یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تبدریج اسکی کوشش کرتی رہوں۔ دنیا میں رہ کر مجھے مال و دولت۔ عزیز و اقارب اور دیگر سامانوں سے اپنی تو صرف وہی ضرورتیں پوری کرنی چاہئیں جو نہایت ضروری مناسب اور قرین انصاف ہوں باقی سے اپنے دوسرے ہمجنسوں کی حاجتیں رفع کرنا میرا فرض ہو۔ جس کے واسطے مجھے پانچ قسم کی خیرات کے لئے اپنے دروازے ہر وقت کھلے رکھنے چاہئیں۔

اول کھانا جس سے دوسرے صادق العلم اور مردان ریاضت کیش کی زندگی قائم رہ سکے اور وہ اپنے منشا میں پوری کامیابی حاصل کر سکیں۔

دوم ادویات جس سے انکی تندرستی قائم رہے اور وہ اپنے تمام فرائض باقاعدہ ادا کر سکیں۔ لیکن وہ نہایت پاک ہوا اور طریق استعمال بھی نہایت مناسب ہونا چاہیئے۔

سوم بے خوفی۔ یعنی ہر ایک ذی روح دنیا میں مجھ سے بالکل بے خوف رہے اور میں دوسروں کے خوف رفع کرنے میں خواہ وہ کسی صورت سے ہوں مال تو کیا جان تک بھی نثار کر دوں۔ لیکن انصاف کا پہلو ہمیشہ مدنظر رہے کسی کی رعایت کا اس میں ذرا بھی شائبہ نہ ہو۔

چہارم علم۔ یعنی مقدس کتابیں قلمی لکھوا کر یا چھپوا کر طلبا اور شائقین مطالعہ کی نذر کروں۔ مدارس و درسگاہیں میری طرف سے جاری ہوں اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہو دنیا میں روحانیت۔ علوم متعارفہ اور تمام ضروری معلومات کے دریا بہا دوں۔

پنجم رحیمی۔ یعنی یہ چاروں قسم کی مذکور الصدر خیرات صالح۔ ریاضت کیش اور مردان صادق النظر کو تو بصد تعظیم و تکریم دینی چاہیئے۔ اور دیگر یہ سمجھنا چاہیئے کہ آج میں نے جامہ

اِس کا دل لُبھانے اور محبت کے جال میں پھنسانے کے لئے سامنے آگئیں۔ قریب تھا کہ انکی دلربائی کے دھوکے میں آجائے اور یہ ہاتھ میں آئے ہوئے گوہر نایاب کو پھر اس تغیرات کے سمندر میں پھینکدے کہ اسی کی **صادق العلمی صادق النظری** نے پھر اسے روشنی دکھائی اور یہ سوچنے لگی۔

دنیا کے جسقدر سامان ہیں وہ سب مجھ سے جدا ہیں حتی کہ یہ جسم تک میرا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بھی ایک دن مجھے ضرور جُدا ہونا پڑے گا۔ اور یہ سب بھی بہرکیف مجھ سے علیحدہ ہونگے۔ پھر میں ان میں پھنسکر اپنے ضروری اور لازمی سفر سے کیوں باز رہوں۔ جبکہ میں منزل مقصود تک پہنچنے کی قابلیت حاصل کرچکی ہوں۔ اور ضرور پہنچ سکتی ہوں۔

یہ تمام سامان ازل سے لیکر آجتک بارہا مجھے ملے ہیں۔ اور بارہا مجھ سے جُدا ہوئے ہیں۔ اِس سے عمدہ اور بہت زیادہ بھی ملے۔ ان میں سے خراب و قلیل بھی میرے حصے میں آئے لیکن میری ہوس نہ انکی زیادتی اور عمدگی سے کبھی پوری ہوئی نہ انکی کمی اور بُرائی سے کبھی مجھے صبر آیا۔ میں نے ہمیشہ انکی چاہ میں ناگفتہ بہ تکلیفیں اُٹھائیں۔ اور اُٹھا رہی ہوں۔ مگر اب تک مجھے انکی حقیقت کا صحیح علم نہیں ہوا تھا اب یہ راز منکشف ہوا ہے۔ پس اب بھی اگر میں ان ہی میں گرفتار رہی تو یہ گردش ابد الآباد تک بھی ختم نہ ہوگی مجھے چاہیئے کہ میں ان سب سے اکدم قطع محبت کرلوں دنیا کی دلچسپیوں میں سے ایک تنکا یا ایک تار بھی میرے پاس نہ ہو۔ اور نہ صرف بظاہر بلکہ میرے ذہن و خیال میں بھی ان کا کوئی عکس باقی نہ رہے۔ میں بالکل اپنی وہی صورت بنالوں کہ جو عدم سے لیکر وجود میں آئی تھی۔ دنیا کے سارے بہروپ چھوڑ دوں۔ اِس

قائم ہوجانا کہ جس طرح صفحۂ سنگین پر سنگ تراش کے ہاتھ کا ٹانکی سے بنایا ہوا کوئی نقش۔ جسے کسی صورت سے حرکت ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر یہ صور چار قسم کا ہے جن میں ایک روح کی اصلاح کرتا ہے اور دوسرا اسکو بالکل پاک کر دیتا ہے جو نہایت ضروری ہیں۔ مگر انکی تشریح تو کیا، یہاں مختصر بیان بھی غیر ممکن ہے۔ ہاں اگر پبلک نے شوق ظاہر کیا تو آیندہ کسی رسالہ میں دیکھا جائے گا۔

بس یہ ہے بارہ قسم کی ریاضت جسکے بغیر تخلیص و تزکیہ روح ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر مذکور الصدر پانچوں جذبات کثیف کے دفع ہونے پر بھی ابھی روح پر ماو یا غفلت میں پھنسکر حیرن سرگردان ہوتی ہے۔ غنیمت ہے کہ اب اس نے غفلت کو بھی اپنے سے جدا جانا۔ اور جدا جانکر اپنی خاصیت کی طرف رجوع ہوئی تو اتم تپ دہرم یا اعلے درجے کی ریاضت آئینہ روحی میں عیاں ہوتے ہی پرائے اجرائے اعمال اک دم سے بیکار ہو ہو کر علیحدہ ہونے لگے۔

اُتم تیاگ دہرم۔ یا اعلیٰ درجے کا ترک

غفلت سے ہوشیاری ہوئی اور ریاضت نے روح پر اپنا اثر ڈالا۔ مگر ہوس نے برابر سے چمک کر فوراً دامن پکڑ لیا اور اپنے بدنما عکس سے پھر اسکے پاکیزہ خیالات کو گدلا منیا کر ڈالا۔ بلکہ ایک ایسا طلسماتی منظر اسکے سامنے پیش کر دیا کہ یہ اس میں ہمہ تن محو ہو کر رہ گئی۔ خوبصورت عورتیں۔ عزیز و اقارب۔ مال و خزانہ۔ محل و مکان۔ نوکر چاکر۔ لونڈی غلام اور جاہ و حکومت۔ غرض صدہا صورتیں

مطالعہ[1] یعنی روحانیت کے متعلق ہمیشہ مطالعہ کتب جاری رکھنا۔ اپنے پیر کی ہدایات بڑے غور سے سننا اور دریافت کرکے شکوک رفع کرنا۔ دوسروں کو خود ضروری اور مناسب ہدایت و تلقین کرتے رہنا سنتے اور پڑھے ہوئے مسائل پر دل ہی دل میں غور و خوض کرنا جس طرح اور جس صورت سے لفظ و معانی یا بیان کا سلسلہ متقدمین نے قائم کیا ہے اسکے خلاف اپنے ذہن سے کوئی نئی تراش خراش نکالنا

سکون[2] یعنی تمام خواہشات اور اپنے جسم تک کی محبت چھوڑ کر بیٹھنا۔ یا کھڑے ہونا۔ بیٹھنا تو اس طرح بیٹھنا کہ تار نظر اور ناک کی پھننگ دونوں کا تقابل بالکل قائم ہوجائے۔ آلتی پالتی اس طرح جمے کہ دونوں پاؤں دونوں رانوں پر رکھے جائیں اور دونوں ہاتھ اوپر نیچے پاؤں کے دونوں تلوؤں پر اس طرح قائم ہوں کہ اگر ناک کی پھننگ سے پانی کی بوند ٹپکے تو ہتھیلی کے عین بیچوں بیچ آکر پڑے۔ کھڑے ہونا تو اس طرح کھڑے ہونا کہ بالکل سروقد مگر نظر کو اسی طرح قائم کرکے۔ اور دونوں پاؤں کے درمیان ایڑی کی جانب سے تقریباً چار انگلی کا فاصلہ چھوڑ کے اور ہاتھ دونوں سیدھے کرکے اس طرح ٹکائے جائیں کہ گھٹنوں سے قریب قریب برابر رہیں۔ پس ان دونوں میں سے جسم کو کسی ایک صورت پر قائم کرکے بالکل بے حس و حرکت ہوجانے کا نام سکون ہے۔

تصور[3] یعنے خیال کا بالکل یکسو اور غیر متحرک ہوکر کسی ایک معلوم پر اس طرح

---

[1] سواد ہیلے کا ترجمہ ہے [2] یہ کانیو استرگ کا ترجمہ ہے [3] یہ دھیان کا ترجمہ ہے اس سے پہلے جوگیارہ قسم کی ریاضت بیان کی گئی ہے وہ اسی کی مضبوطی کے لئے ہے۔ اسکی اقسام جلی جاہیں اور خفی ۱۶ ہیں جن کا بیان نہایت ضروری اور کارآمد ہے۔ مگر اس چھوٹے سے مضمون میں قطعی غیر ممکن ہے۔

سے سہواً یا مجبوراً۔ ارادتاً یا بلا ارادہ اگر کوئی غلطی یا خطا ہو گئی ہے تو پہلے اُس کا بڑی صفائی اور سچائی سے اپنے پیر کے سامنے اقرار کرنا پھر خود سزا کے لئے درخواست کرنا۔ اور پیر جو مناسب یا غیر مناسب شکل یا آسان سزا تجویز فرمائے اُسے بلا حجت بڑے شوق و مستعدی سے قبول کرنا۔ اور سزا کو دل میں اپنے ہی اعمال نیک و بد کے طابع ہونے کا پھل یا ثمرہ سمجھکر خوش ہونا کہ چلو اچھا ہوا۔ قرضۂ اعمال میں سے اسقدر جزو ادا ہو گیا۔ یہ دشمن نہایت قوی تھا۔ نہ معلوم کیا کرتا۔ اور کیونکر مجھے ستاتا۔ غنیمت ہے کہ میری ریاضت کے اثر سے اتنا ہلکا ہو کر طابع ہوا کہ محض مرشد کامل کے کسی قدر عتاب پر ہی ختم ہو گیا۔"

ادب[1] یعنی اپنے پیر کی اطاعت اور تعظیم کرنا ہمیشہ دل سے زبان سے اور جسم سے اُس کا مداح رہنا۔ علاوہ پیر کے اپنے حلقے کے مریدوں میں۔ یا دیگر سلسلوں میں جو اپنے سے بڑے ہیں۔ عمر میں یا علم میں اُنکی تعظیم کرنا۔ جو برابر کے ہیں اُن کا بھی لحاظ رکھنا اور جو چھوٹے ہیں اُنسے بہ اخلاق پیش آنا۔

خدمت[2] یعنی ضرورت کیوقت اور تکلیف میں۔ اپنے امکان اور اپنی پابندیوں کا لحاظ رکھکر دوسروں کی خدمت کرنا حتی المقدور اُنھیں اپنے خیال اور جادۂ طریقت سے ٹلنے نہ دینا۔ اُنکے جسمانی علاج کی مناسب تدابیر عمل میں لانا۔ اور کسی قسم کی غلاظت سے جو بیماریوں میں اکثر پیش آیا کرتی ہیں نفرت نہ کرنا۔ مگر جسمانی علاج سے روحانی علاج کو ہمیشہ مقدم سمجھنا۔

---

[1] یہ بچن کا ترجمہ ہے۔

[2] یہ سیوا کرنی کا ترجمہ ہے۔

برداشت۔ یعنی اس احتیاط پر بھی اگر غلطی سے کسی ایسی جگہ سو جائے بیٹھ جائے یا محو و مشغول ہو جائے تو جب تک وقت پورا نہ ہو ہر ایک وقت کو نہایت صبر اور اطمینان کے ساتھ برداشت کرے غصے یا نفرت وغیرہ جذبات کو طبع میں نہ آنے دے۔ علاوہ ازیں اپنے جسم کو متحمل اور عادی بنانے کے لئے گرمی میں دوپہر کے وقت پہاڑ کی چوٹی پر، سردی میں رات کے وقت ندی کے کنارے۔ برسات میں بارش کے وقت زیر درخت محو تصور الذات ہو۔ کیونکہ بارش ختم ہو جانے کے بعد بھی اس کا پانی دیر تک ٹپکتا رہتا ہے۔ اور جب تک بالکل مینہ نہ کھل جائے۔ بلکہ لوگوں کی آمد و رفت سے راستہ پاک نہ ہو جائے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

بس یہ چھ قسم کی ظاہری ریاضت ہے۔ جسکے بغیر ریاضتِ باطنی قطعی غیر ممکن ہے بلکہ ان میں بھی فقر کے بغیر فاقہ اور فاقہ کی عادت کے بغیر استواری ہرگز نہیں ہو سکتی استواری نہ ہو تو ترک لذات غیر ممکن ہے۔ اور ترک لذات کے لئے احتیاط و علحدگی لازمی امر ہے پھر بھی اگر بدقسمتی سے کوئی مصیبت آجائے تو برداشت بھی نہایت ضروری بات ہے کیونکہ جسم کو عادی اور متحمل بنائے بغیر وہیان یا تصور قائم نہیں رہ سکتا۔ اور بلا تصور کے آلائش عمل کی صفائی ناممکن ہے۔

اسمائے ریاضت باطنی اور ان کا مدعا

اقرار و سزا۔ آداب۔ خدمت۔ مطالعہ۔ سکون۔ تصوّر۔

اقرار و سزا۔ یعنی رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں دل سے۔ زبان سے اور جسم

لہ یہ کائے کلیش تپ کا ترجمہ ہے اس سے محض جسم کو عادی اور متحمل بنانا مقصود ہے۔ ۱۲ یہ پراکشیت کا ترجمہ ہے۔

استواری[1] - یعنی مشکل یا آسان جو عہد و ارادے کیے گئے ہیں - اور جس طرح کیے ہیں اُن پر اُسی طرح بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا - اُن میں ایک پرگس کی برابر بھی فرق یا ضعف نہ آنے دینا - خواہ کیسی ہی دقتیں رُو براہ ہوں - کیسے ہی مانع اسباب حائل ہوں - ہر ایک مشکل کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرنا اور جان تک بھی نذر بحل کر کے اپنے کیے ہوئے عہد اور ارادے سے نہ ٹلنا -

ترک لذات[2] - حواس خمسہ کی لذتوں سے قطعی پرہیز کرنا - اور خوراک سے متعلق چھ لذتوں میں سے کسی دن گھی کسی دن دودھ - کسی دن دہی - کسی دن میٹھا - کسی دن تیل - اور کسی دن نمک ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ نمبر وار ترک کرنا - یا دو دو - تین تین اور چار چار ترک کر دینا -

احتیاط و علیحدگی[3] - یعنی سونا - بیٹھنا اور شغل رہائش کا ایسی جگہ کرنا جہاں وضع عورتوں - بدقرینہ مردوں اور زنانوں کی آمد و رفت یا جمگھٹا نہ ہو - بلکہ نیک اور میانہ رو لوگوں کی بھی جہاں بہت بھیڑ بھاڑ نہ ہو - نہ زیادہ گرمی ہو نہ زیادہ سردی ہو نہ زیادہ تری ہو اور نہ حشرات الارض یا موذی جانوروں کا خوف ہو -

---

[1] یہ برت پرسنکیا نامی تیسری قسم کی ریاضت کا ترجمہ ہے - جس میں سادھوؤں کے روزانہ عہد اور اقرار وغیرہ لینے کے متعلق عجیب و غریب اور مشکل سے مشکل پابندیوں کا ذکر ہے جس سے اُنہیں محض اپنے اقرارِ کرم کی صفائی کا امتحان مدِ نظر ہوتا ہے - لیکن یہاں وہ ذکر غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے اور مجمل بیان کر دیا گیا ہے -

[2] یہ برس پرتیاگ تپ کا ترجمہ ہے - اِس سے قوتِ کامیہ کو قابو میں کرنا مقصود ہے -

[3] یہ شیا آسن کا ترجمہ ہے -

ہے۔ ریاضت بارہ قسم کی ہے۔ چھ قسم کی ظاہری اور چھ قسم کی باطنی۔ ظاہری ریاضت باطنی کی مدد گار ہے۔ اور پھر علیحدہ علیحدہ بھی پہلی دوسری کی اور دوسری تیسری کی معاون ہے۔ یعنی ایک دوسرے کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ جنکی پوری تشریح اور توضیح تو اس چھوٹے سے رسالہ میں ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی میں بہت ہی اختصار کے ساتھ جملہ اقسام کے نام اور اُن کا مطلب تھوڑا بہت لکھتا ہوں۔

اسمائے ریاضت ظاہری اور اُن کا مدعا

فقر۔ فاقہ۔ استواری۔ ترک لذات۔ احتیاط و علیحدگی۔ برداشت

فقر یعنی کم کھانا۔ اور غم کھانا۔ بلکہ جو کچھ کھانا وہ بھی پابندی اوقات اور احتیاط کے ساتھ کھانا۔ اور ایسی ہلکی خوراک کھانا کہ جس سے شہوت یا دیگر جذبات نفسانی مشتعل نہ ہوں۔

فاقہ یعنی اشیاء خوردنی۔ نوشیدنی۔ چشیدنی۔ اور لذائذ چاروں قسم کی خوراک کو آدھا[1] دن۔ ایک دن۔ دو دن۔ چار دن۔ دس دن۔ غرض جہاں تک ممکن ہو ایک مدت مقررہ کے لئے قطعی چھوڑ دینا۔ اور اُس ٹائم میں اسقدر کم سونا کہ محض تندرستی قائم رہ سکے۔ دنیوی افکار سے محترز رہنا۔ اور تمام وقت مطالعہ کتب مقدسہ یا تسبیح و تہلیل میں گذارنا۔

---

[1] یہ لفظ اُنور کا ترجمہ ہے۔ اور اس کا درجہ اصل میں انش کے بعد ہے۔ جس کا ترجمہ میں نے فاقہ کیا ہے۔ مگر یہاں مصلحتاً ان کو مقدم و مؤخر کر لیا گیا ہے۔

ترقی ہوتی تھی۔ وہ تو عفو۔ انکسار۔ صفا۔ اور صداقت وغیرہ ذاتی اوصاف کے پیدا ہونے سے قطعاً مسدود ہوگئی۔ مگر جب تک پرانی نجاست و آلایش بھی تمام و کمال دور ہوکر جسم اعمالی ہی بالکل فنیت و نابود نہ ہوجائے۔ روح ہمیشہ اپنی ذات و صفات میں قائم و ساکن نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ لمحے لمحے میں نیک و بد اعمال کے مادی ذرے طالع ہوتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا عکس روح پر ڈالکر جدا ہوتے جاتے ہیں۔ مگر انکے طلوع ہونے سے جو کیفیت روح پر طاری ہوتی ہے اُسکی کشش سے اُسی وقت اُسی قدر یا اُس سے کم یا زیادہ ذرے اور کھنچ آتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔ جب تک یہ منقطع نہ ہو روح کبھی آزاد نہیں ہوسکتی۔

اعمالی ذرات کی دوری یا جدائی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بامثمر اور دوسری بے ثمر۔ بامثمر دوری تو ہمیشہ وقوع میں آتی رہتی ہے۔ یعنے ہر ہر سمے یا لمحے میں کوئی نہ کوئی ذرہ عمل طالع ہوتا ہے اور اپنا پھل دیکر جدا ہوجاتا ہے لیکن وہ ذرہ چونکہ اپنا پھل دے کر جدا ہوا ہے۔ اِس لئے لازمی امر کے اُسکے جدا ہونے وقت ضرور روح پر کوئی نہ کوئی جذباتی کیفیت طاری ہوئی اور اُسکے اثر سے بجائے اسکے کسی ایک یا دو ذروں نے اُسکی خانہ پری کردی۔ لہذا فائدہ کچھ بھی نہ ہوا

فائدہ اِس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ **جدائی بے ثمر** وقوع میں آئے تاکہ جدائی کیوقت روح پر کوئی کیفیت طاری نہ ہو۔ اور کوئی دوسرا ذرہ بھی ذرہ بھجور کی خانہ پُری نہ کرسکے۔ ایسی حالت میں ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ جسم عمل بالکل مٹجائے اور روح ہمیشہ کے لئے آزاد ہوجائے۔

جدائی بے ثمر بغیر اُتم تپ و ہرم یا اعلےٰ درجے کی ریاضت کے غیر ممکن

وہی ہے۔ دنیا اور اہل دنیا جو اپنی غلط بینی اور غلط فہمی کیوجہ سے پخانے۔ پیشاب تھوک۔ سنک۔ اور ہڈی۔ چمڑے۔ وغیرہ کو ناپاک قرار دیتے ہیں یہ فقط دنیا کی رسم اور انتظام ہے۔ لیکن انکی پابندی بقدر امکان و بقدر ضرورت ہو رہی ہے وہ اس لئے کہ سوسائٹی مجھے ذلیل نہ سمجھے اور میری وجہ سے کوئی اُس میں خرابی واقع ہو۔ بلکہ خود میری طبیعت بھی اتنی کثیف اور نفرت کے قابل نہ ہو جائے۔ کہ بالکل نفاست سٹ ہی جائے۔ مگر نہ اتنی کہ میں اپنی روحانیت سے جُدا ہو کر اسی میں محو ہو جاؤں۔ اور میری رغبت و نفرت دوگنی چوگنی ہو جائے۔ بلکہ اتنی پابندی بھی میرے وجے اور خیال کے موافق ہونی چاہیئے یعنی گھر میں رہکر گھر والوں کی سی اور تارک الدنیا ہو کر اسقدر کہ جسقدر بے علایق لوگ پابندی گوارا کر سکتے ہیں۔ یا اُنکے لئے موزوں ہے۔ اگر محو تصور الذات ہو کر سمجھے اس کا خیال بالکل اپنے دل سے ہٹا دینا ہی واجب ہے۔ کیونکہ یہ مجھ میں بالخاصیت نہیں ہے اور نہ ہونی چاہیئے

اِن خیالات نے بالکل صابون کا کام دیا اور آنِ واحد میں جسم و روح دونوں کو سر سے پاؤں تک دھو دھلا کر صاف و پاک کر دیا۔ جسکی صفائی میں اُتم شوچ دہرم یا اعلیٰ درجے کی طہارت ظاہر ہوئی۔ کیونکہ شوچ یا طہارت محض رفع کراہیت ہی کا نام ہے۔ چنانچہ اسکے ظاہر ہوتے ہی جسم عمل کی ترقی بھی اُسی وقت مسدود ہو گئی

اُتم تپ۔ یا اعلےٰ درجے کی ریاضت

غصے۔ غرور۔ ریا۔ اور کذب کی وجہ سے جو اس مقدس روح کے جسم عمل کی لمحہ بہ لمحہ

قائم بالذات ہے وہ شدھ ہے۔ پوتر ہے۔ پاک ہے۔ اور مقدس ہے۔ جیسے کندن یا دوسرے لفظوں میں زر خالص۔ اور جو آلودہ ہے۔ آغشتہ ہے۔ یا قائم بالذات غیر ہے وہ اشدھ ہے۔ اپوتر ہے۔ ناپاک ہے۔ اور ذلیل ہے۔ مثلاً کھوٹا سونا کھوٹی چاندی یا بھرت اور کالنی وغیرہ۔"

اِس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ میں خود ناپاک ہوں۔ کہ ازل سے آجتک کثافت عمل میں لپٹی ہوئی ہوں میری صفت علم کی صفت بھی خالص نہیں ہے اُس میں بھی جسم اعمالی کے اثر اور عکس سے لمحہ بہ لمحہ معکوس ہونے والے جذبات لطیف و کثیف شامل ہیں۔ کیونکہ میری صفت محض دیکھنا اور جاننا ہے۔ لیکن میں کسیکو رغبت سے دیکھتی ہوں۔ اور کسیکو نفرت سے۔ کبھی اُس میں محبت کا رنگ جھلکتا ہے اور کبھی کدورت کا۔ کسی کو دوست جانتی ہوں اور کسیکو دشمن۔ میں قائم بالذات بھی نہیں ہوں۔ کیونکہ بغیر اس کالبد خاکی کے دنیا میں ہرگز نہیں رہ سکتی۔ اور کوئی مجھے عورت کہتا ہے کوئی مرد۔ میں کبھی اِن دونوں کے علاوہ مخنث بھی کہلاتی ہوں۔ حالانکہ یہ سب اسی جسم نظری اور کالبد خاکی کی حالتیں ہیں۔ اور میری ذات ہر قسم کے امتیاز و تفریق سے پاک ہے لہذا مجھ سے زیادہ ناپاک اور کیا چیز ہو سکتی ہے مجھے چاہیئے کہ میں خود پاک ہو کر قائم بالذات ہو جاؤں۔ ماسوا کی پاکی اور ناپاکی سے مجھے کیا بحث ہے۔ میں اس جنجال میں پھنسکر اپنے آپ کو کیوں زیادہ ناپاک بناؤں۔ میرا جسم بھی مادی ذرات سے بنا ہے اور نہایت ناپاک ہے۔ کیونکہ یہ بھی میری ذات سے قائم ہے۔ اور فقط میرے ہی دم سے انسان۔ حیوان۔ عورت۔ مرد۔ یا فرشتہ وغیرہ کہلاتا ہے۔ ورنہ محض ایک خاک کا ڈھیر ہے۔ اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے وہ بھی

ورنہ صداقت نہیں اکہ قسم کا کذب ہے۔ اور یہی وہ صداقت ہے جو عفو۔ انکساری اور بے ریائی کے بعد خود بخود ظہور میں آتی ہے جس سے روح کو اپنی چوتھی حقیقی اور ذاتی صفت کے متعلق اعلیٰ درجے کا امن۔ اطمینان اور سرور میسر آتا ہے۔ علاوہ ازیں کذب کا چونکہ نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ اسلئے اُسکی وجہ سے جو کثافت عمل جمع ہوتی تھی وہ بالکل رک جاتی ہے۔

اُتم شوچ یا اعلےٰ درجے کی طہارت

اب یہ مقدس روح نہ تو غرور۔ ریا اور کذب چاروں کثیف اور اسفل جذبات سے پاک ہو کر اپنی روحانیت یا ذاتی امن و اطمینان میں ذرا قائم ہوئی تھی۔ کہ دفعتہً کراہیت نے پھر اسے مضطرب کر دیا۔ کیونکہ ابھی بہت کچھ جسمانی اور روحانی آلودگی باقی ہے اور اس نے پہلے ہی سے اپنے ذہن میں اکثر مادی شکلوں کو پاک و ناپاک سمجھ رکھا ہے۔ لہذا خیالات میں تنگی۔ دل میں نفرت اور خواہ مخواہ کا امتیاز و اجتناب پیدا ہو گیا۔ جسنے روحانیت سے کوسوں دور پھینک دیا۔ اور جسم اعمالی میں جذبات کی کشش نے پھر مادی ذرات کو کثافت عمل بنا بنا کر جمع کرنا شروع کیا۔ لیکن ساتھ ہی **علم صادق** کے آفتاب نے بھی اِس پر اپنی صاف اور پاک روشنی ڈالنی شروع کی اور یہ حق بینی کی عینک لگا کر اپنی ذات اور ماسوا کی حقیقت پہ نظر غور دیکھنے لگی تو معلوم ہوا کہ۔

میں کراہیت نہیں ہوں۔ مجھ میں کراہیت بالخاصیت نہیں ہے اور ماسوائے میں کوئی چیز پاک یا ناپاک نہیں ہے۔ پھر پاک اور ناپاک کے معنے کیا ہیں؟ یہی کہ جو شے شرکت غیری سے بری ہے۔ خالص ہے اور

دہرم یا اعلیٰ درجے کی بے ریائی نمودار ہوئی۔ آلائش عمل کی ترقی رکی اور روح اپنے ذاتی امن واطمینان کے سرور میں ہمہ تن محو ہوگئی۔

اُتم ستیہ دہرم یا اعلیٰ درجے کی صداقت

جب روح۔ غصے۔ غرور اور ریا تینوں جذبات کثیف کو مٹا چکی تو جھوٹ اور کذب کی جڑ خود بخود کٹ گئی۔ کیونکہ **کذب** ۔ ریا کا ہرکارہ تھا۔ جب ریا کا خاتمہ ہوا تو کذب کی تمام خدمات بھی بیکار ہوگئیں۔ اور روحانیت کے نور میں صفائے باطن کے ساتھ **اُتم ستیہ دہرم** یا اعلیٰ درجے کی صداقت بھی رُونما ہوئی۔ اب زبان سے جو لفظ ادا ہوتے ہیں۔ بلا تصنع نہایت شیریں۔ انتہا کے سودمند اور بالکل سچائی پر مبنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ صداقت کی یہی تین علامتیں ہیں۔ اگر الفاظ میں فقط شیرینی ہے فائدہ اور حقیقت کچھ بھی نہیں ہے تو وہ نہ سچے ہیں نہ کارآمد اور نہ اُن میں روحانیت کا کوئی جزو شامل ہے۔ ہاں اگر وہ مفید بھی ہیں تو کارآمد ضرور ہیں۔ لیکن سچائی سے چونکہ خالی ہیں اور کبھی لطیف یا کثیف جذبے سے مجبور ہوکر اپنی غرض پوری کرنے کے لئے بولے گئے ہیں اسلئے روحانیت بھی ان میں نہیں ہے۔ اور جو تینوں خوبیاں موجود ہیں تو بے شک عین روحانیت کے ساتھ ادا ہوئے ہیں۔ کیونکہ جہاں کوئی غرض نہیں وہاں فضول تلخی سے کیوں کام لیا جائے۔ اور شیرینی میں تصنع کی ضرورت نہیں ہے جو لفظ مفید ہیں سچے ہیں وہ شیریں ضرور ہی ہونگے۔ لہٰذا روحانی صفات کے شمار میں جس صداقت کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی تین خوبیاں مجموعی طور پر ہونی چاہئیں۔

میں دکھلاتی ہوں وہ ہرگز دکھلانے کے قابل نہیں ہے" اور جو کچھ میں چھپاتی ہوں وہ اگر میرے عیب ہیں تو اُنکو چھپانا میرے مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ عیوب سے تو میں پاک ہونا چاہتی ہوں۔ پھر اُنکی حفاظت کرنا یا چھپانا کیا معنی؟ اور اگر خوبیاں ہیں تو کیوں چھپاؤں اور کیوں دکھاؤں؟ کیونکہ خوبیوں کا چھپانا یا دکھانا دونوں فعل اک قسم کی نمائش میں داخل ہیں۔ اور نمائش محض شہرت کی خواہش یا دوسروں کو دھوکا دینے کی غرض سے ہوتی ہے۔ اسی غرض کا نام ریا ہے۔ اور یہی ناپاک خواہش مجھے آلودہ و آغشتہ کرتی ہے۔ لہذا جبکہ میں پاک ہونا چاہتی ہوں تو مجھے اِس سے بہت زیادہ احتیاط برتنی چاہیئے ورنہ میرا تہ عا کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

"میں نہیں دکھاتی ہوں یا جن سے چھپاتی ہوں۔ وہ اگر مجھ سے اِن صفات میں بہتر و افضل ہیں تو اُنکی نظر میں میری خوبیاں کچھ تعریف کے قابل نہیں ہیں اور جو مساویت ہے تو اُن پر مجھے کچھ طرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بہرکیف برابر ہیں۔ اور جو رویں مجھ سے ان صفات میں ادنی ہیں وہ میری خوبیوں کو سمجھ نہیں سکتیں۔ اُنکے نزدیک میں بالکل اک تماشہ ہوں۔ اور عجیب تماشہ ہوں۔ لہذا اُن کی تعریف بھی محض سنی سُنائی اور دیکھا دیکھی کی ہے۔ جسکے کچھ معنے نہیں ہیں اور عقلمند کے ذہن میں ہجو سے بدتر ہے۔

بس! اسی تحسین ناشناس کے لئے اگر میں اپنے جوہر روح کو غلاظت میں ملاتی ہوں تو اِس سے بڑھکر اور بیوقوفی کیا ہو سکتی ہے۔

یہ خیالات گویا ایک قسم کی جلاہٹ تھی کہ چشم زدن میں روح کا ایک ایک پرویش ریا اور مکر کے زنگ و کدورت سے پاک ہو کر چمکنے لگا۔ اصلیت کی نورانی سطح پر اتم آریہ

سے خیال نے اطمینان میں پھر اک بے چینی پیدا کر دی۔ اور اپنی تعریفوں سے دل ہی دل میں کچھ خوشی سی محسوس ہونے لگی۔ دکھاوے کی پرہیزگاری بڑھنی شروع ہوئی اور بڑے زور سے ریاضتِ شاقہ و نفس کشی کا عمل جاری ہوا۔ مگر کچھ اس پہلو سے کہ دیکھنے والی نگاہیں بھی ذرا اس کا امتیاز کر لیں۔ یا ہماری یہ طرز و روش ہماری دیگر کمزوریوں کی پردہ پوش رہے۔ لہٰذا چہرے پہ ضرورت سے زیادہ مسکینی چھا گئی۔ جسم تغیظ جھکتے جھکتے کمان کی طرح خمیدہ ہو گیا۔ اور لفظوں میں کچھ ایسی غیر ضروری علاوت و شیرینی آ گئی کہ بے انتہا دل کشی پیدا ہو گئی۔ اُدھر جسم اعمالی نے بھی فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔ اور لمحہ بہ لمحہ آلایش عمل بڑھنے لگی۔ چونکہ یہ جذبہ پہلے دونوں جذبات سے بہت زیادہ ذلیل اور رکیک ہے۔ اس لئے اس کی کشش سے بھی انتہا کے کثیف ذرات کھنچنے شروع ہوئے۔ اور صفاتِ روحی پر پھر اک گہرا حجاب طاری ہونے لگا۔ مگر عین الیقینی اور حق آگہی کی بجلی بھی پے در پے چمکنے لگی۔ اندھیرے میں اک اُجالا سا ہوا اور وہی روح دل کے وسیلے سے اس طرح سوچنے لگی۔

"میں ریا نہیں ہوں۔ ریا کار نہیں ہوں۔ اور ریا بالخاصیت بھی مجھ میں نہیں ہے پھر میں کیا دکھلاتی ہوں اور کیا چھپاتی ہوں"؟ کسے دکھلاتی ہوں اور کس سے چھپاتی ہوں؟" یہ چند سوالات نہایت ضروری ہیں۔ جو ہر وقت مجھے پیش نظر رکھنے چاہئیں میں جو کچھ دکھلاتی ہوں وہ خود میری ہی تباہ شدہ صفتیں ہیں۔ جواب خوش قسمتی سے کسی قدر روشن ہوئی ہیں۔ مگر وہ بھی پوری طرح نہیں۔ اور جس قدر کثافت دور ہوئی ہے۔ وہ اس طرح دور نہیں ہوئی ہے کہ پھر کچھ میل آ ہی نہ سکے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس روشنی پر دوبارہ اندھیرا آ جائے۔ اور مجھے بجائے عزت کے اُلٹی ذلت نصیب ہو۔ اس لئے جو کچھ

اس مکان میں محض ایک مکین کی حیثیت سے آباد ہوں۔ اور اپنی ہی ذات وصفات کی مالک ہوں پھر پرائی چیز میں غرور کیوں کروں۔ اور وہ پرائی چیز بھی جو کچھ ہے۔ اسکی حقیقت ظاہر ہے۔ اس حقیقت پر بھی اتنی ناپائیدار ہے کہ اس سے زیادہ ناپائدار دنیا میں اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ پھر جس وقت اس کا رنگ و روغن پھیکا پڑ جاتا ہے گو کوئی سیدھے منہ بات تک نہیں کرتا۔ وہی مطلوب و منظور جسکو دیکھے بغیر جاننے والے کو اک لمحہ چین نہیں پڑتا۔ اتنا زشت و ذلیل ہوجاتا ہے کہ معمولی نگاہوں میں ذرا بھی نہیں جچتا۔ لہذا اس کا غرور کرنا سب سے زیادہ حماقت ہے۔

غرض اس طرح علم صادق اور یقین واثق کے نور نے غرور کی ظلمت کو چشم زدن میں سہو و محو کر دیا۔ اور صادق النظری کے پہلو بہ پہلو اتم مارد و دہرم یا اعلیٰ درجہ کا انکسار آئینہ روح میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ نما ہونے لگا جس کی ایک ایک ادا سے اطمینان اور فرحناکی ٹپکتی ہے۔ عضو عضو سے روحانی سرور عیاں ہے اور جسکی حقیقی پاکبازی کا رعب و جلال اپنی پوری قوت سے آلایش کبر و ناز کی بلیات کو روح پر اپنا عکس ڈالنے سے روکتا ہے۔

اُتم آریو دہرم یا بے ریائی

اب اُسی روح کی شفاف سطح پر انتہائی مسکینی کے ساتھ رفتہ رفتہ ریا نے اپنا بدنما عکس ڈالنا شروع کیا جو اپنی صفا و ضیائے ذاتی میں سے عجب اور غرور ان دونوں جذبات کثیف کے نقش بالکل مٹا چکی تھی جس کی نمایش کی خفیف سے خفیف

کا ایک ہی تیر آن واحد میں مرغِ بسمل کی طرح تڑپا دیتا ہے۔ اور پھر اپنے مجروح پر جب تک میں خود ہی رحم نہ کروں یا اُسکے گھائل دل پر تسلی اور تشفی کے مرہم کا پھاہا نہ رکھوں وہ زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا ہے۔ میری ایک ہی نگاہ لطف و رحم سے سینکڑوں دل گویا آبِ حیات میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور ذرا سی خفگی سے مارِ دم بُریدہ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگتے ہیں۔ مَیں نے بڑے بڑے عابدوں۔ زاہدوں۔ ترسیوں اور منیوں کا زہد و تقویٰ صرف ایک ہی نگاہِ غلط انداز کے عوض اکثر خرید لیا ہے۔ اور انھیں تمام عمر وادیِ محبت کی ٹھوکریں کھلوائی ہیں۔ پھر ایسی زبردست اور باثر چیز پر اگر میں ناز بھی کروں تو میرا حق بجانب ہے ..... لیکن نہیں! یہ حسن بھی میرا حسن نہیں ہے۔ میرا حسن تو وہی میری ذاتی صفتیں ہیں۔ جو نہ کسی کا دل چھینتی ہیں۔ نہ کسی پر لطف و ستم کرتی ہیں۔ اور نہ کبھی زائل ہوتی ہیں۔ نمائشی حسن اسی خاک کے تپلے کا ہے۔ جس کا اندرونی حصہ تو سر سے پاؤں تک پیخانے۔ پیشاب اور بلغم وغیرہ گندی چیزوں سے بھرا ہوا ہے جسکے اندر کروڑہا امراض اور لاتعداد کیڑے رہتے ہیں جس کے ایک ایک روئیں اور اک اک جزو میں بے انتہا غلاظت بھری ہے۔ اور جو ایڑی سے چوٹی تک بالکل قابلِ نفرت ہے۔

ہاں! صرف خون کی زیادتی اور اسکی گردش سے وہ چمڑے کی چادر التہ ذرا چمکدار معلوم ہوتی ہے۔ جس سے یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ منڈھا ہوا ہے۔ لیکن ذرا بھی کہیں سے اُس میں ایک سوراخ ہو جائے تو بھی اس حسن کی ساری حقیقت کھلجاتی ہے کہ اُس میں کونسی چیز ایسی ہے جسے کوئی عقلمند رغبت کی نگاہ سے دیکھے اور اُسے پیار کرنا چاہے۔ لیکن خیر جو کچھ بھی ہے اُس میں بھی میری ملکیت کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ میں

کے اوسے یا اعمال نیک کے طابع ہونے سے مجھے مل گئی ہے۔ جس وقت اعمالِ بد طابع ہونگے۔ یہ اس طرح جاتی رہیگی جس طرح بجلی چمک کر چھپ جاتی ہے اسلیئے مجھے چاہیئے کہ جب تک یہ میرے پاس ہے اسے نیک کاموں میں لگاؤں۔ اپنے اور دوسروں کے آرام پہنچانے میں صرف کروں۔ غریب مفلس۔ مظلوم اور درد رسیدہ لوگوں کو اس سے مدد دوں۔ نہ کہ اس پر مغرور ہو کر اُلٹا غریبوں اور بیکسوں کی دل آزاری کروں؟"

"ہاں! ریاضت؟ بیشک میرے بڑے کام کی چیز ہے۔ اِس سے البتہ میری رُوح آلایش عمل سے پاک ہوتی ہے۔ اِس پر اگر میں غرور بھی کروں تو بجا ہے لیکن غرور کے دماغ میں آتے ہی ریاضت ریاضت نہیں رہتی۔ بلکہ ریاکاری ہو جاتی ہے۔ جو روح کو پاک کرنے کی بجائے دوگنا۔ چوگنا آلودہ و آغشتہ کرتی ہے گویا کشت ریاضت کے لئے غرور زالہ کا حکم رکھتا ہے۔ یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ زندگی کے ساتھ موت جو کچھ کر سکتی ہے وہ ریاضت کے ساتھ غرور کرتا ہے۔ پس ایسے جوہر نایاب کو تکبر کی آگ میں جلا کر خاک کر دینا کون عقلمندی ہے۔

اب ایک حسن باقی رہا۔ اِس پر مجھے اکثر غرور آجاتا ہے۔ اور جب میں دیکھتی ہوں کہ میری پیاری صورت موہنی مورت بڑے بڑے بہادروں اور شجاعوں کے دلوں پر فتح پا سکتی ہے۔ جن کے فولادی دست و بازو میدان جنگ میں پہاڑوں کے جگر کو چھلنی کر دیتے ہیں۔ جو توپ کے گولے اور تیر و تلوار کے سامنے بے دغدغہ سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ زندہ شیروں کو گوش گرفتہ جنگل سے پکڑ لاتے ہیں اور بڑے بڑے شعلہ نفس اژدروں کو پاؤں سے کچل ڈالتے ہیں۔ اُن کو میری نظر

جھوٹی تعریفیں اور بے جا خوشامدیں کرکے میرا دماغ چلانا چاہتے ہیں۔ اب اگر میں بھی
اُنکے بہکانے سے بہک جاؤں تو یہ میری ہی سمجھ کا قصور ہوگا۔

"خاندانی اعزاز"؟ یہ بھی ایک دنیوی رسم ورواج ہے میرا سوائے علم ونظر
اور طاقت اور سرور کل کے اور کوئی خاندان نہیں ہے۔ میں ان کا ہوں اور یہ میرے
ہیں۔ لیکن ان کا تو کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ اور دنیا میں۔ میں نے بارہا ادنیٰ سے ادنیٰ
اور اعلیٰ سے اعلیٰ خاندانوں میں جنم لیا ہے۔ بلکہ جب تک اس گردش میں ہوں۔ نہیں
معلوم کیسے کیسے نیچ اور اونچ گھرانوں میں میرا آیندہ جنم ہوگا۔ پھر غرور کاہے کا کروں
میری ذات بھی میری صفات سے جُدا نہیں۔ اور یہ دنیا کی قومی تقسیم بالکل ویسی ہی
ہے جیسا کہ میرا خاندانی اعزاز ثابت ہوا۔ لہٰذا غرور کس بات کا؟

طاقت۔ شجاعت۔ اور حوصلہ؟ انکی بھی عجب کیفیت ہے۔ کیونکہ جو طاقت میری
اصلی اور ذاتی صفت ہے وہ تو لاانتہا اور لامحدود ہے اُس کا پرورتن یعنی عمل بھی مجھ
میں اور میری ہی صفات میں ہوتا ہے۔ مگر جو طاقت یا شجاعت میں اس وقت
محسوس کر رہی ہوں وہ جسم نظری کی قوت اور آلایش عمل کی آمیزش سے بگڑی
ہوئی اُسی قوت کی اک عارضی حالت ہے جو ہمیشہ ایک صورت پر کبھی قائم نہیں رہ
سکتی۔ بچپن میں میری کچھ اور حالت تھی۔ جوانی میں کچھ اور ہے۔ بڑھاپے میں کچھ
اور ہوگی۔ اُس پر بھی یہ کیفیت ہے کہ چار دن بخار آیا اور اُٹھنے بیٹھنے تک سے عاجز
ہوگئی۔ پھر ایسی ذلیل چیز پر ناز کرنا اگر نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟

رہی دولت وثروت؟ یہ تو بچشم ظاہر ہی بالکل مجھ سے جُدا ہے۔ اور آج ہے
کل نہیں ہے۔ اِس پر کیا غرور کروں۔ یہ میری ذات نہیں۔ صفات نہیں۔ شبہ کرم

ہیں۔ اور وہی ہیں۔ ذات ایک۔ صفات ایک۔ البتہ حالات مختلف ہیں۔ جو فی الحقیقت
تو مختلف نہیں ہیں۔ مگر ایک غیر جنس کی اور میری یکجائی سے مختلف معلوم ہوتے ہیں
پھر میں کس بات پر ناز کروں۔ ماما کہ میری پاکبازی مجھ ہی میں ہے۔ اور میں بے
انتہا پاک ہوں۔ مگر دوسری روحیں بھی سب اپنی اپنی ہستی میں اسی طرح پاک ہیں
اور خالص ہیں۔ اسی عارضی آغشتگی کی وجہ سے کمی اور بیشی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم
شرکتِ غمری سب میں موجود ہے۔ تو پھر یہ شرم کا مقام ہے نہ کہ غرور کا۔ جس طرح
کسی ساہوکار کی تمام دولت بہت سے قزاق مل کر لوٹ لیں۔ اور پھر ایک لنگوٹ
بندھوا کر اسے چھوڑ دیں پس بالکل وہی حالت اس تغیرات کی دنیا میں ہم سب
روحوں کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کو محض لنگوٹ بندھوا کر چھوڑا ہے تو کسی کو
ایک کرتہ یا دوپٹہ بھی دیدیا ہے۔ اب کرتے والا اگر لنگوٹ باز سے اپنے آپ کو بہتر
و افضل جانکر غرور کرے۔ اور اپنی شان پر نازاں ہو تو اس ناز کو سوائے حماقت
کے اور کیا سمجھنا چاہیئے۔

"میری صفت علم کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جسکی ضو تمام معلومات خفی و جلی پر حاوی
ہونی چاہیئے تھی۔ اب محجوب و مستور ہو کر صرف چند قسم کی الفبٹ (الف بے تے)
اور ہزار دو ہزار الفاظ یا انکے معنے تک محدود ہے۔ وہ بھی براہ راست نہیں۔ دل
اور حواس خمسہ کے وسیلے سے ظہور میں آتی ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس میں بھی ایک سے
ایک زیادہ ہے کسی پر اسکی انتہا نہیں ہوگئی ہے۔ تو غرور کس برتے پر؟ عزت!
جسکو میں عزت سمجھتا ہوں وہ میری عزت نہیں۔ بلکہ فضیحت ہے۔

اور غرض کے بندے اپنی اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے خواہ مخواہ

اُو تم مارُدو یا اعلیٰ درجے کا انکسار

ابھی اِک سچے علم و یقین والی روح میں سے غصّہ رفع ہوا ہی تھا کہ مان یا غرور نے اُسکے آئینے پر اپنا عکس ڈالنا شروع کیا۔ اطمینان میں پھر اضطراب پیدا ہوا۔ اپنی پاکبازی اپنے علم۔ اپنی عزت۔ اپنے خاندان۔ اپنی ذات۔ اپنی طاقت، اپنی دولت، و ثروت، اپنی ریاضت، اور اپنے حسن کے سامنے دوسرے آدمی بھنگے نظر آنے لگے۔ جسم پر یہ اثر پڑا کہ سرو بے ثمر کی طرح بالکل تن گیا۔ زبان اور لفظوں میں سے حلاوت جاتی رہی۔ بزرگوں کا ادب اور خردوں کی محبت یک قلم رخصت ہوئی۔ کیسکو تعلیم دینا یا اسلام کے لئے جھکنا ننگ و عار ہو گیا۔ اور علم کی دولت جو روحانی طاقت بڑھانے یا دوسروں کو نیک ہدایت کرنے میں خرچ کرنی چاہیئے تھی وہ فضول بحث و مباحثوں میں صرف ہونے لگی۔ اُدھر جسم اعمالی کی کشش نے بھی اپنا کام شروع کر دیا۔ غصے سے اگر غصّہ پیدا کرنے والے ذرات جمع ہوتے تھے تو غرور سے غرور پیدا کرنے والے ذرّے کھنچنے لگے۔ اور آیندہ کے لئے جسم عمل کی قوت بڑھنی شروع ہو گئی۔

مگر سچے علم اور حقیقی آگہی نے بھی فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔ اور رُوح خیال کرنے لگی۔ کہ

"میں غرور نہیں ہوں۔ غرور بالخاصیت مجھ میں نہیں ہے۔ میں آخر کس بات کا غرور کروں۔ میں اپنی ذات سے جیسی ہوں۔ اور جو کچھ ہوں سب روحیں ویسی ہی

کروں جس سے میری گردش میں اور اضافہ ہو؟ علاوہ ازیں غصہ کروں تو کس پر کروں۔؟ میرا کچھ نقصان بھی کیا ہے تو خود میرے ہی اعمال نے کیا ہے۔ جو صرف میری ہی کم علمی اور کوتہ نظری سے نشہ محبت کی ترنگ میں سرزد ہوئے ہیں؟ اب اگر غصہ بھی کروں تو خود اپنے اوپر کروں۔ جس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے؟

یہ دنیا کے لوگ جو بچشم ظاہر مجھے برائی بھلائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی میرا دوست یا دشمن نہیں ہے؟ محض اک اسباب متعلقہ ہیں اور میری طرح یہ بیچارے بھی جسم عمل کی قید اور گردش مسلسل کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں؟ "بقول شخصے مرنے کو ماریں شاد مدار" ان غریبوں پر غصہ کرنا ہی کون مردانگی ہے" میں پھر بھی صادق العلم۔ صادق النظر؟ صادق العمل ہوں۔ اور یہ بھی غلط فہمی غلط بینی۔ اور غلط کاری کے ہاتھوں خراب اور سرگردان ہیں؟ لہٰذا ان پر تو الٹا مجھے رحم کرنا چاہیئے۔ نہ کہ غصہ کروں۔

ان خیالات کے آتے ہی غصے کا عکس بالکل نیست و نابود ہو گیا۔ اور صادق النظری کے ساتھ اُم کشمایا اعلیٰ عفو اپنی پوری شان سے روح کے آئینے میں نمودار ہوا جس سے روح نے بے انتہا شانتی یا اطمینان محسوس کیا۔ دل کو فرحت نصیب ہوئی۔ پیشانی پر فرخمندی کی ایک چمک سی آگئی۔ اور غصہ کرنے سے جو آئندہ کے لیئے جذبات کثیف کی آلایش بڑھتی تھی وہ رُک گئی بلکہ جو پرانی اور مجتمع آلایش تھی جس کے ذرات اپنا عکس ڈالنے کے لیئے سامنے آئے تھے وہ بھی یونہی ضائع ہوئے۔ (یہ سب سے زیادہ فائدہ ہوا)

اجزا میں بھی ایک قسم کی کشش پیدا ہو گئی ہے اور وہ ہر ہر لمحے میں دیگر لاتعداد مادی ذرات کو کھینچ کر اپنی قوت بڑھا رہا ہے۔ نئے ذرات پرانی آلائش میں شامل ہو کر بالکل وہی اور ویسی ہی خاصیت اختیار کر رہے ہیں جیسی کہ اس وقت روح کی حالت ہے۔

لیکن اس روح کو چونکہ مرشد کامل کی ہدایت سے اپنی اصلی ذات و حالت کا علم و یقین ہو چکا ہے۔ اور اس نے اس گردش مسلسل سے نجات حاصل کرنے کے لئے ظاہری و باطنی عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا ادھر تو غصے نے اسکے آئینے پر اپنا عکس ڈالا۔ اور ادھر اس کی صادق العلمی نے اُسے اس طرح دفع کرنا شروع کر دیا میں غصہ نہیں ہوں غصہ بالذات مجھ میں نہیں ہے۔ میں غصہ کیوں کروں۔ میں سراپا علم و ہوش ہوں یہی میری ہستی ہے یہی میرا روپ ہے۔ انہی میں میں ہوں اور یہی مجھ میں ہیں میں ہمیشہ سے ہوں ہمیشہ رہونگی۔ میں نہ کسی سے پیدا ہوئی۔ نہ کوئی مجھ سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ کوئی مجھے مارتا ہے۔ نہ بلاتا ہے۔ نہ میں کسیکو مارتی جلاتی ہوں۔

"میں کٹتی نہیں۔ میں چھدتی نہیں۔ میں جلتی نہیں۔ میں سوکھتی نہیں جیسی تھی ویسی ہوں۔ اور ایسی ہی رہونگی۔ یہی خاکی پتلا کٹتا ہے۔ یہی چھدتا ہے یہی جلتا ہے۔ یہی سوکھتا ہے۔ اسی میں تمام بیماریاں ہوتی ہیں۔ یہی سڑتا گلتا ہے۔ اسی کو لوگ ماتے ہیں۔ اسی کو پچکارتے ہیں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اک عارضی گھر ہے۔ جس میں بہت تھوڑی مدت کے لئے مسافرانہ فروکش ہوئی ہوں۔ یہ نہیں اور سہی۔ اور نہیں اور سہی۔" جب تک اس گردش کے تسلسل میں پھنسی ہوں اچھا یا بُرا گھر رہنے کو ضرور ملے گا پھر میں خواہ مخواہ غصہ کیوں

ذات یا سطح ہر قسم کے زنگ و کدورت سے پاک اور شفاف ہے۔ جو چیز جس ہیئت اور صورت سے اُس میں عکس فگن ہوتی ہے۔ بس وہی صورت وہی رنگت اور وہی ہیئت اُسکے ایک ایک پرویش[1] سے چھلکنے لگتی ہے۔ اصلیت کچھ ایسی چھپ جاتی ہے کہ پہچان تک نہیں ہوسکتی۔ اور جب تک وہ رنت یا سبب دُور نہیں ہوتا۔ اُسکی حالت ذرا بھی نہیں بدل سکتی۔ چنانچہ اس وقت فرض کیجیے کہ آئینۂ روح پر چار تر موہنی کی پرکرتیوں میں سے کرودھ پرکرتی یا آلایش اعمال میں سے وہ مادی ذرات جن میں بالخاصیت غصہ پیدا کرنے کی صفت موجود ہے اپنا عکس ڈال رہے ہیں۔ جسکی وجہ سے روح کی بالکل وہی کیفیت ہے جو آئینہ کی شعلۂ آتش کے عکس سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ بھی دیکھنے والی نگاہوں کو سر سے پاؤں تک جلتا ہوا آگ کا شعلہ ہی دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی آتشِ غضب سے ہمہ تن بھڑک اُٹھتی ہے۔ پھر صفتِ علم میں بھی ایک اور نقص واقع ہوا ہے کہ وہ مخواہ مخواہ بہت سی چیزوں کو جو اُس سے بالکل علیحدہ اور بے واسطہ ہیں۔ اپنی بڑہری اور بدتری کا ذریعہ سمجھنے لگی ہے۔ کسی کو حق و ناحق اپنا دوست سمجھ لیتی ہے۔ کسی کو دشمن خیال کرتی ہے۔ اور خود ہی اپنے جھوٹے خیال سے غصے کی آگ میں جلی جاتی ہے۔

روح کی اس حالت کا اثر اُس کے کالبد خاکی یا جسم نظری پر اس قدر زبردست پڑا ہے کہ آنکھیں بالکل سُرخ ہوگئی ہیں۔ بدن تمام جلنے لگا ہے۔ بارہا خود ہی اپنے ہونٹ چبائے جاتے ہیں۔ ہاتھ کانپتے ہیں۔ کبھی دونوں ہاتھوں سے مٹھیاں باندھی جاتی ہیں۔ اور کبھی ایک ہاتھ تلوار کی طرف بڑھتا ہے۔ جسم اعمالی سے

[1] ہی خفیف سے خفیف حصہ

ونظر کسی قدر ہلکا ہوا ہے۔ اور موہ۔ مذیانشہ محبت بھی ایک حد تک اُتر گیا ہے جس سے رغبت ونفرت پیدا ہوتی تھی۔ معلومات کی شکلیں کچھ اَور کی اور دکھائی دیتی تھیں ماسوا اسکے مرشدِ کامل بھی الیاصل ہو گیا ہے کہ جو سالک بھی ہے اور ہادی طریقت بھی اب مجھے چاہیئے کہ میں جسقدر جلد ممکن ہو اس باقیماندہ آلایش کا بھی قصہ پاک کر دوں اور اس گروش مسلسل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر لوں۔" .... پھر کسی قدر سکوت کے بعد" اسکی تدبیر یہ ہے کہ پہلے جذبات کثیف کی آلایش اپنے دامن سے چھٹاؤں۔ اور جذبات لطیف سے اپنی کوشش میں مدد لوں۔ اِس کے بعد جذبات لطیف کی آلودگی بھی دھو ڈالوں اور قائم بالذات ہو جاؤں جس میں علم ویقین کے ساتھ عمل کی اشد ضرورت ہے۔ جو دو قسم کا ہے ایک باطنی اور دوسرا ظاہری۔ باطنی عمل تو وہی رجوعیت مذکور الصدر ہے۔ اسے تو اپنا مقصد اعلیٰ بنا کر دل میں رکھوں۔ اور عملِ ظاہری یہی ہے کہ جذبات کثیف سے بچوں اور لطیف سے مدد لوں۔ لہٰذا اس پر کاربند ہوتا ہوں اور سب سے پہلے کرودھ یا غصے جیسے دشمن قوی کو اپنی اُلجھن کشا۔ یا اعلیٰ عفو کی مدد سے مقابلہ کرتا ہوں کیونکہ یہ میری ہی ذاتی صفت ہے۔ اِس لیئے یہ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑے گی اور مجھے اسی کی بدولت کامل اطمینان حاصل ہوگا۔

اُو تم کشما یا اعلیٰ عفو

میرے دوستو! یہ سمجھ لو کہ جوہر روح ایک نہایت صاف آئینہ ہے جسکی

روح کا دیدار میسر آتا ہے۔ جسکو سنسکرت زبان میں سنوانبھوتی کہتے ہیں۔ گو یہ دیدار بالکل صاف وصریح نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیر متشکل جوہر کا صاف وصریح دیدار تو علم کل ہی میں ہوتا ہے۔ تاہم دیدار کہہ سکتے ہیں۔ اور دیکھی ہوئی چیز کا یقین چونکہ ایسا زبردست ہوتا ہے کہ کسی صورت اور کسی اُفتاد سے بدل نہیں سکتا۔ جس طرح آب تلوار اور آب گوہر ایسا قائم وساکن ہوتا ہے کہ کوئی تیز سے تیز ہوا بھی اُسے متحرک نہیں کر سکتی۔ لہذا اسی صادق الیقینی کو سمیک درشن یا صادق النظری کہتے ہیں۔ اور ایک صادق النظر روح میں وہ رجوعیت جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں اک لازمی امر ہے۔ پس وہی سمیک چارتر یا صادق العملی ہے۔

پاک روح اِن تینوں اوصاف ذاتی سے متصف ہو کر خیال کرتی ہے۔ کہ میں جب دراصل بالکل پاک ہوں۔ خالص ہوں۔ اور جو کچھ ہوں وہی ہوں۔ یا لفظوں میں کہیئے تو سراپا علم وہوش ہوں۔ سرور۔ اور نظر کل ہوں۔ اپنی ہستی میں خود اپنی لامحدود طاقت سے بے انتہا مسرور ہوں۔ تمام معلومات کا عکس مجھ میں ہے۔ میرے علم کی ضو جملہ معلومات پر حاوی ہے۔ مگر نہ میں معلومات میں ہوں۔ نہ معلومات مجھ میں ہیں۔ سب سے الگ۔ سب سے جُدا۔ اپنی حالت اپنے سروپ اور اپنی کیفیت ذات میں آپ محو ہوں۔ تو پھر یہ عارضی تعلقات اور این وآں کی چپقلش کیوں پیدا ہوئی؟ اور کہاں سے آئی؟ تو کسی قدر سکوت کے بعد خود ہی جواب دیتی ہے کہ اس کا بڑا سبب صرف میری ہی غلط بینی۔ غلط فہمی اور رغبت ونفرت ہے۔ جو میرے ہی اعمال حسنہ اور قبیحہ کی وجہ سے مجھ میں پیدا ہوئی اور یہ سلسلۂ عمل انادی یا ازلی ہے۔ مگر اب حسن اتفاق سے حجاب علم و

طرف رجوع ہوئے اور ترقی کرتے کرتے حجاب و علم و نظر کو تو بالکل دور کر دیا مگر قطعی طور سے صفائی اور پاکیزگی مطلق حاصل کرنے سے پہلے وہ بہادر دوسری روحوں کے لئے آفتاب ہدایت بن کر چمکے۔ اور اپنے کروڑہا ہم جنسوں کو غلط بینی غلط فہمی۔ عمل غلط کی تاریکی سے نکالکر صداقت کی راہِ راست پر لگا دیا۔ بلکہ آیندہ کے لئے بھی تصنیفات کے ایسے صدہا ذخیرے چھوڑ گئے جو آج تک ہمارے کام آرہے ہیں۔

اُنہوں نے بتایا ہے کہ روح کی صفاتِ اربعہ میں سے صرف علم و نظر ہی کے حجاب و تغیر سے سارا کام خراب ہوتا ہے۔ کیونکہ اِن ہر دو صفات پر جب آلایش و آلودگی سے حجاب طاری ہو جاتا ہے۔ تو روح جو کچھ دیکھتی ہے یا جانتی ہے۔ بالکل وصندلا اور ایک حد تک دیکھتی جانتی ہے۔ پھر وہ بھی جذبہ محبت کی کثافت سے بالکل غلط اور کچھ اور کا اور ہی محسوس کرتی ہے۔ بس یہی غلطی تمام جذبات اور عوارض کا بڑا سبب ہے۔ اسی سے آیندہ کی صدہا خرابیاں۔ اور دائرہ تناسخ میں لاتعداد زمانے تک گردش کرنا مقدر ہوتا ہے۔ لہٰذا جن کے اچار یہ جن کو فی الحقیقت رحم اور نیکی کا سمندر رکھنا چاہیئے وہ اپنی تلقین سے ایک آلودہ و آغشتہ روح کو اُسکی اور اُسکے جملہ تعلقات کی اصلیت بتا کر سمیک گیانی یا صادق العلم بنا دیتے ہیں۔

اِس کے بعد وہ خود اپنے وجود میں اپنے آپ کو دیکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کوشش غور و خوض اور تصور پر منحصر ہے۔ جو دل ہی دل میں لفظ و معنی کے بیر پھیر اور سوچ و بچار سے ہوتی رہتی ہے۔ اِس عمل سے رفتہ رفتہ انبھو یا مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی علم لفظ و معنی میں ہی آتما کا پرتی بھاس یا بہ الفاظ دیگر

وجذبات سے۔ اُن کے عمل سے۔ اور اُن سے پیدا ہونے والی آلایش یعنے جسم اعمالی سے بالکل اپنی توجہ ہٹالیتی ہے۔ حتیٰ کہ بچشم ظاہر نظر آنے والے اس کالبدِ خاکی یعنے جسم نظری تک سے بھی خود کو بالکل علٰحدہ۔ بالکل پاک۔ اور محض تن علمِ محض خیال کرتی ہے۔ حتی المقدور ان سب سے بچتی ہے۔ اور اپنی ہی حالت وذات میں ٹھیرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جذبات اور اُنکے عمل سے بچنے کا نام ریاضت۔ نفس کشی۔ یا انضباط ہے۔ اور سب سے علٰحدگی کے خیال یا اپنی ہی حالت وذات میں ٹھیرنے کا نام تصور ذات ہے۔ یہ عمل جس زور اور پختگی کے ساتھ جاری ہوتا ہے اُسی قدر صفائی بھی جلدی ظہور میں آتی ہے۔ کیونکہ جذبات سے بچنے اور تصور ذات میں ساکن ہونے سے دل۔ زبان۔ اور جسم سب رُکجاتے ہیں۔ اِنکے رُکنے سے نئے اعمال سرزد نہیں ہوتے۔ جس سے روح بالکل پاک وصاف ہوجاتی ہے۔

چنانچہ جین کے رشیوں اور تیرتھنکروں[1] نے اپنی سعی بلیغ اور کوشش جانکاہ سے پہلے خود روح کی حقیقت اور ماہیت کو صحیح طور سے معلوم کیا۔ پھر پورے یقین کے ساتھ جذبات اور عوارض سے قطع نظر کرکے اپنے خاصۂ بالذات کی

[1] لفظ تیرتھنکر سنسکرت کی گرامر کے قاعدے سے تیرتھ اور کر دو لفظوں سے بنا ہے۔ تیرتھ کشتی کو کہتے ہیں جو خود پانی میں تیرتی ہے۔ اور دوسروں کو تیرا کر پار کردیتی ہے۔ اور تیرتھنکر کشتی بنانے والے کو کہتے ہیں۔ مگر مراد ہے ایسی کشتی بنانے والے سے جو سنسار ساگر یا تغیرات کے سمندر میں روز ازل سے غوطے کھانے والی روح کو ساحل نجات تک پہنچائے۔ وہ کشتی لوہے اور لکڑی سے نہیں بنتی۔ بلکہ دھرم یا صفات روحی کے میٹر سے بنتی ہے۔ اور یہی کشتی روح کو اُسکی منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔

علحدہ ہوجاتا ہے۔ پھر اُسکی تمام صفاتِ ذاتی پورے طور سے ظہور میں آجاتی ہیں۔ اور ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے کہ یہ سونا ہے۔ اسی طرح روح گو ازل سے آلودہ و آغشتہ ہے۔ تاہم جب **مرشد کامل** جیسے نیلدیئے کے حلقۂ مُریدی میں آتی ہے۔ تلقین و ہدایت کے پانی اور مصالحوں سے دُھلتی ہے۔ ریاضت۔ نفس کشی۔ اور انضباط کی آگ میں تپتی ہے۔ صادق النظری۔ صادق العلمی۔ صادق العملی۔ اور تصورِ ذات کے تیزاب میں غوطہ کھاتی ہے تو ایسی صاف و پاک ہوتی ہے کہ بالکل زرِ خالص بنجاتی ہے۔ پھر کبھی آلودہ اور آغشتہ نہیں ہوتی۔ اور چاروں صفاتِ حقیقی اپنی لامحدود حالت میں اِس طرح روشن و ہویدا ہوجاتی ہیں کہ روح اپنے ہی سُرور کل۔ اور ذاتی صفتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم و ساکن ہوجاتی ہے۔ بس اِسی کا نام **مکتی** یا نجات ہے۔

یہ عظیم الشان تبدیلی اس طرح ظہور میں آتی ہے کہ جب مرشدِ کامل کی ہدایت سے روح کو صفتِ علم کی بدولت خود اپنی ہستی اور حقیقت کا صحیح صحیح علم و یقین ہوتا ہے تو اُس میں خود بخود ذاتی صفات کی طرف رغبت اور رجوعیت پیدا ہوتی ہے اِسی رجوعیت۔ رغبت۔ علم اور یقین کا نام **صادق العلمی**۔ **صادق العملی** اور **صادق النظری** ہے۔ بلکہ ان ہی تینوں صفات کی مجموعی حالت کو بعض فلاسفی کے مصنف **موکش مارگ** یا راہِ نجات کہتے ہیں۔ کیونکہ روح کو جب اپنی ذات اور ہستی کے متعلق۔ سچا یقین۔ سچا علم۔ اور سچا عمل حاصل ہوجاتا ہے تو وہ رغبت۔ نفرت۔ غصے۔ غرور۔ لالچ۔ فریب اور عداوت وغیرہ تمام عارضی صفات

جذبات کثیف و لطیف پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن سے علم محجوب کی جسقدر صاف یا دھندلی روشنی قائم رہتی ہے اُس میں بھی یہ خرابی واقع ہوتی ہے کہ معلومات کی شکلیں انواع و اقسام کے تغیر و تبدل کے ساتھ منعکس ہوتی ہیں اور روح اُنکو کچھ اَور کا اَور سمجھ لیتی ہے۔ طرح طرح کے رنج اور جھوٹی راحتیں محسوس کرتی ہے۔ لمحہ بہ لمحہ عذاب و ثواب کی آلایش و آلودگی کو بڑھاتی ہے۔ انسانی۔ حیوانی۔ نوری اور ناری۔ ہزارہا عالم کے قالب تبدیل کرتی ہے۔ مرنے اور جنم لینے کی ایسی ایسی تکلیفیں اُٹھاتی ہے کہ جو ناگفتہ بہ ہیں۔ بلکہ جیتے جی بھی کبھی آرام نہیں ملتا۔ کیونکہ اصلی اور ذاتی سرور تو اس آلودگی اور آواگون کی پریشانی میں کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے۔ مگر وہ جھوٹی راحتیں بھی مطلوب و منظور کی جُدائی اور زشت و ناگوار کے ملاپ میں بارہا دشوار ہی میسر آتی ہیں۔

جو روحیں۔ جسم اعمالی سے آزاد اور کثافت عمل سے پاک ہو چکی ہیں۔ اُن کا تو ذکر ہی کیا؟ وہ تو سب سے الگ اپنی ہی خاصیت و حالتِ بالذات میں قائم۔ و ساکن ہیں۔ لیکن جو ابھی آلودہ و آغشتہ ہیں وہ سلسلۂ تناسخ کی گردش میں مبتلا ہیں عذاب و ثواب اور اعمالِ حسنہ و قبیحہ جو ماضی صفات کی بدولت ہمیشہ سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اُن سے آلایش اور آلودگی کا سلسلہ آمد و رفت برابر جاری رہتا ہے۔ جو روح کے ساتھ ازل سے لگا ہوا ہے۔ یعنی جس کی کوئی ابتدا ہی نہیں ہے۔ مگر انتہا ضرور ہے۔ جس طرح سونا کان سے مٹی میں ملا ہوا نکلتا ہے اور جب سے وہ سونا ہے مٹی اُسکے ساتھ ہے لیکن جب وہ نیا رئیے کے ہاتھ میں آتا ہے تو آگ میں تپ کر۔ تیزاب اور مصالحوں میں غوطہ کھا کر مٹی سے بالکل

رُوح کی صفات اربعہ ذاتی اور حقیقی ہونے کی وجہ سے گو کبھی فنا نہیں ہوتیں مگر بیرونی اسباب سے محجوب اور متغیر ضرور ہوتی ہیں۔ جس طرح شمع کی روشنی لالٹین کے شیشوں کی وجہ سے رنگ برنگ کی ہو جاتی ہے۔ اُس وقت اُس روشنی میں تمام چیزیں اَور کی اَور نظر آنے لگتی ہیں۔ سفید کپڑا بالکل نیلا۔ سُرخ اور سبز معلوم ہوتا ہے۔

اِسی طرح بیچ میں جب کوئی گہرا پردہ حائل ہوتا ہے تو قطعی اندھیرا ہو جاتا ہے۔ پھر دیکھنے والی نگاہوں کو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ نہ خود شمع دکھائی دیتی ہے نہ کوئی اور ہی چیز سوجھتی ہے۔ مگر شمع کا شعلہ اُس وقت بھی اپنی جگہ اور اپنی ہستی میں تمام رنگوں سے علیحدہ۔ تمام حجابوں سے پاک اُسی طرح روشن اور منور رہتا ہے۔ اُسکی ذات اور حالت میں کبھی ایک پرکس کے برابر بھی فرق نہیں آتا۔

پس رُوح کی بھی یہی کیفیت ہے کہ جب اُسکو خود اُسی کے اعمالِ حسنہ و قبیحہ کی کثافت اُسے گھیر لیتی ہے تو اُسکے گرد اُس آلایش کا ایک جسم سا بن جاتا ہے اور وہ چونکہ مختلف جذبات و عوارض کی کشش سے بنتا ہے۔ لہٰذا اُس میں مختلف اقسام اور مختلف خواص کے مادّی ذرّات جمع ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے روح پر بے انتہا حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ اور صفات علم و نظر پر اک حجاب سا آ جاتا ہے۔ حجاب علم جس قدر ہلکا یا بھاری ہوتا ہے اُسی قدر علم کی ضو بھی صاف۔ یا دُھندلی ہو جاتی ہے۔ رغبت۔ نفرت۔ غصہ۔ غرور۔ فریب اور لالچ۔ صدہا

(بقیہ صفحہ ۸) رنگ و بو و ذائقہ اور لمس نہیں ہے۔ اِس لئے حواس خمسہ اُسے محسوس نہیں کر سکتے ورنہ بغیر ہیئت کے کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ اور علم کل کی آنکھ سے وہ صاف و صریح نظر آ سکتی ہے۔ بلکہ آتی ہے۔

کی ماہیت معلوم کرے۔ رنج و راحت کے اسباب پر قادر ہو۔ بدنامی کے اسباب سے بچے۔ اور بہتری کے سامان مہیا کرے۔ پس ایسی صورت میں ہندوستانی محققوں کا نقطۂ جوہر روح کی ہی حقیقت دریافت کرنے میں حد سے زیادہ کوشاں ہونا نہایت ضروری اور واجبات سے تھا۔ بلکہ اُنکی یہی کوشش اُنکے خیال کی صفائی۔ پاکیزگی اور اُنکے علم و عمل کی بزرگی ثابت کرتی ہے۔

چنانچہ چین **فلوسفی** کا پہلا مصنف جو فی الحقیقت ہمہ داں اور واقف کل تھا۔ بڑے زور اور وثوق کے ساتھ دعوے کرتا ہے کہ روح کی اصلی اور ذاتی صفتیں چار ہیں۔ علم کل۔ نظر کل۔ سرور کل۔ اور طاقت کُل۔ یہ اوصاف روح میں سے کبھی اور کسی حالت میں بھی زائل یا معدوم نہیں ہوتے۔ ان کی فنا گویا اصل جوہر کا عدم ہو جانا ہے۔ اور روح **ازلی و ابدی** ہے۔ اُس کا عدم کبھی ہوا ہے ہوتا ہے۔ اور نہ ہوگا۔ اور یہی صفات۔ گویا روح کی علامات ہیں۔ یعنے یہ چاروں بہیئت مجموعی یا جُدا جُدا سوائے روح کے کسی اور جوہر میں کبھی نہیں پائی جاتیں۔ جہاں یہ چاروں یا ان میں سے کوئی ایک بھی ظاہر ہو۔ وہاں روح ضرور ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ انہی صفاتِ اربع کے اجتماعِ حقیقی کا نام۔ روح ہے جو رنگ۔ بُو۔ ذائقے۔ اور لمس والے پدگل۔ یا مادے سے بالکل جدا ہے۔ اور بجائے خود لاتعداد پرویش[1] والا ایک اور بے غیر متشکل[2] جوہر ہے۔

---

[1] پرویش فلاسفی اُس جسم کو کہتے ہیں جس میں میٹر یا پدگل۔ یا مادے کا صرف ایک ذرہ بھی آسکے۔ اور روح ایک ایسی چیز ہے جو خفیف سے خفیف ہو کر بھی فلاسفی کے لاتعداد پرویشوں کو گھیر لیتی ہے۔ اِس لئے اُس کو بھی لاتعداد پرویش والی کہا گیا ہے۔ [2] غیر متشکل اس لئے کہا گیا ہے کہ مادے کی طرح چونکہ اُس میں (بقیہ آیندہ)

ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ فی زمانہ غیر ممالک کے محقق اور فلاسفروں نے منجملہ چھ کے ایک مادّے اور اسکی بہت سی مختلف اشکال کے خواص یا دھرم اپنی سعی بلیغ اور کوشش جانکاہ سے معلوم کرلئے ہیں۔ لہٰذا اُن سے انواع و اقسام کے تجربے کئے گئے ہیں۔ اور عجیب عجیب کام لئے جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور کسی جوہر یا اُسکی کسی شکل سے ذاتی صفات زائل ہو جایا کرتیں تو آج جو حیرت انگیز کرشمے نظر آتے ہیں ایک بھی ظہور میں نہ آتا ؂

ہندوستان اور اُس کے باشندے چونکہ پہلے اپنی ترقی کے زمانے میں بھی حریص۔ طامع۔ اور بندہ زر نہیں تھے۔ لہٰذا یہاں کے رشیوں۔ اور سادھوں اور خصوصاً جین فلاسفروں نے گو چھوں جوہر اور اُن کے جملہ حالات اور اشکال کو کماحقہٗ دریافت کیا۔ مگر پانچ کو تو صرف اسقدر کام لے کر چھوڑ دیا کہ جس سے ملک اور اہل ملک کی جسمانی اور روحانی زندگی کے متعلق تمام ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ مگر ایک روح کی حقیقت۔ ماہیت اور ذاتی صفات معلوم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی۔ اُنھوں نے اِس جوہر لطیف کو یہاں تک دریافت کیا۔ اور اسقدر دریافت کیا کہ انتہا کو پہنچا دیا۔ کیونکہ چھ میں سے پانچ تو بالکل جیس و بے ہوش ہی ہیں۔ صرف روح صاحب علم و ہوش ہے یہی اپنے نفع و نقصان کو محسوس کرتی ہے۔ اِسی کو اپنے دکھ سکھ کی خبر ہوتی ہے۔ اور یہی خود اپنے علم اور لاعلمی سے اپنے لئے بہتر اور بدتر ذرایع پیدا کرسکتی ہے۔ اِس لئے لازم آیا کہ یہ خود ہی اپنی ذاتی صفت علم سے اپنے وجود

کے بعد تو ضرور ہی ہو جائے گی۔

اِس تیوہار کا نام **دس لکشنی پرب** ہے۔ اور دس لکشن دہرم بھی کہا جاتا ہے۔ دہرم سنسکرت زبان میں شے کی خاصیت بالذات کو کہتے ہیں۔ کسی طریق یا مشرب کا نام دہرم نہیں ہے۔ مثلاً روشنی اور گرمی۔ آگ کا ذاتی خاصہ ہے۔ بس یہی اُس کا دہرم ہے۔ اِسی طرح پانی کی خاصیت ہے سردی اور سیال پن۔ چنانچہ اُس کا وہی دہرم ہے لیکن عارضی صفتوں کو کبھی دہرم کے نام سے موسوم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اگر پانی کو تھوڑی دیر آگ پر رکھدیں اور وہ گرم ہو جائے تو گرمی اُس کا خاصہ یا دہرم ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اِس کائنات میں اگرچہ لاکھوں کروڑوں بلکہ لاتعداد اشکالِ مختلفہ ہم دیکھتے ہیں مگر اُن سب کی اصل صرف چھ اشیا یا چھ جوہر ہیں۔ جو خود اپنی ذات سے قائم ہیں کسی فاعلی یا دوسری علت کے محتاج نہیں ہیں۔ واجب الوجود ہیں اور ہر حالت اور ہر صورت میں اپنی اپنی صفات سے متصف ہیں۔ بلکہ اُن سے ظہور میں آنے والی یہ لاتعداد شکلیں بھی اپنی اپنی ہستی میں کبھی ذاتی اور عارضی صفات سے جُدا نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ میں نے ابھی آگ اور پانی ایک ہی مادے کی دو شکلوں کو مثال میں پیش کیا ہے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس عالمِ اسباب میں ذرّے سے لیکر آفتاب تک اور کاہ سے لے کر کوہ تک کوئی شے اور اُسکی کوئی شکل اوصاف سے خالی نہیں ہے تو مان لیا گیا کہ عارضی صفات سے قطع نظر کر کے جس شے کی جو ذاتی اور حقیقی صفت ہے وہی اُس کا دہرم ہے ؎

وصفات کا ہی علم و یقین ہے اور نہ کچھ طریق و عمل ہی جن کا درست ہے۔ جن آچاریوں نے اُنکے نام دن پرب یا تیوہار قائم کر دیئے ہیں۔ جو اگھ۔ چیت اور بھادوں مہینے کی دس آخری تاریخوں میں مانے جاتے ہیں۔ یہ دن سال بھر میں تین مرتبہ آتے ہیں۔ اور بڑے باعظمت خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس آجکل صرف بھادوں ہی میں مانے جاتے ہیں اور وہ بھی ایک میلے کے طور پر۔

مدعا اس سے یہ ہے کہ دنیا دار لوگ جن کو اُنکے واقعات اور تعلقات ہمیشہ ایک صورت اور ایک حالت پر قائم نہیں رہنے دیتے وہ کم از کم سال بھر میں تین بار تو ضرور اپنے مقصد اور فرض کی یاد تازہ کر لیا کریں۔

اِن دس روزمیں ہر ایک جینی نہیں بلکہ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ روزمرہ ایک ایک صفت مذکور الصدر کی تعریف شاستر میں سے پڑھے پڑھائے۔ سُنے سُنائے۔ اور حتی المقدور شاستر کے حکم کے موافق اُس پر عمل بھی کرے۔ بلکہ اِن صفاتِ عشرہ کو اس طرح دل سے پیار کرے اور ان کا ایسا خیال رکھے کہ جیسا ایک سچا عاشق اپنے معشوق کا۔ سوتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے۔ ہر وقت خیال رکھتا ہے اور اُسے اپنی جان سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

بزرگ بھی اس قدر جانے کہ دس روز تک برابر صبح اُٹھکر اُنہی اوصاف عشرہ کی جل۔ چندن۔ اکشت۔ پشپ۔ نیوید۔ دیپ۔ دھوپ۔ اور پھل شیرینی۔ اِن آٹھ چیزوں سے پوجا کرے۔ اِستتی یعنے حمد و ثنا کرے۔ کیونکہ خیال۔ یقین اور عمل ہی ایک ایسی زبردست قوت ہے جس سے ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے یہی منشا ہے کہ خیال اور عمل کی قوت ممکن ہے اسی جنم میں روح کو اتنا پاک کر دے کہ وہ اپنی ذاتی اور حقیقی صفات میں بالکل قائم اور ساکن ہو جائے۔ ورنہ ایک یا دو جنم

نکل کر ہر طرف پھیل چکی ہے۔ اُس گوہر علم کو اپنی نادانی سے وہ ایسے لوگوں سے طلب کرتا تھا۔ جو گو دریا کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ مگر اُسکو بھولے ہوئے ہیں۔

میرے دوستو! جن کے مقدس رشیوں نے جو فی الحقیقت جوہر روح کے بے مثل مبصر اور محقق گذرے ہیں۔ روح کی دس ذاتی اور حقیقی صفتیں مانی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

کشما (عفو) مارد و (انکسار) آرجو (بے ریائی) ستیہ (صفا) شوچ (صدق) شتیہ (صدق) سینم (زہد و انضباط) تپ (ریاضت) تیاگ (ترک و بے نوائی) آکنچن (بے لوثی و استغنا) برہمچریہ (پارسائی و عمل الروح)

انکے متضاد دس جذبات نفسانی یعنے غصہ۔ غرور۔ ریا۔ آلودگی۔ کذب۔ نفس پروری۔ غفلت۔ بوالہوسی۔ طلب دنیا۔ اور شہوت پرستی ہیں۔ جن کے زائل و معدوم ہونے سے ہی متذکرۂ بالا صفات روحانی ظہور میں آتی ہیں۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہر ایک عرض عارضی یا جذبہ کے دور ہونے سے جوہر روح کی جو اصلی حالت ذات ظہور میں آتی ہے اُس کا علیحدہ علیحدہ ایک نام قائم کر کے بالترتیب روح کی یہ دس صفتیں مانی گئی ہیں۔ جن کو دنیوی اخلاق اور روح کی نجات دونوں باتوں کے خیال سے اتنا ضروری اور لازمی سمجھا ہے کہ ہم جیسے ناقابل لوگوں کے لئے بھی جنھیں نہ روح کی ذات

دس لکشن دہرم یا روح کی دس ذاتی صفتیں

مثال

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد — آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد
گوہرے کز صدف کون و مکان بیرون شد — طلب از گم شدگان لب دریا می کرد

جام جم اُس پیالے کو کہتے ہیں جسے جمشید بادشاہ کے وقت میں حکمائے دربار نے ہیئت، ہندسہ۔ اور نجوم وغیرہ علوم کے قاعدے سے ترتیب دیا تھا۔ اور جس میں ضرورت کے وقت خاص طور پر استعمال کرنے سے غائب کا حال نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہاں بھی "جام جم" سے غائب بینی۔ روشن ضمیری۔ اور ہمہ دانی مراد ہے۔ بلبل شیراز یا لسان الغیب فرماتے ہیں۔

کہ برسول میرے دل[1] نے محمدؐ[2] سے غیب دانی۔ روشن ضمیری اور صفائی قلب کی خواہش کی۔ لیکن یہ اسکی غلطی اور نادانی تھی کہ جو خود ادمی کی ذاتی صفت ہے اُسے وہ اغیار اور بیگانوں سے طلب کرتا تھا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ وہ علم کا موتی جسکی ضو کون و مکان کی صدف سے

---

[1] دل روح کا صدر مقام یا جادہ گاہ خاص ہے۔ اور خواہشات کا مخزن ہے۔ لہذا طلب کے لئے بجائے روح لفظ دل کا استعمال ہی مناسب تھا۔

[2] اور محمد سے یہ کامل فلکی یا ہیئت انسانی مراد ہے۔

اسکے ساتھ یہ خیال بھی دامنگیر رہا کہ جو ترکیب ہو صاف اور عام فہم ہو مضمون ایک چیستان یا پہیلی نہ بن جائے۔ تاہم میں خوش ہوں کہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ اور بہت زیادہ کامیاب ہوا۔ لیکن پھر بھی ایسے مضامین سمجھنے کے لئے تھوڑی بہت علمی لیاقت بہت ضروری ہے۔ مگر افسوس آجکل اکثر ابنائے جنس کے دماغی ظرف اس سے خالی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بالکل عامیانہ مضامین ہوں اور سودے سلف کی زبان میں بیان کئے جائیں۔ جو قریب قریب مجھ سے ناممکن ہے۔

اِس سے پہلے یہ چھوٹی سی کتاب ٹریکٹ کی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ اُسکے بعد رسالہ زبان میں شائع ہوئی۔ اور اب تیسری مرتبہ پھر ایک چھوٹی سی کتاب بنکر نکلتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ کچھ کم قدر افزائی نہیں ہے۔ مگر جب میرے احباب مجھ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ "دو الفاظ مشکل ہیں مطلب سمجھ میں نہیں آتا" تو پر ماتما جانے جی ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو دل ہی دل میں یہ کہنے لگتا ہوں ؎

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

فقیر مائل عفی عنہ دہلوی

عرضِ مُصنّف

میرے دوستو! "حسنِ اوّل" سے پہلے میں نے ایک چھوٹی سی کتاب "صبحِ صادق یا انوارِ حقیقت" کے نام سے شائع کی تھی۔ جس میں روح کی دس ذاتی صفات پر محض فلسفیانہ طریق سے بحث کی گئی تھی۔ اور قریب قریب جین فلاسفی کا تمام لب لباب بیان کر دیا گیا تھا۔

اِس قسم کا مضمون اردو میں لکھنے سے مدِّ نظر یہ امر تھا کہ جین لوگوں کے علاوہ عام پبلک بھی جین فلاسفی کے اوصافِ خیال سے واقف ہو جائے اور جو غلط فہمی عام میں پھیلی ہوئی ہے وہ ایک حد تک رفع ہو جائے۔ مگر دقت یہ واقع ہوئی۔ کہ ایک تو فلسفیانہ مضمون۔ دوسرے اس کا اصل ماخذ سنسکرت جیسی مکمل اور جامع زبان۔ پھر اس کے لئے اُردو جیسی بے بضاعت زبان میں مترادف لفظ آئیں تو کہاں سے آئیں۔ ناچار عربی اور فارسی کے خزائن سے رقمیں کی رقمیں قرض لیکر اس کمی کو پورا کرنا پڑا۔ کہیں اپنے منشا کے موافق ترکیب دیکر نئے نئے مرکب الفاظ اور جملے پیدا کئے۔ کہیں مفرد الفاظ کو نئے نئے معنی پہنائے مگر پھر بھی ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

صبح صادق یا انوارِ حقیقت

جس میں روح یا آتما کی دس ذاتی صفات پر بالکل فلسفیانہ طریق سے بحث کی گئی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ روح کی حقیقت ہی بیان کر دی گئی ہے

از

پنڈت بشیشور پرشاد منیر لکھنوی مصنف حسن اول و سباق

ایڈیٹر رسالہ "زبان" دہلی

پرکاشک

بابو منشی مندل، مدرسہ سکھان دہلی

طبع اول ۱۹۱۳ء ۱۰۰۰ روپیہ